اہم اسلامی عقائد و معمولات پر ایک محققانہ کتاب

نورِ اسلام

مصنف

شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادی

مترجم

ملک لیاقت علی اعوان

فاضل بھیرہ شریف

مکتبہ جمالِ کرم لاہور

اہم اسلامی عقائد و معمولات پر ایک محققانہ کتاب

نورِ اسلام

مصنف

شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادی

مترجم

ملک لیاقت علی اعوان

فاضل بھیرہ شریف

ایم اے عربی - ایم اے اسلامیات

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور

Ph:042-7324948

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... نور اسلام

98150

مصنف .... شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادیؒ

مترجم .... ملک لیاقت علی اعوان (فاضل بھیرہ شریف)

اشاعت اول .... اگست 2004ء

تعداد .... گیارہ سو

زیر اہتمام .... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر .... مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت .... روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جمال کرم

9 مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ لاہور

فون: 042-7324948

الانتساب

اپنے والدین کریمین کے نام جن کی بے پناہ محبتوں اور دعاؤں کے طفیل یہ ناچیز چند حروف لکھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوا۔

ملک لیاقت علی اعوان

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا۔ وَلَقَدْ کرمنا بنی آدم ۔ کا تاج اس کے سر پر سجایا اور اس کو احسن تقویم کی صورت بخشی ۔ اس کی روحانی وجسمانی ضرورت کا بھی بھر پور بندوبست کیا لیکن اس کے ساتھ ہی ہر انسان میں نیکی وبدی کو اپنانے کی صلاحیت رکھ کر فَھَدَیْنَا النجدین فرمایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ارض گیتی پر قدم رکھتے ہی انسان کو مختلف حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غم وخوشی، عروج وزوال، امن وجنگ، بیماری وصحت، زندگی اور موت یہ تمام ایسے امور ہیں جن سے کسی کو مفر نہیں۔ اور بقول ''انسانی زندگی مختلف قسم کے امتحانوں سے مرکب ہے۔'' بسا اوقات حالات میں تبدیلی سے افکار و نظریات میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ ایسی ہی کیفیت میں روحانیت عروج وزوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ جب بھی انسان پر مادی عروج آیا تو یہ اپنی عزت وناموس کے خلاف کام کرنے پر اتر آیا تو اس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے رب کریم نے اعلیٰ ترین اور قدسی صفات انسانوں کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا تاکہ وہ بھولے ہوئے انسان کو اس کی عظمت رفتہ یاد دلا کر بندہ اور اس کے مالک حقیقی کے درمیان تعلق کو مضبوط بنا سکیں۔ علاوہ ازیں آسمانی کتب وصحائف کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کا سامان کیا، لیکن نور وظلمت، نیکی وبدی، اور حق وباطل کی جنگ ازل سے ہے ابد تک رہے گی۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

آقا دو جہاںؐ کی آمد نسل انسانی کے لئے حیات نوع کی نوید ثابت ہوئی۔ زندگی کے تپتے ہوئے ریگستان میں سسکتی انسانیت کو ایک ٹھنڈی چھاؤں میسر

آئی۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور انسانوں کو آزادی نصیب ہوئی حق کا دور آیا تو باطل کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اسلام کا نور پھیلا اور کفر کی ظلمتیں کافور ہو گئیں۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًاo

یہ کتاب جو آپ کے زیر مطالعہ ہے اسے شیخ عبدالکریم محمد المدرس البغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے تالیف کیا ہے۔ یہ کتاب عقائد کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو قرآن و سنت کے حسین پیرائے اور عقل کی دلکش روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت غوث اعظمؒ کی درگاہ کے مدرس کی یہ کتاب ہمارے لئے باعث فخر اور ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ میں نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی ایک معمولی سی ہمت و کوشش کی ہے۔ اگر دوران مطالعہ کوئی ایسی چیز نظر سے گزرے جس میں غلطی کا امکان ہو تو امید ہے کہ آپ اس کی بہتری کی تجویز دیں گے کیونکہ ترجمہ کرتے ہوئے بعض اوقات تحریر میں سقم رہ جاتے ہیں اور اپنی رائے پیش کرنے کی بنسبت ترجمہ مشکل ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ ایک طالب علم کی حقیری کوشش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی جناب مقدس میں قبول فرمائے۔

اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں استاذی الکریم مولانا محمد انور مگھالوی صاحب نے خصوصی شفقت فرمائی ہے اور اپنی قیمتی آراء و تجاویز سے نوازتے رہے۔

مزید برآں برادر، عزیز مولانا ملک نور خان اعوان کی بھی معاونت رہی اور برادر مکرم جناب احسان الحق صدیقی صاحب کے تعاون سے یہ کتاب ایک خوبصورت انداز میں مکتبہ جمال کرم لاہور سے طبع ہو کر آپ تک پہنچی۔ میں ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ملک لیاقت علی اعوان

پیل، ضلع خوشاب

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	الایمان باللہ تعالیٰ عقلی دلائل توحید	11
2	آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری	11
3	محیط دو عالم ہے قدرت تیری	12
4	تجھی سے ہے سنسار میں رنگ	12
5	ضیائے رخ زندگی تجھ سے ہے	13
6	بنائے اپنی حکمت سے زمین وآسمان تو نے	13
7	دکھایا بے نشان ہو کر ہمیں اپنا نشان تو نے	14
8	عظمت تیری مانے بن کچھ نہ بن آتی یاں	15
9	دھریوں کا رد	19
10	صفات الٰہیہ	23
11	خلاصہ کلام	31
12	توحید باری تعالیٰ پر آئمہ کرام کا خوبصورت استدلال	31
13	دیدار الٰہی	37
14	فرشتوں پر ایمان	40
15	جنات کے وجود پر ایمان	45
16	آسمانی کتب پر ایمان	47

17	قرآت سبعہ	56
18	مشہور قراء عظام	56
19	قراء عظام کے راوی	57
20	رسولوں پر ایمان	65
21	بعثت رسل کی حکمت	73
22	محبت رسول ﷺ	80
23	ورفعنا لک ذکرک کا عظیم مظاہرہ	84
24	درود شریف پڑھنے کے مختلف انداز	88
25	اذان کے بعد درود شریف کا پڑھنا	93
26	جشن میلاد النبی ﷺ	95
27	زیارت رسول ﷺ	100
28	زیارت کے آداب	103
29	توسل اور وسیلہ	105
30	قرآن پاک کا تصور وسیلہ	106
31	احادیث میں وسیلے کا تصور	109
32	توسل کی پہلی صورت	113
33	توسل کی دوسری صورت	116
34	قرآن کریم کی دلیل	116
35	سنت رسول ﷺ سے دلائل	117

36	ایک شبہ کا ازالہ	120
37	توسل کی تیسری صورت	125
38	توسل کی چوتھی صورت	128
39	توسل کی پانچویں صورت	130
40	توسل کی چھٹی صورت	135
41	توسل کی ساتویں صورت	138
42	توسل کی آٹھویں صورت	142
43	محبت رسول ﷺ	155
44	رسول ﷺ کی آل کی محبت اور ازواج کا احترام	156
45	آل محمد ﷺ کی محبت اور عزت	160
46	صحابہ کرام اور تابعین کی محبت	162
47	علماء اسلام کی محبت اجتہاد کی تعریف وضرورت	171
48	مجتہد کے لئے شرائط	177
49	اہلیت والے پر اجتہاد کا لزوم	190
50	جو رتبہ اجتہاد پر فائز نہ ہو اس کے لئے تقلید کا لزوم	193
51	بدعت کی اقسام	197
52	امت مسلمہ سے محبت	200
53	اولیاء اللہ کی کرامات	216
54	معجزہ اور کرامت میں فرق	216

55	قرآن پاک سے کرامت کا ثبوت	217
56	احادیث طیبہ سے کرامات کا ثبوت	220
57	کرامات صحابہ	229
58	ایک ضروری وضاحت	235
59	صالح، متقی اور سچے لوگوں کی صحبت	239
60	زیارت صالحین	241
61	قبور صالحین کی زیارت	246
62	بیانات اور وضاحتیں	250
63	نسبت کی اہمیت	258
64	قضاء قدر	263
65	اللہ تعالیٰ کے علم کی مثل	270
66	موت کی حقیقت	274
67	ہادی حقیقی	276
68	اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں خود مختار ہے	279
69	دیدار الٰہی	280
70	برزخی زندگی	283
71	کتاب اللہ سے دلائل	283
72	احادیث طیبہ سے دلائل	286
73	آخرت کے دن پر ایمان	294

74	زلزلہ	302
75	النفخۃ الثانیہ	307
76	حشر کے خوفناک احوال	311
77	قصاص	314
78	میدان حشر	316
79	محاسبہ اعمال	319
80	نامہ اعمال	320
81	میزان	322
82	پل صراط	322
83	حوض کوثر	327
84	شفاعت	329
85	احادیث شفاعت	330
86	شفاعت کی پانچ اقسام	332
87	جنت اور دوزخ	337
88	الکوثر	346

نور اسلام کی پہلی کرن

الایمان باللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کا اعتراف اور تصدیق کی جائے کہ اس کائنات کی بلندی و پستی اور تمام اشیاء جو اس میں موجود ہیں ان تمام کو بنانے والی ذات ''اللہ تعالیٰ'' ہے جو واجب الوجود اور ہر وجود کا خالق ہے۔ وہ تعظیم کا مستحق ہے اور وہ ہی معبود حقیقی ہے۔ اور ہر چیز اس کی قدرت کے آگے مسخر اور سرنگوں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہی ہے اور اسی کی جناب میں رحمت، احسان عمیم، کرم اور نعمت وسیع کا دست سوال دراز کرتی ہے۔

کسی صاحب عقل سلیم کو اس سلسلے میں کسی فلسفے کی ضرورت نہیں بلکہ درج ذیل بیان کی جانے والی وجوہات ہی اس کے لیے کافی ہیں۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری:۔ انسان نے جب سے اس ارض خاکی پر قدم رکھا ہے وہ چمکتے سورج کے نیچے تمام مخلوقات سے زیادہ افضل ہے تمام اصحاب عقل و دانش اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا خالق اور رب سب سے اعلیٰ ہے اور وہ مشکلات اور اہم امور میں اسی سے مدد لیتے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی اپنی ذات تو فہم و ادراک اور طاقت میں ناقص ہے اور جس کسی کو اپنی ذات میں کمی محسوس ہو تو وہ کامل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے سے بڑی طاقت سے مدد چاہتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کامل مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جو اپنے وجود کو قائم رکھنے میں کسی کی محتاج نہیں ہے اور اسی کی ذات پاک حقیقی طور پر مطلوب و مقصود ہے جب اصحاب عقل و شعور کا یہ نظریہ ہے تو پھر ہم جیسے ناقص العقول کے لیے اس بات کو ماننا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے اور یہی عقل سلیم کا تقاضا بھی ہے۔

محیطِ دو عالم ہے قدرت تیری:۔ ہمارے اردگرد بے شمار ایسی چیزیں مثلاً جمادات ،نباتات اور حیوانات میں سے موجود ہیں۔ جن کو ہم دیکھ کر اور چھو کر محسوس کر سکتے ہیں ہم اس بات کو بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ جمادات کا ہر ذرہ تکوین وتحویل کے اصول پر عمل پیرا ہے پس پانی سے بخارات بنتے ہیں اور بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور پھر برسنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح زمینی مواد کی بھی اپنی تاثیر ہے جس سے مختلف نتائج مرتب ہوتے ہیں جو آدمی زمین میں بیج بوتا ہے تو مؤثر حقیقی ہی اس بیج کو تنا عطا فرماتا ہے پس وہ تنا موٹا ہوتا ہے، پھل لاتا ہے اور پھر کچھ عرصے بعد یہ پودا گر جاتا ہے اور زمین کا حصہ بن جاتا ہے نطفہ کی پرورش اور مختلف مراحل سے گزر کر ظاہری دنیا میں آنے تک "محدود وقت کے لیے" استفادہ اور افادہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ایک قانون اور قوت کے تحت ہوتا ہے اور ہر قوت مدرکہ ایک ایسی قوت کے تحت ہوتی ہے جو تمام قوتوں سے فائق ہوتی ہے۔

مخلوق میں اشرف اور قوی ہونے کا اعزاز انسان ہی کو حاصل ہے جو جہالت سے بچتے ہوئے علم کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے حصول قوت و آرام کے لیے وہ جہد مسلسل کرتا ہے اور اس دوران مختلف حالات سے گزرتا ہے وہ حاجات کے حصول کے لیے اسباب تلاش کرتا ہے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہر موجود چیز فی نفسہ محدود اور کمزور ہے اور کسی بھی شے میں تصرف کے لیے کامل و مطلق ذات کی ضرورت ہوتی ہے جو نہ تبدیل ہو سکتی ہو اور نہ وہ مسخر ہو سکتی ہو اور وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے جو مقصود و مطلوب حقیقی ہے۔

تجھی سے ہے سنسار میں رنگ روپ:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و عرفان دے کر باقی تمام مخلوق سے ممتیز فرمایا ہے اسی خصوصیت کی بناء پر وہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور نقص سے کمال کی طرف سفر کرتا رہتا ہے

کسی بھی معمولی چیز کے حصول میں کامیاب ہونے کے لیے اسباب وعلل کا پایا جانا ضروری اور اسی طرح نقصان دہ چیز کو دور کرنے کے لیے بھی سبب ضروری ہوتا ہے انسان جب غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ عالم علویات وسفلیات کا بغیر کسی سبب کے چلنا ناممکن ہے۔

تھوڑا سا غور وفکر کرنے کے بعد انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی اپنی ذات اور اس کا ماحول اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے اور وہ ہی مطلوب حقیقی ہے۔

ضیائے رخ زندگی تجھ سے ہے:۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی انسان کسی خوبصورت پھول اور دلکش تخلیق کو دیکھتا ہے یا کسی ایسے نقش دلربا کو ملاحظہ کرتا ہے جسے اس نے پہلے نہیں دیکھا ہوتا تو وہ جان لیتا ہے کہ اس چیز کا تخلیق کار بہت بڑا ماہر ہے اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ مذکورہ چیز بغیر سبب اور بنیاد کے معرض وجود میں آ گئی ہو۔ تو ایسا آدمی کیسے تصور کر سکتا ہے کہ اس کے جسمانی اعضاء اور اس کے احساسات وادراکات ،کھوپڑی اور دماغ کی بناوٹ اور اس کے اسرار ورموز ،معدہ کی تخلیق اور اس کی بے مثال کارکردگی ،ہاتھ کی بناوٹ اور اس کے نقوش بغیر کسی خالق کے معرض وجود میں آ گئے۔

علاوہ ازیں معنوی اثرات مثلاً غم وخوشی کا پے درپے آنا ،ذوق ونشاط کا پروان چڑھنا ،محبت ونفرت کی کیفیات ،ان تمام امور کو بغیر کسی خالق کے مان لینا کہاں کی عقل مندی ہے بلکہ انسان اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مانے کہ تمام امور کا خالق ومالک موجود ہے اور وہ ہی ذات مطلوب ومقصود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بنائے اپنی حکمت سے زمین وآسماں تو نے:۔ خیمہ افلاک کی طرف دیکھو! اس میں موجود روشن ستاروں ،دلکش سیاروں اور بھڑکتے سورج کا نظارہ کرو جو کہ زمین سے کئی گنا بڑا ہے غور فرمائیں کہ آخر یہ آگ کا بھڑکتا ہوا گولا آخر کہاں سے آیا یہ مسلسل کیوں جل رہا ہے؟ اور یہ اپنی مرکزیت کو کیسے قائم رکھے ہوئے ہے؟ اس کے اردگرد سیارے ایک خاص

مدار ہی میں کیوں چکر لگاتے ہیں؟ اور سورج کیسے ان سیاروں کی حرکات کی نگرانی کرتا ہے اوران کا توازن برقرار رکھتا ہے کوئی سیارہ بھی اپنے مدار سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ یہ سارا نظام شمسی اپنے مدار اور مقدار رفتار سے ذرہ بھر بھی انحراف نہیں کرتا، وجہ کیا ہے؟ کیسے دن رات بدلتے ہیں؟ اوران تمام امور میں کیسے تسلسل قائم ہے؟

آخر وہ کون سے مرکزی کشش ہے جس کی بناء پر تمام سیارے اپنے اپنے محور کے گرد گھومنے کے علاوہ اپنے اپنے مرکز کے گرد بھی گھومتے ہیں؟ سارے نظام شمسی میں توازن کی کیا وجوہات ہیں؟

ان مذکورہ بالا امور میں سے کچھ امور وہ ہیں جو منکشف ہو چکے ہیں ان کے علاوہ بہت سے ایسے اسرار بھی ہیں جو ابھی تک پوشیدہ ہیں اور جن کو ان کے خالق و مالک کے سوا کوئی نہیں جانتا کیا عقل سلیم اس مقام پر عظیم خالق کا اعتراف کرتے ہوئے یوں نغمہ سنج نہیں ہوتی کہ (وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ) •

''اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے''[1]

بے شک بصیرت کی نظر سے دیکھنے والا اور باخبر نکتہ داں ہدایت پالیتا ہے اور اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے کہ نظام کائنات کی ہر چیز اس حاکم اعظم کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے جس کی بادشاہت مکمل ہے اور دن کو رات میں اور رات کو دن میں تبدیل کرتا ہے وہ ہی مطلوب و مقصود حقیقی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے :۔ اگر آپ اس کائنات میں نظر دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا کُل یا تو ممکن ہوگا اور وجود اور عدم کی مناسبت سے برابر ہوگا یا پھر وہ واجب ہوگا اور ازل سے ثابت الوجود ہوگا۔ یا اس کا بعض واجب ازلی ہوگا اور بعض ممکن ہوگا جو عدم سے وجود کی طرف آیا ہوگا جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بلا

---

[1] سورہ طہ.........آلایۃ (111)

شبہ دوسرا احتمال فاسد ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ کائنات کے بہت سے اجزاء پر اچانک فنا طاری ہو جاتی ہے اور ان کی تباہی کا مشاہدہ آپ نے اکثر کیا ہوگا۔ جیسا کہ پہاڑ زلزلے کی وجہ سے فنا ہو جاتے ہیں اور گرمی سے پانی بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ تمام ایسی چیزیں ہیں جو اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ مذکورہ اشیاء کا وجود واجب نہیں ہے۔

اسی طرح تیسرا احتمال کہ اس کا بعض واجب قدیم اور بعض ممکن ہے حالانکہ پتھر اور مٹی، زمین اور پانی، پانی اور ہوا میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ پس کائنات کی وسعت اور اس کے بعض حصے کا ابتر ہونا باقی حصے کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

اب سوائے پہلے امر کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی کہ کل ممکن الوجود ہے جس کا عدم اور وجود دونوں برابر ہیں اور ہر وہ چیز جس کی طرفین یعنی عدم اور وجود برابر ہوں وہ کسی ایسی ذات کی محتاج ہوتی ہے جو خود واجب الوجود ہو اور کمال وازلیت کی اعلیٰ صفت سے متصف ہو وہی مطلوب ومقصود ہو اور وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

عظمت تیری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں: ۔ اس کائنات کی علت عموم کی حیثیت سے یا تو اس کی اپنی ذات ہے یا اس کا بعض یا اس کا امر خارج عقل سلیم اس بات کو نہیں مانتی کہ یہ کائنات فی نفسہ موثر ہو۔ کیونکہ اگر یہ خود موثر ہو تو اثر کو مقدم کرنا لازم آئے گا اگر کائنات اپنی ذات کے لیے علت ہوتی تو لازم ہوتا کہ وہ اپنی ذات سے بھی پہلے ہوتی اور یہ امر ازروئے عقل محال ہے۔

اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ بعض کائنات میں موثر ہو کیونکہ بعض کو اس کی ذات پر مقدم کرنا پڑے گا اور یہ بھی ممکن نہیں ہے۔

اب تیسرا احتمال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ کائنات کی امر خارج والی علت اور یہ بات معلوم ہے کہ کائنات سے خارج اور موجود وہی ذات ہوگی جو واجب الوجود ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس کائنات میں امر خارج وہ ذات ہے جو مشہود، طاقتور، صاحب جمال وجلال واجب الوجود، بلند ذات، تمام صفات کمالیہ سے متصف، تمام نقائص سے مبراء ومنزہ ہے وہ ذات اپنے وجود زندگی علم، ارادہ، قدرت سمع وبصر اور کلام کی مناسبت سے بے مثل وبے مثال ہے اور وہی ہستی عالی شان موثر مطلق ہے۔

بلا واسطہ تخلیق وایجاد میں تمام ممکنات موجود بذات اس ذات کا سہارا لیتے ہیں۔

الختصر اس ظاہری کائنات میں امر خارج ایسا ہوگا جو صاحب قوت ہو اور کمال و جمال وجلال واجب الوجود، عالی شان اور دیگر تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور تمام نقائص و عیوب سے منزہ ومبرا ہو وہ اپنے وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع وبصر اور کلام میں موثر و مطلق ہو۔ تمام ممکن الوجود بذات اسی کے محتاج ہوں۔ خلق وایجاد میں وسیلے کا محتاج نہ ہو اور امور عادیہ کی تخلیق وایجاد میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت جاری ہے ان میں اسباب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کی ذات ان اسباب کی بھی محتاج نہیں ہے وہ اپنے تمام افعال میں موثر ومختار ہے اس پر کوئی شے واجب نہیں ہے۔

وہ بلند وعالی شان ہے اور کسی فعل کو سرانجام دینے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس کا وجود کائنات میں معلوم ومشہود ہو اور اسی طرح موثر خارج معلوم ومشہود ہو۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس موثر کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بے شک کسی چیز کے وجود کا علم اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اس کی اصل حقیقت بھی معلوم ہو۔ اس بات کو ماننے اور اس پر اعتماد کرنے میں کوئی عیب بھی لازم نہیں آتا۔ کیونکہ آواز کے بارے میں علم آواز کے علم کو تو لازم کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کو نہیں کسی کا دروازے کو کھول دینا کھولنے والے کے وجود کو لازم کرتا ہے اس کی حقیقت کو نہیں بجلی اور روشنی کے آثار ان دونوں کے وجود کو لازم کرتے ہیں لیکن ان کی ماہیت جاننا اس سے لازم نہیں آتا آپ کا اپنی زندگی اور ارادے اور قدرت کے بارے میں علم کیا اس بات کو لازم نہیں کرتا ہے کہ آپ میں

روح موجود ہے لیکن اس سے روح کی ماہیت و کیفیت کا جاننا لازم نہیں آتا۔ اور یہ عدم واقفیت آپ کے علم میں کوئی نقص وعیب بھی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت سننے دیکھنے اور کلام کرنے کے بارے میں تو ارشاد فرمایا ہے لیکن ان تمام امور کی حقیقت کے بیان سے باوجود علم ہونے کے اعراض فرمایا ہے کیونکہ مکلّف کو اس کی وسعت کے مطابق ہی تکلیف دی جاتی ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ ممکن واجب کا احاطہ نہیں کرسکتا اسی طرح ناقص کامل کے بارے میں اور محدود لامحدود کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتا ہے کثیر آیات مبارکہ ایسے دلائل قاطعہ کی طرف اشارہ کرتیں ہیں کہ جن کے سامنے عقل انسان دم بخود اور حیران ہے فرمان الٰہی ہے۔

"اَمْ خَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ" [۲]

کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں۔ یعنی اس کے بعد کہ جب انسان کو یہ شعور حاصل ہو کہ وہ ایک زندہ اور صفات وکمالات سے متصف مخلوق ہے تو کیا ایسا باشعور آدمی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس کا کوئی خالق نہیں۔ اور کیا وہ اپنی پیدائش میں کسی کا محتاج نہیں؟ از روئے عقل یہ سوچ محال ہے۔ یا کوئی ہی گمان کرے کہ انسانیت کی تخلیق اس طرح ہے کہ بعض افراد بعض کے خالق ہیں۔ حالانکہ ایسا محال ہے کیونکہ اگر باپ اپنے بچے کا خالق ہوتا تو دنیا میں لوگوں کی تعداد بے شمار ہوتی۔ حالانکہ بعض افراد ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو بغیر اولاد کے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد زیادہ ہوتی ہے اسی طرح صورت وسیرت میں بھی انسانوں میں تنوع پایا جاتا ہے جس کی تخلیق میں انسانوں کا بہت کم کردار ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہے کہ

"اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ". [۳]

کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا یہ اعلیٰ

---

[۲] سورۃ الطور.........الایۃ (35)   [۳] سورۃ ابراہیم.........الایۃ (10)

ترین نشانیوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ برہان سبی ہے یعنی جب انسان اجرام فلکی کی طرف دیکھتا ہے کہ اس میں کائنات کو روشن کرنے کے لیے سورج، چاند، ستارے موجود ہیں اور زمین کی طرف دیکھتا ہے کہ اس میں معدنیات، نباتات وحیوانات کی بہتات ہے سمندر کی طرف دیکھتا ہے تو اس میں جواہرات اور عجیب حیوانات نظر آتے ہیں کیا عقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ان تمام اشیاء کے بارے میں مان لیا جائے کہ یہ سب بلا سبب اور بغیر خالق کے ہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس ذات پاک کی طرف اشارہ کرتی ہے جو تاثیرات میں با اختیار اور کامل صفات کی حامل ہے۔ اور وہ ذات باری تعالیٰ کی ہی ہے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان عالی شان ہے

''ومِنْ آیاتِہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لِتسکُنُوا اِلیھَا وجَعَلَ بَینکُم مُودۃً ورَحمۃً''[1]

''اور اس کی (قدرت) کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرمادیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات)'' یہ آیت مبارکہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا پیدا فرما کر احسان فرمایا ہے۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کے لیے راحت وسکون کا سبب ہوں اور یہ بڑے بلیغ انداز میں رد ہے ان لوگوں کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ کائنات اچانک ایک اتفاقیہ حادثے کی وجہ سے معرض وجود میں آئی۔ اسے کسی خود مختار پیدا کرنے والے نے پیدا نہیں فرمایا پس ایسے نظریے کا قائل یہ کہتا ہے فرض کرو مسلسل اتفاقات وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے ایک عقل مند آدمی کی تخلیق ہوئی لیکن کیا عقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ انسان کی تخلیق مسلسل اچانک حادثات کی وجہ سے ہوئی؟ اور اسی طرح انسان کے ساتھی (عورت) کی تخلیق بھی ہوئی جو ظاہراً اور صورتاً اسکے مماثل ہے اور انھیں آپس میں محبت وانس کے جذبات ودیعت کیے گئے۔ مادر رحم میں

---

[1] سورہ الروم.........آلایۃ (21)

ہونے والے اندرونی تمام ترکیبی امور وغیرہ کیا یہ سب معاملات بغیر کسی سبب کے مان لیے جائیں۔ یقیناً عقل اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اسی طرز کا اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے۔

"(وأَوْحٰی رَبُّکَ اِلی النَّحْلِ اَن اتَّخذِی مِنَ الجِبالِ بُیُوتا)"۵

''اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنایا کر پہاڑوں میں (اپنے) چھتے''۔

کیا یہ عقل ماننے کو تیار ہے کہ اچانک شہد کی مکھیوں کی تخلیق اس عمدہ انداز میں ہو جائے کہ وہ موم کا ایک چھتہ بنائیں اور اس میں شہد کو اکٹھا کریں اور اس چھتے کے اندر جو خانے وہ بنئیں وہ ''مسدس'' یعنی چھ کونوں والے ہوں اور پھر اس چھتے کا نظام ایک ادارے اور ایک ریاست کی طرح چل رہا ہو جس میں کوئی حاکم کی حیثیت رکھتا ہو اور کوئی محکوم کی اور جب مکھیوں کی ملکہ چھتے سے ایک خاص آواز کے ساتھ نکلتی ہو تو تمام مکھیاں اس کی اتباع کرتی ہوں۔

اس صورت میں ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہ تمام امور، اللہ تعالیٰ جو علیم وحکیم وخبیر ہے اس کے سوا کسی اور سے سرزد ہوں جو اپنی مخلوق کو بھی حکمت کی تعلیم ایک خاص انداز میں دیتا ہے۔

دھریوں کا رد

قرآن میں نظریہ دہریت کا رد بڑے خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے اور اس بات کی تردید کی گئی کہ یہ کائنات ایک حادثے کے نتیجے میں وجود میں آئی۔

قرآمجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَقَالُوْامَاهِیَ الَّا حَیَاتُنَا الدُّنیَا نَمُوتُ وَنحیَا وَمَا یُهلِکُنَا اِلَّاالدَّهرُ وَمَا لَهُم بِذٰلِکَ مِنْ عِلمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ"۔۶

۵ سورۃ النحل.........الایۃ (68) ۶ سورۃ الجاثیہ.........آلایۃ (24)

''اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں وہ محض ظن وتخمین سے کام لے رہے ہیں''۔

یعنی وہ لوگ انسان کی زندگی تخلیق اور بقا کو ایک مدت کے لیے مانتے ہیں حالانکہ ظروف زمانیہ جس قادر ومختار ''آقا'' کے ہاتھ میں ہیں یہ لوگ ان سے بے خبر ہیں اور یہ بات بھی درست ہے کہ عقل وادراک کی محدودیت کی وجہ سے یہ تمام امور ان پر پوشیدہ ہیں اس لیے ان کا یہ نظریہ محض ایک وہم وگمان ہے کیونکہ زمانہ اپنے اندر ایک محدود وقت رکھتا ہے اور اس کو پیدا کرنے والا زمانے میں ایک مخصوص انداز میں تبدیلیاں لاتا ہے اور تمام تغیرات صرف قادر مطلق اور واجب الوجود ذات کے ہاتھ میں ہیں جس نے تمام کائنات پیدا فرمائی۔

درست بات تو یہ ہے کہ تمام تغیرات کی نسبت رب کریم کی طرف کی جائے نہ کہ ان اشیاء کی طرف جو جامد و بے حس اور شعور وادراک سے خالی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے مقصدیت اچانک کائناتی حادثہ، اعضاء کی شعوری تاثیر، نظریہ دھریت اور نظریہ طبیعات کی بڑے آسان اور تکلف سے پاک الفاظ میں تردید فرمائی ہے اور ساتھ ہی ایسے دلائل قاطعہ ارشاد فرمایئے ہیں کہ اصحاب عقل وشعور کو حق اور یقین کی راہ دکھائی دے قرآن کریم کی بہت سی آیات مبارکہ میں توحید کی دعوت بڑے دلکش انداز میں دی گئی ہے اور فرمایا گیا کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خالق کا تعلق خلق ایجاد اور ابداع سے ہے جب وہ قادر اور مختار ہے تو تخلیق وحکم بھی اسی کا ہوگا اور اس کا کوئی شریک نہ ہوگا۔

''وَاِلٰهُكُمْ اِلٰه'' وَّاحِد'' لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ''. ؎

؎ سورۃ البقرۃ آلایۃ .... (163)

''اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن ورحیم ہے''۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد ہوا۔

اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ الحَیُّ الْقَیُّوم. ۸

اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔

مزید فرمایا

''اَللّٰهُ خَالِقُ کل شیءٍ وھُو علٰی کُل شیءٍ وَکِیْل لَه' مَقَالِیْدُ السمٰوات والارضِ''. ۹

''اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا''۔

بعض دفعہ مشرکین کو اس بات کے ساتھ چیلنج کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تو عظیم و عجیب اشیاء کی تخلیق پر قادر ہے تو کیا جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں کیا وہ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے

قُل هَل مِن شُرکائِکُم مَنْ یَبْداءُ الخَلْقَ ثُم یُعِیْدُہ' قُلَ اللّٰهُ یَبْدَاءُ الْخَلْقَ ثُم یُعِیْدُہ' فَاَنّٰی تُئو فکُوْن. ۱۰

''(اے حبیب) آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے۔ آپ ہی فرمایئے اللہ ہی آفرینش کی ابتداء کرتا ہے اور (فنا کے بعد) اسے لوٹاتا بھی ہے پس (ہوش کرو) کدھر پھرے جاتے ہو بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ نے عام فہم اور بڑے واضح الفاظ میں توحید کے دلائل ارشاد فرمائے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

---

۸ سورۃ البقرۃ آلایۃ ....(225)

۹ سورۃ الزمر آلایۃ ....(62)

۱۰ سورۃ یونس .... آیۃ (34)

لَو کَانَ فِیهِمَا آلِهَة" اِلّاَ اللّٰہ لَفَسَدَ تَا ۔[۱]

"اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے"

بے شک آیت مبارکہ کا ظاہری معنیٰ یہی ہے کہ متعدد شرکاء کا ہونا نزاع و اضطراب اور امور میں عدم انتظام کا سبب بنے گا اور یہی بات درست ہے کیونکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب کہ یہ آیت مبارکہ توحید پر دلیل برہانی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر واقعتاً اس کائنات میں دو خدا ہوتے تو دونوں کا ایک دوسرے کو روکنا لازم آتا پھر ان میں سے ہر ایک کے عاجز ہونے کا امکان لازم آتا اور جہاں عجز کا امکان لازم آئے وہ معبود نہیں ہوتا۔ آسمانوں اور زمین میں فساد کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں عدم انتفاع اور عدم وجود کا شکار ہوتے جیسا کہ علماء توحید نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بیشک قرآنی آیات سلامت روی کے ساتھ مقصود پر دلالت کرتیں ہیں لیکن وہ تحقیقات اور غور و فکر کی متقاضی ہیں اور جن کے مفہوم تک بڑے بڑے علماء کے عقول کو ہی رسائی حاصل ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس لازوال کلام سے بھی اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے۔

78150

---

[۱] سورۃ الانبیاء (۲۲)

صفات الٰہیہ

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کی صفات جلیلہ کو بہت خوبصورت اور عام فہم انداز میں بیان فرمایا گیا ہے دقائق اور حقائق کو اس احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اہل عقل دنگ رہ جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک ایسی سورۃ بھی ہے جو تمام صفات الٰہیہ کو بیان کرنے کا حق ادا کرتی ہے۔

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدo اللّٰه الصَّمَدo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُنْ لَه' كُفُواً اَحَد''o

''اے حبیب فرما دیجئے وہ اللہ یکتا ہے اللہ صمد ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے''۔

اے عظیم رسول آپ سے جو آدمی میرے اوصاف کے بارے میں پوچھے اس کو یہ جواب دیں اس ذات بابرکات کا نام ''اللہ'' ہے یہ اس ذات عالی کا اسم ذاتی ہے یہ اس ذات مقدس کا نام ہے جو واجب الوجود ہے، تمام صفات کمالیہ اس ذات کے لائق ہیں جو ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے ''احد'' یعنی وہ جو اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اس کی مثال محال ہے وہ کامل مطلق ہے۔

ان مفردات (لفظ اللہ اور احد) میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات نفسی، سلبی اور ثبوتی کو جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ (اللہ الصمد) یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اللہ رب العزت کی ذات ازل سے خود بخود قائم ہے۔ وہ اپنے قائم ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہے ہر چیز اس کی محتاج ہے۔

(لم یلد) اس نے کسی کو جنا نہیں کیونکہ وہ اس بات سے مستغنی ہے کہ اس کا کوئی نائب یا وارث ہو جیسا کہ ایک والد بچے کا خواہش مند ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے وہ ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(ولم یولد) اور نہ وہ جنا گیا ہے کسی وجود سے اس ذات پاک نے استفادہ نہیں کیا۔ وہ واجب الوجود اور ازلی ہے۔

(ولم یکن له کفوا احد) کسی حال میں کوئی اس کا ہمسر و ہم پلہ نہیں۔ نہ وہ ذات پاک جسم رکھتی ہے اور وہ جوہر و عرض سے بھی مبرا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہونے میں اور اپنی حیات، علم، ارادہ، قدرت سننے، دیکھنے اور کلام کرنے میں صفت صمدیت سے متصف ہے۔ کیونکہ جو ان تمام صفات سے، خالی ہوگا وہ کسی کیلئے ''صمد'' نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی چیز میں اس کی صمدیت کا اعتبار ہوسکتا ہے۔ اس ذات بابرکات کا حیات بقا سے متصف ہونا (لم یلد) کے فرمان سے ثابت ہے اس طرح (لم یولد) میں اللہ تعالیٰ کی ازلیت ثابت ہوتی ہے اور (لم یکن له کفوا احد) سے اس کی کسی کے ساتھ عدم مماثلت ثابت ہوتی ہے اور واجب الوجود ہونے میں اس کا کوئی ہم مثل و ہمسر نہیں۔ اس طرح خالقیت اور معبودیت میں بھی وہ بے مثال ہے یہی وہ یکتائی ہے جس سے ایک بندہ مومن توحید کے سبق میں کمال حاصل کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ کی ازلیت اور ابدیت اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس پاک ذات کا قدیم ہونا، باقی ہونا اور ظاہر ہونا عقول پر نشانیوں کے ذریعے واضح ہے اور اس پردے میں چھپنا بھی واضح ہے اور حقیقت کی بنیاد نشانیوں پر ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو خود ہی بہتر طور پر جانتا ہے ارشاد گرامی ہے۔

''هُوَ الاَوَّلُ وَ آلاَخِرُ والظَاهِرُ والْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ''. (۱)

''وہ (اللہ تعالیٰ) اول ہے اور وہی آخر ہے اور ظاہر و پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے حقیقی اولیت، ازلیت کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح بقاء سلامتی کے معنیٰ میں ہے اور وہ ''ابدیت اور آخر'' کی صفت کے بغیر محقق نہیں۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی صفات کاریگری کو بڑے احسن اور قابل فہم انداز میں بیان فرمایا

۱۔ سورہ الحدید ...... آلایۃ (3)

ہے اس ذات بابرکات کی حیات پاک کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

(اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) [۲] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات اقدس زندہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام کائنات کے امور کو بڑی تدبیر سے چلا رہی ہے حقیقی تدبیر اور کسی چیز کو قائم رکھنا صرف اسی ذات کے لائق ہے جو حیات ابدی رکھتی ہو۔

کیوں کہ موت اور جمود یہ دونوں نقص ہیں اللہ تعالیٰ تو نقائص سے پاک ہے۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت علم بہت بلیغ پیرائے میں بیان فرمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جانتا ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو''۔ ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَمَا تَتْلُوْا مِنْہُ مِنْ قُرْاٰنٍ. اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ. (۲)

''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر ہر حال میں ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے'' کلی اور جزوی علوم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور ان آیات بینات میں جاہل فلاسفہ کا رد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلی علم تو رکھتا ہے جزوی کا اسے علم نہیں۔

اور ایک ارشاد گرامی ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ''.

''(نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے وہ بڑا باریک بین ہے''۔

اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ کے عدم علم کا انکار کیا گیا ہے اور اس پاک ذات کے

---

[۲] سورہ البقرۃ .... آلایۃ (2) — [۱] سورہ الحجرات .... آلایۃ (16)

[۲] سورہ یونس .... آلایۃ (61)

لیے علم کو ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خالق ہے جو خالق کی صفت سے متصف ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تخلیق کو معنوی اور مادی طور پر جانتا ہو اور اس کی کلیات و جذبات سے مکمل طور پر واقف ہو۔ اور اگر وہ اس صفت سے متصف نہیں (نعوذ باللہ) تو پھر کسی چیز کا پیدا کرنا محال ہے۔

پھر قرآن میں اس کی صفت ارادہ کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی وہ اپنے علم ازلی سے کائنات میں بعض اشیاء کو عمدہ کر دیتا ہے تو بعض کو مٹا دیتا ہے وہ مقدس ذات اپنے اختیار، قدرت اور ارادہ سے جو حکم چاہتا ہے نافذ کرتا ہے۔

اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِیُٔ وَیُعِیْدُ ٥ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ٥ ذُوالْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ٥ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ٥ (۱)

''بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا ہے عرش کا مالک ہے بڑی شان والا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے''۔

معلوم ہوا جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اپنے ارادے اور مرضی سے کرتے ہیں یہ ان لوگوں کو جواب ہے جو یہ کہتے ہین کہ وہ عاجز و مجبور ہے اور اس پاک ذات کو کوئی چیز لازم بھی آتی ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عادت مبارکہ بیان فرمائی ہے کہ خواہ کوئی امر ممکنات میں سے ہو یا کائنات کے امور فطرتی ہوں یا کوئی خلاف عادت عمل ہو۔ ان سب کے بارے میں ارشاد ہے

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر''۔

''اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

مزید ارشاد ہوا۔

۱؎ سورہ البروج.........آلایۃ (13) (16)

وَالسَّمآءَ رفعھا وَوَضعَ اَلْمِیْزَانَ .(۱)

''اور آسمان اسی نے بلند فرمایا اور میزان عدل قائم فرمایا''۔

ایک جگہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی .(۲)

''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک''۔

یہ بھی وضاحت فرمائی کہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ سورہ مجادلہ میں یوں حکم ہوتا ہے۔

وَمَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلاَثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلاَ خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلاَ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلاَ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَمَا کَانُوْا o(۳)

''نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں وہ ہوں''۔

آیات ربانی میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا .(۴)

''کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خاص کلام''۔

مِنْھُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجَات .(۵)

''(انبیاء علیہم السلام) میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بعض کو بعض

۱۔ سورہ الرحمٰن..........آلایۃ (7)　　۲۔ سورہ بنی اسرائیل..........آلایۃ (1)

۳۔ سورہ مجادلہ..........آلایۃ (7)　　۴۔ سورہ النساء..........آلایۃ (163)

۵۔ سورہ البقرہ..........آلایۃ (253)

لیے علم کو ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خالق ہے جو خالق کی صفت سے متصف ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تخلیق کو معنوی اور مادی طور پر جانتا ہو اور اس کی کلیات و جذبات سے مکمل طور پر واقف ہو۔ اور اگر وہ اس صفت سے متصف نہیں (نعوذ باللہ) تو پھر کسی چیز کا پیدا کرنا محال ہے۔

پھر قرآن میں اس کی صفت ارادہ کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی وہ اپنے علم ازلی سے کائنات میں بعض اشیاء کو عمدہ کر دیتا ہے تو بعض کو مٹا دیتا ہے وہ مقدس ذات اپنے اختیار، قدرت اور ارادہ سے جو حکم چاہتا ہے نافذ کرتا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ o وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ o ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ o فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ o (۱)

''بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا ہے عرش کا مالک ہے بڑی شان والا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے''۔

معلوم ہوا جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اپنے ارادے اور مرضی سے کرتے ہیں یہ ان لوگوں کو جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ عاجز و مجبور ہے اور اس پاک ذات کو کوئی چیز لازم بھی آتی ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عادت مبارکہ بیان فرمائی ہے کہ خواہ کوئی امر ممکنات میں سے ہو یا کائنات کے امور فطرتی ہوں یا کوئی خلاف عادت عمل ہو۔ ان سب کے بارے میں ارشاد ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ''.

''اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

مزید ارشاد ہوا۔

---

۱ سورہ البروج......... آلایۃ (13) (16)

وَالسَّمَآءَ رفعهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ . (۱)

''اور آسمان اسی نے بلند فرمایا اور میزان عدل قائم فرمایا''۔

ایک جگہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی. (۲)

''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک''۔

یہ بھی وضاحت فرمائی کہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ سورہ مجادلہ میں یوں حکم ہوتا ہے۔

وَمَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلاَثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلاَ خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلاَ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلاَ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَمَا کَانُوْاo (۳)

''نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں وہ ہوں''۔

آیات ربانی میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا . (۴)

''کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خاص کلام''۔

مِنْھُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجَات. (۵)

''(انبیاء علیہم السلام) میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بعض کو بعض

۱۔ سورہ الرحمٰن.........آلایۃ (7) ۲۔ سورہ بنی اسرائیل.........آلایۃ (1)
۳۔ سورہ مجادلہ.........آلایۃ (7) ۴۔ سورہ النساء.........آلایۃ (163)
۵۔ سورہ البقرہ.........آلایۃ (253)

پر فضیلت دی۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَه' رَبُّه' قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ .(۱)

''اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے (تو اس وقت) عرض کی اے میرے رب مجھے دیکھنے کی قوت دے تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں''

اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِ سَالاَتِیْ وَبِکَلَامِیْ .(۲)

''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ) میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے۔

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَه' اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآیِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَاءُ اِنَّه' عَلِیٌّ حَکِیْمٌ .(۳)

''کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بلاشبہ وہ اونچی شان والا، بہت دانا ہے''۔

ہم نے کلام الٰہی کو سنا اس سے مفہوم اخذ کیا اور اس پر ایمان لائے اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔

جب ہم غور و خوض کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارا علم تو محسوسات تک محدود ہے کئی دفعہ ہم ارادہ کرتے ہیں لیکن اس کو عملی شکل دینا مشکل ہو جاتا ہے یہ بھی ہم دیکھتے ہیں ہماری طاقت انتہائی محدود ہے کہ بڑی بڑی اشیاء کے سامنے یہ بے بس ہے ہمارا سننا یہ ہے کہ آواز ہوا میں تبدیل ہو کر ہمارے کانوں کے سوراخوں تک پہنچتی ہے۔

۱ سورہ اعراف.........آلایۃ(143) ۲ سورہ اعراف.........آلایۃ(144)

۳ سورہ شوریٰ.........آلایۃ(51)

ہمارا دیکھنا یہ ہے کہ ایک نظر آنے والی تصویر کے منکشف ہونے کے ساتھ خواہ اس انکشاف طبعی طور پر ہو یا آنکھ کی پتلی سے نکلنے والی شعاعوں کے ساتھ ہو۔

ہمارا کلام کرنا یہ ہے جو انسان ارادہ رکھتا ہے یا جو اس کا علم ہے اس کو بیان کرنے کی قوت رکھتا ہے ہمارا کلام لفظی آوازوں سے مرکب ہے جو مختلف مفردات اور جملوں کا مجموعہ ہے

یہ تمام نعمتیں (ارادہ، سننا، دیکھنا، گفتگو) اپنے اندر ایک محدودیت رکھتی ہیں لیکن اگر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جائے تو پھر معاملہ کچھ اور ہو گا اس کا ارادہ ازلی ہے اس کی طاقت اس کے علم اور ارادہ کے مطابق ازلی ہے اس پاک ذات کا سننا اور دیکھنا بھی ہماری طرح نہیں ہے۔

بطور تفہیم کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سننے کی کیفیت یہ ہے کہ ایک چیونٹی اگر ایک ملائم پتھر پر رینگتی ہے تو اس کی یہ آواز اس گھڑ سوار کے گھوڑے سے زیادہ ہے جو ایک سخت چٹان پر پاؤں مارتا ہے۔

اسی طرح اس کا کلام کرنا بھی ہماری طرح نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں ہمارے بعض علمائے کرام کا ارشاد گرامی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ہر طرح سے سنا کہ ان کے جسم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے اسی طرح صفات الٰہیہ کی حقیقت معلوم کرنا محال ہے جو محسوس اشیاء ہمارے پاس موجود ہیں ان کی حقیقت معلوم کرنا مشکل ہے ''کہاں وہ ذات پاک'' صرف اشیاء کے خواص اور اوصاف کی ہم تمیز کر سکتے ہیں۔ اور ان صفات سے اتنا ہی استفادہ کر سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسان فرمایا ہے۔

اللہ رب العزت کی ہی صفات ازلیہ (حیات، علم، ارادہ، قدرت، کلام اس کے

علاوہ باقی صفات) متعدی نہیں ہوتیں ۔ یہ تمام صفات اس کی ذاتی ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس میں کسی انصاف پسند آدمی کو شک نہیں کرنا چاہیے۔

جو کچھ رسول اعظم ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا ہے یہ بھی ہماری حیثیت سے بڑھ کر ہے۔

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا .(۱)

"عظمتوں والا نبی جو کچھ تم عطا فرمائے اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کرے اس سے باز آجاؤ"۔

ہم ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اس کی تمام صفات پر ہمیں ان میں کوئی شبہ نہیں اور ہم صراط مستقیم پر چلتے ہیں جو راہ اعتدال ہے۔

آپ بھی اسی راہ کو اختیار کریں اللہ تعالیٰ آپکا حامی وناصر ہو۔

وَقُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.(۲)

آپ فرمادیجئے میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

---

۱ سورہ الحشر .... آلایۃ (7) ۲ سورہ الانعام .... آلایۃ (162)

خلاصہ کلام

گذشتہ صفحات میں ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات جلیلہ کے بارے عرض کیا مقصد یہ تھا کہ انسان جان لے کہ وہ بے کار مخلوق نہیں ہے اس کی تخلیق کا مقصد یہ کہ عظیم ذمہ داریوں کی وجہ سے جواب دہ ہو خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔

وہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک جنگل میں ہو اس کے سارے ساتھی اس کو چھوڑ گئے ہوں تو اس پر طاقت کے مطابق نجات اور خلاصی کے لیے کوشش کرنا واجب ہے ایک عقل مند آدمی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے کمزور نفس اور اپنی ذات کی کمزوریوں کی طرف نہ دیکھے۔ معلوم ہوا انسان نے اپنی تخلیق سے لے کر اب تک عبرت پکڑی غور و خوض کیا کوشش اور جدوجہد کی تا کہ حقیقت تک رسائی حاصل ہو اور اس بات تک پہنچ جائے کہ اس کا دل مطمئن ہو جائے۔

پس بعض انسان ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا اور ان کو ادراک، حضوری اور اطمینان عطا فرمایا اس کے بعد وہ کسی دلیل یا تعلیل کے محتاج نہ رہے جیسا کہ حضرت علیؑ سے مروی ہے۔

لَوْ کَشَفَ الْغِطَاءُ مَا زِدْتُ یَقِیْنًا.

''یعنی اگر میں اپنے رب کریم کو بے حجاب بھی دیکھ لوں تو بھی میرے ایمان میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہو''۔

یہ مقام حضور و شہود ہے اور اس مقام پر اطاعت کرنے والا ''محسن'' ہوتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اگر وہ اسے دیکھ نہ رہا ہو تو اسے یہ یقین ہوتا ہے اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

بعض لوگ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقام استدلال عطا فرمایا ہوتا ہے پس وہ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں دلائل سے کام لیتے ہیں جو بھی استقراء کو پیش نظر رکھ کر استدلال کرے گا وہ قرآن کریم کے بیان کردہ دلائل سے صرف نظر نہیں کر سکتا ایسے لوگوں کا استدلال کئی وجوہ پر ہوتا ہے۔

پہلی وجہ:۔آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان تمام کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال پکڑتے ہیں کہ تمام موجودات ممکنہ ان کا وجود اور عدم وجود برابر ہے یعنی ان کا وجود اور عدم وجود واجب نہیں یہ تمام چیزیں محتاج ہیں اس ذات کی جو واجب الوجود ہو جو ان تمام کے لیے مبداء ہو اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

يَا ايها اَلنَّاسُ انتُمْ اَلْفُقراءُ اِلى اللّه واللّهُ هُوَ اَلْغَنِيّ اَلْحَمِيْد .

''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے اور اللہ وہ ہے جو غنی اور قابل ستائش ہے''۔

یعنی تم سب ضرورت مند ہو ایک ایسے مبداء کے جو غیر محتاج ہو اور وہ بنیاد اور مبداء اللہ رب العزت کی ذات ہے جو تمام امور کو کفایت کرنے والا ہے جب اشرف المخلوقات کا یہ حال ہے تو جمادات وحیوانات تو انسان سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

دوسری وجہ:۔ممکنہ صفات کے ہونے سے استدلال یعنی ہر صفت جو ممکنات کی صفات میں سے ہو اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہوتا ہے۔پس اجرام فلکی کی بلندی، گردش، چمک، حرکات، وسعت اور اجرام سفلی کی فراخی یہ سب گھومتے ہیں تبدیل ہوتے ہیں مسخر ہوتے ہیں یہ تمام محتاج ہیں ایک ایسی ذات کی طرف جو ان سب کو طلوع اور غروب کرے اسی بات کی طرف اللہ رب العزت نے اشارہ فرمایا ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ اَلْاَرْضَ قَرَارًا وَاَلسَّمَاءَ بِنَاء . (۱)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا''۔پس زمین کا پھیلانا ،اس کا ٹھنڈا کرنا، اس کے صحراء و پہاڑ چشموں کا بہنا اور زمین کی ہریالی اور خشکی، طوفان کا آنا

---

۱ سورہ المومن.........آلایۃ (64)

اور بارشوں کا نزول، اسی طرح روشنی اور تاریکی یہ تمام تبدیل ہوتے ہیں اور تغیر پذیر ہیں اور ان تمام کی بنیاد اور مبداء اللہ رب العزت کی ذات ہے جو خالق بھی ہے اور حکیم بھی۔

تیسری وجہ:۔ اجسام کے وقوع پذیر ہونے اور زائل ہونے سے استدلال کرنا۔

اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ. (۲)

''جب وہ (چاند) ڈوب گیا تو فرمایا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

چوتھی دلیل:۔ انفس و آفاق میں پیش آمدہ واقعات وصفات سے استدلال۔

اپنی ذات میں وقوع پذیر صفات کی دلیل اب ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ اپنی ولادت سے قبل موجود نہ تھا اب وہ موجود ہے اپنی تمام صفات و خصائل کے ساتھ زندہ ہے چھوٹا سا پیدا ہوا اور پروان چڑھا صحت سے لطف اندوز ہوا تو کبھی بیمار ہوا کبھی غم زدہ ہوا تو کبھی مسرور و طاقتور ہوا تو کبھی کمزور۔

ہر وہ چیز جو عدم کے بعد وقوع پذیر ہو تو اس کا کوئی نہ کوئی موجد ہوتا ہے موجد انسان کا اپنا نفس نہیں ہوسکتا اور نہ والدین یا لوگ انسان کے موجد ہوتے ہیں کیونکہ یہ تمام اس بات سے عاجز ہیں کہ انسان جیسی چیز کو ایجاد کرسکیں ضروری ہے کہ موجودات کا موجد یا بنانے والا وہ ہو جو اپنی ذات اور صفات میں ان کا مخالف ہو یہاں تک کہ ان موجودات کا وقوع اس ذات سے حکمت اور پختگی کے ساتھ ہو۔ جب ایک وہم کرنے والا سوچتا ہے کہ زمین و آسمان کی بناوٹ، تمام موسم، افلاک اور ستارے ان تمام میں دخل اندازی اور اثر پذیری کیوں ممکن نہیں اللہ تعالیٰ عقل مندوں کی توجہ اس طرف مبذول کرتا ہے۔

فرمان ہوتا ہے۔

أَ أَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا

۲۔ سورہ انعام .... آلایۃ (76)

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا. (۱)

''کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے بنایا اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ اور پہاڑ اس میں گاڑھ دیئے''۔

یعنی جو یہ وہم رکھتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اثر پذیر ہیں وہ خود کمزور ہے اور مخلوق ہے اور وہ قدرت والے اور غالب رب کی سلطنت سے باہر نہیں۔

اس آیت طیبہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آفاق اس جاننے والے اور بنانے والے کی دلیل ہیں۔

پس زمین، پہاڑ یہ سب اس پاک ذات جل شانہ کے تصرف میں ہیں اوپر نیچے کے تمام امور اس کے قبضہ قدرت میں ہیں بعض زمینوں اور پہاڑوں میں چشمے، معدنیات اور درخت ہیں اور بعض ان تمام اشیاء سے خالی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ستارے بنائے اور ان میں روشنی کی مختلف صورتیں رکھیں بعض زیادہ روشن ہیں اور بعض کم روشن ہیں بعض کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ شامل ہے اور اللہ جل شانہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ آیات قرآنیہ اور دیگر دلائل دینے کا مقصد و مدعا مناظرہ و مجادلہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عقائد حقہ حاصل ہوں اور لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ پس دین وعظ و نصیحت راہنمائی حسن معاملہ کا نام ہے اس میں شک، جھگڑا اور بے مقصد بحث و مناظرہ نہیں ہے۔

پس منصف مزاج آدمی اپنے آپ کو دیکھے جہاں تک اس میں اعتدال پیدا ہو وہ اپنے مقام و مرتبہ اور عزت کو پیش نظر رکھے۔ سب سے عمدہ وصف انصاف ہے اور سب سے

مکمل حالت اعتدال کی حالت ہے۔اسی وجہ سے ہم دیکھتے اور سنتے ہیں کہ عارفین اس موضوع کی طرف نہیں آتے وہ اس خوبصورت بات کو کرتے ہیں جو دلوں کو ''یار'' کے دروازے پر جھکا دے۔

حکایت :۔حکایت بیان کی گئی کہ دھریوں کی ایک جماعت مسجد میں آئی وہاں پر امام ابو حنیفہؒ موجود تھے دھریوں نے آپکے قتل کا ارداہ کیا۔آپ نے فرمایا تم مجھے ایک مسئلہ بتاؤ اس کے بعد جو تمہاری مرضی ہو کرنا انھوں نے کہا مسئلہ بیان کرو۔آپ نے فرمایا تم اس آدمی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو جو یہ کہے کہ میں نے ایک کشتی دیکھی جو ساز و سامان سے بھری ہوئی تھی اور دریا کی بپھری موجوں نے اس کو گھیر رکھا تھا اس حالت میں بھی وہ ٹھیک چل رہی تھی حالانکہ اس کا کوئی ملاح نہیں تھا۔کوئی محافظ نہیں تھا۔کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے انھوں نے کہا نہیں یہ ایسی چیز ہے جسے عقل نہیں مانتی امام ابو حنیفہ نے فرمایا ''یا سبحان اللہ'' جب عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ کشتی سمندر میں بغیر کسی ملاح یا رہنما کے چلے تو کیسے ممکن ہے کہ یہ دنیا جس کے احوال مختلف ہیں وسعت بے انتہا ہے بغیر کسی بنانے والے یا محافظ کے قائم رہ سکتی ہے وہ تمام رو پڑے اور عرض کی آپ نے سچ کہا انھوں نے اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں اور تائب ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپؒ سے سوال کیا گیا پیدا کرنے والے کے بارے میں جو کہ مختار کل ہے تو جواب یہ دیا کہ والد ارادہ کرتا ہے کہ اس کا بچہ پیدا ہو لیکن بچی پیدا ہو جاتی ہے یا اس کا برعکس ہوتا ہے یہ اس بنانے والے کی ذات پر دلیل ہے۔وجود باری تعالیٰ پر خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے سوال کیا تو آپ آوازں کے مختلف ہونے اور ترانوں کے جدا ہونے اور زبان کے الگ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا استدلال کیا۔

امام شافعیؒ سے سوال کیا گیا۔اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا کیا شہتوت کا پتہ،اس کا ذائقہ رنگ اور خوشبو ایک جیسی ہوتی ہے سننے والوں نے کہا ایسا ہی ہے

آپ نے فرمایا اسے ریشم کا کیڑا کھائے تو ریشم نکلے اسے شہد کی مکھی کھائے تو شہد نکلے اسے بکری کھائے تو مینگنیاں نکلیں اس کو ہرن کھائے تو اس سے مسک کی خوشبو بنے آپ نے فرمایا کون ہے جو ایک چیز کو مختلف اشیاء میں تبدیل کرتا ہے۔ سب نے آپ کے استدلال کو اچھا سمجھا اور **17** آدمی آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ایک خوبصورت ملائم قلعہ ہے اس میں ظاہری طور پر کوئی سوراخ نہیں وہ ایک عمدہ چاندی کی طرح سفید اور خالص سونے کی طرح زرد ہے پھر اس کی دیوار پھٹتی ہے اور اس قلعے سے ایک حیوان برآمد ہوتا ہے جو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اس کام کو کرنے والی بھی کوئی ہستی ہے قلعے سے آپ کی مراد انڈا اور حیوان سے مراد چوزہ ہے۔

دیدار باری تعالیٰ

قیامت کے روز مومنین اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے سر کی آنکھوں سے کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے خوبصورت انوار سے اپنے نفوس کو مطمئن کریں گے۔ تجلیات الٰہیہ سے زیادہ اس عالم میں کوئی خوبصورت چیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لِلذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسنٰی و زِیَادَة''۔(۱)

زیادہ کی تفسیر رویۃ باری تعالیٰ سے کی گئی مختلف روایات اور کثیر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آقا دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز مومنین اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

تفسیر قرطبی میں حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس حاضر تھے اور ہم چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے تھے آقا علیہ السلام نے فرمایا'' بے شک تم جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اس طرح قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے''۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ''وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغُرُوْبِ'' اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔

شرح عقائد النسفیہ کی شرح میں سعد نے کہا کہ دیدار الٰہی کی حدیث کو اکیس کبار صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے مومنین کا اس عظیم دیدار سے مشرف ہونا اس پر قرآن کریم کی یہ آیت گواہ ہے۔

وُجُوْہ'' یَوْمَئِذٍ نَاضِرة''o اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرة'' o وَوُجُوْہ'' یومَئِذٍ بَاسِرة''o تظُنُّ

ا۔ سورہ یونس.............(50)

اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ o. (۲)

''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے روز کئی چہرے خوبصورت تروتازہ اور دلکش ہوں گے اور رب کریم کا دیدار کریں گے اور بعض چہرے وہ ہوں گے جو پراگندہ حال، خشک اور پریشان ہوں گے اور ایسا معلوم ہوگا گویا کہ ان پر بہت بڑی مصیبت اور آزمائش آنے والی ہے یہ آیت طیبہ کفار کی دیدار الٰہی سے محرومی پر دلالت کر رہی ہے۔

کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْن . (۳)

''خبردار وہ (کفار) اپنے رب سے اس دن پردے میں ہوں گے''

اسی بات کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ قیامت کے روز مومنین اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور کفار اس نعمت عظمٰی سے محروم رہیں گے جمہور اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے۔

اہل بدعت کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں اور ان کی دلیل کہ فرمان الٰہی ہے۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَار . (۴)

''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو'' اس آیت طیبہ سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں دیدار الٰہی مشکل ہے یا دنیاوی دیدار ہی مراد ہو تو وہ کسی عظیم شخصیت کے ساتھ مختص ہوگا۔ دوسری آیت طیبہ اس بات پر راہنمائی کر رہی ہے۔ (وھو اللطیف الخبیر) ''بے شک لطیف وہ ذات ہے جس کا ادراک ممکن نہیں''۔

---

۲ سورہ القیامۃ ....(22 تا 25)   ۴ سورۃ الانعام..........(104)

۳ سورۃ المطففین ....(15)

پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استفادہ کیا گیا ہے کہ وہ سب نظروں کو گھیرے ہوئے ہے وہ ہمیں بھی دیکھ رہا ہے اور ہماری نظروں کو بھی اس کے دیکھنے میں کوئی شک نہیں۔

دیدار الٰہی کے مخالفین کا شرائط دیدار کا سہارا لینا ایک کمزور دلیل ہے کیونکہ یہ موجود پر غائب کا قیاس ہے اور یہ قیاس فاسد ہے جو اس راہ پر چلا مشکلات میں مبتلا ہوا بے شک جنت اور اس کی نعمتیں اور اہل جنت دائمی ہیں جنت کے پھل اور اس کے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں اہل جنت دائمی نعمتوں سے مادی اور معنوی طور پر لطف اندوز ہوں گے ان کے کھانے اور پینے کے عمل کے بعد وہ (رفع حاجت کے عمل سے مبرا ہوں گے) اور ان کے جسموں سے پسینہ نکلے گا جو خوشبودار ہوگا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عالم دنیا کے اعضاء اور عالم آخرت کے اعضاء الگ الگ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مشرف ہونے میں عقلاً اور نقلاً کوئی امر مانع نہیں ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. (۵)

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے''۔

---

۵ سورہ آل عمران.........(74)

فرشتے

فرشتوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ فرشتے ایک نورانی جسم رکھنے والی مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مختلف خوبصورت شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے اوصاف اور اقسام بیان فرمائی ہیں۔

فرشتوں کی مختلف خصوصیات۔

پہلی خصوصیت:۔ رب کریم اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان رابطے اور پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں فرمان الٰہی ہے۔

اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰۤئِكَةِ رُسُلاً .(۱)

''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں کسی کو پیغام کے لیے منتخب فرمالیتا ہے''۔

دوسری خصوصیت:۔ ممنوع امور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔

لاَ يَعۡصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤمَرُونَ .(۲)

''وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں''۔

اور جو قصہ ہاروت و ماروت زبان زد عام ہے کہ فرشتے تھے اور گناہ میں مبتلا ہو گئے یہ صریح جھوٹ ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں کیونکہ ''ملکین'' کو قراءۃ متواترہ کے تحت لام کے زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے بات واضح ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھے بلکہ یہ دو بادشاہ تھے اور دونوں جادو جانتے تھے اور لوگوں کو بھی سکھاتے تھے مگر اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے تھے کہ اس کا غلط استعمال کر کے کفر نہ کرنا۔ بلکہ وہ اس لیے سکھاتے تھے تا کہ اپنے آپ کو جادو کے شر سے محفوظ رکھا جاسکے۔

جبکہ دوسری قراءۃ (ملکین) لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

۱۔ سورۃ الحج.........(75) ۲۔ سورۃ التحریم.........(6)

دونوں فرشتے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اس میں حکمت الہیہ یہ تھی کہ لوگ معجزات اور جادو کی شعبد بازیوں میں فرق کر سکیں تا کہ اپنے آپ کو وہ جادو کے جال سے بچا سکیں آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دونوں قرائتوں کے ہوتے ہوئے تطبیق کیسے ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ وہ دونوں بابل کے بادشاہ تھے اور دونوں مومن اور صاحب اخلاق تھے اسی وجہ سے وہ لوگوں کو بھلائی کی نصیحت کرتے تھے اور اگر فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ دونوں عظیم ملائکہ میں سے تھے گویا کہ وہ دونوں فرشتوں میں بادشاہ تھے۔

تیسری خصوصیت:۔ فرشتے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے۔

يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لاَ يَفْتُرُوْنَ .(۳)

''وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں رات اور دن اکتاتے نہیں ہیں''۔

چوتھی صفت:۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔فرمان الٰہی۔

وَهُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُشْفِقُون .(۴)

''اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں''۔

پانچویں صفت:۔ ان کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہے۔

فرمان الٰہی۔

بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُوْن.(۵)

''بلکہ وہ عزت والے فرشتے (بندے) ہیں''۔

چھٹی صفت:۔ فرشتے مذکر اور مونث کی صفت سے متصف نہیں ہیں۔

---

۳ سورہ الانبیاء............(20) ۴ سورہ الانبیاء............(28)

۵ سورہ الانبیاء............(26)

وَجَعلُوا الملئِكَةَ الذِينَ هُمْ عِبادُ الرحمنِ اِنَا ثَاأشهِدُ وُاخلُقَهُمْ .(٦)

''اور انھوں نے ٹھہرالیا ہے فرشتوں کو جو خداوند الرحمٰن کے بندے ہیں عورتیں، کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت''۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس عقیدے کا رد کیا ہے کہ فرشتے مونث ہیں جب کہ وہ مذکر ومونث کی صفات سے پاک ہیں۔ جب زوجیں میں سے ایک کی ماہیت اور نوعیت کا انکار ہو جائے تو دوسری ماہیت ونوعیت کا انکار خود بخود ہو جاتا ہے۔

فرشتوں کی اقسام

1- عرش کو اٹھانے والے: ۔وَيَحمِلُ عَرشَ رَبِّکَ فَوقَهُم يَومَئِذٍ ثَمَانِية". (٧)

''اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا''۔

2- عرش الٰہی کو گھیرنے والے: ۔حَافِيِنَ مِنْ حَولِ الْعَرشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِهِمْ. (٨)

'''عرش کو گھیرنے والے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ''۔

3- عظیم فرشتے: ۔ان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام ہیں فرمان الٰہی ہے۔''جو دشمن ہوا اللہ کا اس کے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا بے شک اللہ تعالیٰ دشمن ہے کافروں کا۔9

ان عظیم فرشتوں میں حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہما السلام بھی ہیں اور ان کے بارے میں کثیر احادیث موجود ہیں۔

---

5 سورہ الانبیاء......آلایۃ (26) — 6 سورۃ الزخرف......آلایۃ (19)

7 سورہ الحاقہ......آلایۃ (17) — 8 سورہ زمر......آلایۃ (75)

9 سورۃ البقرۃ......آلایۃ (97)

4-اولیاء اللہ کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر عذاب کرنے والے:۔

کچھ فرشتے اولیاء اللہ کی مدد کرتے رہتے ہیں اور بعض کی ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر عذاب نازل کریں۔

اِذْ تَقُولُ لِلمُومِنِیْنَ اَلَنْ یَکفِیکُمْ اَن یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلاَ ثَۃِ آلافِ مِنَ الْمَلائِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ. (۱۰)

(''عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرمارہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں''۔

5-جنت کے فرشتے:۔وَالْمَلائِکَۃُ یَدْ خُلونَ عَلیھِمْ مِنْ کُلِ بَابٍ. (۱۱)

''اور فرشتے اس (جنت) میں داخل ہوں گے ہر دروازے سے۔

6-جہنم کے فرشتے:۔عَلَیھَا تِسْعَۃَ عَشَر. (۱۲)

''اس (جہنم) پر انیس فرشتے ہیں''۔

7-بنی آدم کے نگران:۔(مَا یَلفِظُ مِنْ قَولٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیب'' عَتِیْد''. (۱۳)

''وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (دیکھنے والا) تیار ہوتا ہے''۔

8-اعمال لکھنے والے:۔وَاِنَّ عَلَیکُمْ لَحَافِظِینَ کِرَامًا کَاتِبِینَ. (۱۴)

''حالانکہ تم پر نگران فرشتے مقرر ہیں جو معزز ہیں حرف بحرف لکھنے والے ہیں''۔

9-مرنے والوں سے سوال کرنے والے:۔جیسا کہ حدیث طیبہ ہے کہ مرنے والے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں اس کے رب اور اس کے دین کے بارے میں۔(۱۵)

---

۱۰ سورہ آل عمران.........آلایۃ (124)　　۱۱ سورہ الرعد.........آلایۃ (23)

۱۲ سورہ مدثر.........آلایۃ (23)　　۱۵ شرح النووی فی بامش القسطلانی 20-321

10- کائنات کے امور سرانجام دینے والے:۔ کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ نے کائنات کے انتظامات پر فرمائے "وَالصّٰفّٰتِ صفًا" (۱۶) قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا. (۱۷)

"قسم ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر جان کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا.

"پھر حسب حکم ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں"۔

فرشتوں کی تعداد رب کریم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۷ النازعات .... آلایۃ (5-1)

جنات کے وجود پر ایمان

جنات پر ایمان یہ ہے کہ وہ لطیف ناری اجسام ہیں اور وہ مختلف اشکال اختیار کرنے پر مکمل قدرت رکھتے ہیں وہ مذکر بھی ہیں اور مونث بھی جنات کے پہلے باپ کا نام ''الجان'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْجَانَ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَارِ السَّمُوْم. (۱)

''اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس کو پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں اور ان میں مطیع بھی ہیں اور گناہ گار بھی ان کی طرف آقائے دو جہاں ﷺ رسول بنا کر بھیجے گئے ان میں سے بعض اہل ایمان ہیں اور بعض کفار ہیں جو اہل کفر ہیں وہ متکبر، سرکش، ناشکرے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کے کسی عمل میں بھی تاثیر نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان کا عمل موثر ہوتا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْکَ نَفَراً مِنَ الْجِنِ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرآنَ فَلَمَا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلی قَوْمِهِمْ مُنْذِرِيْن . (۲)

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے اور فرمایا۔

قِلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّه اِسْتَمع نَفَر مِنَ الجِن فَقَالُوا اِنَّا سَمِعْنَاقُرْانًا عَجَبًا يَهْدِی اِلیٰ الرُّشْدِ فآمنابِه. (۳)

''آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انھوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا ہم نے ایک عجیب قرآن

---

۱ سورۃ الحجر.........آلایۃ (27) ۳ سورۃ الجن.........آلایۃ (1-2)

۲ سورۃ الاحقاف.........آلایۃ (29)

سنا راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم دل سے اس پر ایمان لے آئے۔

شیاطین :۔ ابلیس کی نسل سے ہیں اور ابلیس جنات میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کہ

كَانَ مِنَ الجِنِ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّه. (۴)

''وہ (ابلیس) جنوں میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کے حکم عدولی کی۔ ملائکہ جنات اور شیاطین کا بعض دفعہ کسی کو نظر آجانا محال نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملائکہ، جنات اور شیاطین جن کے وجود پر قرآن وسنت میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں ان کے وجود کا انکار گویا کہ دین سے نکلنا ہے اور واضح کفر ہے۔

ملائکہ، جنات اور شیاطین کا بعض صورتوں میں نظر آنا ممکن ہے ہر وہ چیز جو نظر نہ آئے معدوم نہیں ہوتی بے شک اس دنیا میں، بہت سی ایسی اشیاء ہیں جو آج تک ایک سر بستہ راز ہیں اور ان کو کسی آنکھ نے مشاہدہ نہیں کیا باوجود اس کے کہ بہت سی ایجادات ان کے وجود کا پتہ دیتی ہیں۔

۴ سورۃ الکھف ....آلایۃ (50)

الایمانُ بِالکتب

اسلام کے انوار میں سے ایک نور ایمان بالکتب ہے۔ کتابوں پر ایمان یہ ہے کہ جو کتب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں ان پر اجمالی اور تفصیلی طور پر ایمان لایا جائے۔

اجمالی ایمان یہ ہے کہ جن کتب کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچ سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ صحیفے نازل فرمائے ہیں۔ جن انبیاء پر نازل فرمائے گئے ان میں چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء سلام اللہ علیہم اجمعین مشہور یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحائف نازل فرمائے گئے۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پانچ صحائف نازل ہوئے اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تین صحائف نازل ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اتارے گئے۔

تمام صحائف و کتب کی مجموعی تعداد 404 بنتی ہے۔

وہ انبیاء و رسل جن پر مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی وہ اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب کے پیروکار ہوتے تھے۔

تفصیلی ایمان یہ ہے کہ ہم ایمان لائیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے تورات حضرت موسیٰ، زبور حضرت داوٗد انجیل حضرت عیسیٰ اور قرآن کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔

ایمان بالکتب کے لیے مندرجہ ذیل امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

الاول:۔ اس بات پر ایمان لانا کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر وحی کے ذریعے نازل فرمائیں۔ یہ اعزاز کسی محنت کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی کہانت اور جادو سے اس کا تعلق ہے۔ شیاطین اور ارواح خبیثہ کا اس میں عمل دخل نہیں۔

دوئم :۔اس بات پر ایمان کہ یہ کتابیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے وحی کی گئیں جن وانس کا اس میں عمل دخل نہیں ۔اور نہ یہ کہ وہ اپنی گمراہیوں کو القاء کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی انبیاء علیہم السلام ان کے شر سے محفوظ ہیں جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ .(۱)

''(قرآن کو) ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ (جبرائیل) حق لے کر اترے''۔

سوئم :۔قرآن مجید پر ایمان اس طرح لانا کہ یہ سیدنا حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور اس میں کوئی خلل یا عیب وقوع پذیر نہیں ہوا اور یہ نازل ہونے کے دن سے لے کر قیامت تک محفوظ ہے۔فرمان الٰہی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ .(۲)

''بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

چہارم :۔اس بات پر ایمان لانا کہ قرآن کریم محکم اور متشابہ آیات پر مشتمل ہے محکم آیات یہ قرآن کریم کی بنیاد ہیں اور محکم آیات متشابہ آیات پر فضیلت رکھتی ہیں مفہوم متشابہات پر ایسا ایمان لانا جائز نہیں جو محکم آیات کی نصوص کا مخالف ہو۔

متشابہات کے بارے میں دو آراء

پہلی رائے :۔متشابہات پر ایمان لانا اس انداز میں کہ اس کا معنٰی و مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ہم اس کی تفسیر نہیں کرتے اور نہ اس کی تاویل کرتے ہیں بلکہ ادب واحترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس کے معنی میں توقف کریں گے اور اس کا معنی و مفہوم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے یہ اسلاف کی رائے ہے۔

دوسری رائے :۔متشابہات کی صحیح انداز میں تاویل کی جائے جو محکم آیات مبارکہ کے مطابق ہو کیونکہ تمام آیات مبارکہ راہنمائی، ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئیں۔راہنمائی کرنا

---

۱ سورۃ الاسراء.........آلایۃ (105) ۲ سورۃ الحجر.........آلایۃ (9)

اس وقت ہی آسان ہوتا جب قرآن کریم کے مقصد و مراد کی سمجھ ہو۔

یہ رائے اسلاف کی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قرآن کریم کی موجودگی ہمارے لیے ایمان کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے دین کی اصل اور دستور الٰہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔

قرآن پاک آقائے دو جہاں ﷺ پر 23 سال کے عرصے میں نازل ہوا۔

قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ اس پر عقیدہ بھی رکھا جائے اور عمل بھی کیا جائے اس کی تلاوت کا ہمیں پابند بنایا گیا ہے اس کی چھوٹی سی سورۃ بھی اپنے اندر اعجاز رکھتی ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ 17 رمضان المبارک کو قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔

جو آیات بینات سب سے پہلے نازل ہوئیں یہ تھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَق o خَلَقَ الِا نسانَ مِنْ عَلَق o اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الاَ کْرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمْ o (۳)

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو پیدا فرمایا جمے ہوئے خون سے پڑھیے اور آپ کا رب بہت عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سکھایا"۔

اس کے بعد حکمت الٰہیہ کے تقضاء کے مطابق قرآن کریم 23 سال کے عرصے میں آہستہ آہستہ نازل ہوا سب سے آخر میں جو آیت طیبہ نازل ہوئی وہ یہ تھی۔

وَاتَقُوْ یَومًا تُرْجَعُونَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَ فّٰی کُلُ نَفْسٍ مَا کَسَبَتْ وَهُمْ لاَ یُظْلَمُوْنَ. (۴)

۳۔ صحیح بخاری باب کیف کان بداء الوحی ۴۔ سورۃ البقرۃ.........آلایۃ (281)

''اور ڈرتے رہو اس دن سے لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام مختلف انداز میں وحی لے کر حاضر ہوتے تھے۔ کبھی بہت بڑے فرشتے کی شکل میں تو کبھی حضرت دحیہؓ کی صورت میں جو آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ وحی کی ایک صورت یہ تھی کہ صرف گھنٹی کی آواز سنائی دیتی اور حضور علیہ السلام اس کو سماعت فرماتے یہ عمومی طریقہ کے علاوہ وحی کا انداز تھا اور یہ وحی حضور علیہ السلام پر بڑی بھاری ہوتی تھی جب اعلان رسالت کے ابتدائی ایام تھے اور لوگوں نے ایمان لانا شروع کیا تو جو بھی ایمان لاتا تھا وہ پورے انشراح صدر کے ساتھ اسلام قبول کرتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پر مصائب و مشکلات کے دروازے بھی کھل جاتے تھے۔
ابتداءً دعوت اسلام خفیہ تھی اس لیے قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر کتابت کا امکان مشکل تھا پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین جو حضور علیہ السلام سے سنتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے اور ایک دوسرے کو سناتے رہتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ذہن نشین رہے کہ عرب ایک ان پڑھ قوم تھی اور وہ اپنے قصے کہانیاں اشعار او انساب کو یاد کر لیتے تھے پس قرآن بھی ان کے سینوں میں محفوظ ہونا شروع ہو گیا اس مین کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید اپنے اندر ایک انوار و تجلیات کا سمندر رکھتا ہے مسلمانوں کے دل بھی اس پاک کلام سے منور ہوئے اور ان کے دل بلند سے بلند درجہ پاتے چلے گئے فرمان الٰہی ہے۔

''تُلِيتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا''.(۵)

''جب ان پر آیات قرآنیہ کی تلاوت ہوتی ہے ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے''۔

جب آقائے دو جہاں ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کی اور مسلمان آ کر آباد ہونا

---

۵ سورۃ الانفال.........آلایۃ (2)

شروع ہوئے تو آپ ﷺ نے بزرگ صحابہ کرام سے فرمایا کہ وحی کو ابتداء سے لکھنا شروع کرو یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا کاتبین وحی کی تعداد تقریبا چالیس ہے ان میں سے خلفاء راشدین، حضرت معاویہ بن سفیان حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم زیادہ مشہور ہیں جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

اس زمانے میں کاغذ پر لکھنا مشکل تھا کیونکہ کاغذ دستیاب نہ تھا لہذا قرآن کریم کی کتابت کا آغاز مندرجہ ذیل چیزوں پر لکھنے سے ہوا۔

1-اونٹ کے کندھے کی ہڈی

2-چمڑا

3-ملائم پتھر

وحی رسالت کو لکھنے کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ ایک خاص آدمی تھے پس جو بھی وحی نازل ہوتی تھی حضور علیہ السلام اسے حضرت زید بن ثابتؓ اور دیگر کاتبان وحی تک پہنچا دیتے تھے اور وہ اس کو لکھ لیتے تھے اور اس کو حفظ کرتے اور اسکا تکرار دن رات کرتے رہتے تھے حفاظ کرام اس کثرت سے قرآن پاک کا تکرار کرتے تھے کہ جب کوئی ان کے گھروں کے پاس سے گزرتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کی شہد کی مکھیاں مل کر کوئی آواز نکال رہی ہوں یہ حفاظ کرام کے گھروں کی پہچان تھی۔

ان نفوس قدسیہ کے صدقے قرآن حکیم کے انوار دنیا میں پھیلے اور اسے روشن کر دیا جب بھی صحابہ کرام کے پاس کوئی قرآن کریم کی آیات بینات پہنچتیں تو وہ ان آیات کو محفوظ کرنے کا اعلیٰ ترین انتظام فرماتے۔

حضور علیہ السلام وحی کو لکھنے کا حکم ارشاد فرماتے اور یہ بھی راہنمائی فرماتے کہ اس آیت مبارکہ کو کس جگہ اور کون سی آیات کے ساتھ ملانا ہے سورتوں کے مکمل ہونے کا علم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نزول کے ساتھ ہوا۔

کوئی بھی سورۃ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی تھی جب تک حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کی تکمیل کا اعلان نہ کرتے اور حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کرام کو اس کی تکمیل کا حکم ارشاد فرمادیتے کوئی آیت کسی سورۃ کے ساتھ ملانے کے لیے آقا علیہ السلام کا حکم اور اعلان ضروری تھا۔(٦)

جو قرآن پاک حضور علیہ السلام کے پاس محفوظ تھا آپ ﷺ لیکن آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا جب آخری سال تھا تو آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وفات کی نشانی تھی اور اس بات کا اعلان تھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نازل شدہ وحی کے امین ہیں۔

یہ موجودہ قرآن پاک حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس موجود تھا آقا علیہ السلام کی وفات ماہ ربیع الاول گیارہ سن ہجری کو ہوئی اس وقت قرآن پاک پہلی مرتبہ ایک مکمل شکل میں موجود تھا جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے تو اس وقت بہت سی خوفناک جنگیں ہوئیں ان میں سے ایک مشہور جنگ یمامہ کے مقام پر مسلمانوں اور مسلیمہ کذاب کے لشکر کے درمیان ہوئی اس جنگ میں 70 حفاظ کرام اصحاب شہید ہوئے اس بات پر حضرت عمرؓ نے خوف محسوس کیا کہ اسی طرح اگر حفاظ کرام شہید ہوتے رہے تو قرآن پاک ضائع ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید کو ایک مضبوط کتابی شکل میں محفوظ کیا جائے حضرت ابو بکرؓ نے آپکا مشورہ مان لیا اور حضرت زید بن ثابتؓ سے اس سلسلے میں بات کی اور اس عظیم کام کی ذمہ داری ان پر ڈال دی انھوں اس بات کو قبول کیا اور عظیم منصوبے پر کام شروع ہو گیا۔

پس جو کسی کے پاس قرآن کا حصہ لکھا ہوا تھا یا اس کو حفظ تھا وہ زید بن ثابت کے پاس لے کر آیا مکمل اعتماد اور یقین کے بعد اسے لکھ لیا جاتا تھا یہ صحیفہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس محفوظ رہا پھر یہ حضرت عمرؓ کے پاس رہا آپ کی شہادت کے بعد یہ صحیفہ مبارکہ آپ کی بیٹی ام

---

٦ نصب الرایۃ 1/237

المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھا گیا خلافت حضرت عثمانؓ تک یہ صحیفہ آپ کے پاس رہا۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود شرقا، غربا، جنوبا اور شمالا وسیع ہو گئیں مجاہدین صحابہ کرام جب فتوحات کے سلسلے میں آذربیجان کے شمالی علاقے میں پہنچے تو قرآن مجید کی قرأت پر شدید اختلاف ہو گیا ممکن تھا کہ یہ فتنہ ایک خوفناک صورتحال اختیار کرتا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے معاملہ ٹھنڈا ہو گیا اس تمام معاملے کو حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ملاحظہ فرمایا اور یہ حضور علیہ السلام کے خاص صحابہ میں سے تھے جب آپ واپس آئے تو حضرت عثمانؓ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ اگر یہی حالت رہی تو بہت بڑا فتنہ واقع ہونے کا خطرہ ہے۔

حضرت عثمانؓ نے انصار و مہاجرین صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کیا جن میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور موجود عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ قرآن کریم کو ایک مرتبہ پھر جمع کیا جائے حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا تا کہ اس قرآن پاک کو لے آئے جو حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جمع ہوا تھا۔ جو انھوں نے دے بھیجا۔

حضرت عثمانؓ نے مزید مصاحف کے سلسلے میں چار کبار صحابہ اور ثقہ حفاظ سے ملاقاتیں کیں اس میں چند اسماء گرامی یہ ہیں زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص عبدالرحمٰن بن حارث آخری تین قریش قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ان سب نے اس بات پر اقرار کیا کہ وہ مکمل تحقیق کے بعد قرآن مجید کی کتابت کریں گے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں گے جس چیز کا انھیں یقین ہوا کہ اس کی نسبت آقا علیہ السلام کی طرف درست ہے اس کو قبول کیا باقی تمام چیزوں کو رد کر دیا مثلا

فَامْضُوا اِلٰی ذِکْرِاللّٰہِ بدل ہے "فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ".(۷)

---

۷ سورۃ الجمعۃ.............. آلایۃ (۹)

حضرت عثمانؓ نے کتابت قرآن مجید کے لیے مندرجہ ذیل اصول وضع فرمائے۔

1- وہ لفظ جو قراۃ میں مختلف نہیں یعنی ایک ہی طرح سب پڑھتے ہیں تو اس کو ایک صورت میں ہی لکھا جائے گا۔

2- جن الفاظ کی قراۃ میں اختلاف ہے اور مصحف میں ان رسم الخط کا لکھنا ممکن ہے تو اس کو اس طرح لکھا جائے گا مثلاً لفظ (فتبینوا) سورہ حجرات کے الفاظ ہیں ان کو اس طرح پڑھنا بھی ممکن ہے (فتثبتوا) یہ اس وقت ہے جب جب یہ الفاظ نقاط سے خالی ہوں۔ ان کو ایک ایسے رسم الخط میں لکھا جائے گا کہ اسے دونوں طرح پڑھنا ممکن ہو۔

3- جب ایک لفظ کا اس طرح لکھنا ممکن نہ ہو جس کا وہ احتمال رکھتا ہے تو اس کو اس رسم الخط میں لکھا جائے جو مصحف میں موجود کسی بعض الفاظ کے موافق ہو۔ مثلاً (وَصّٰی) جو ماضی ہے باب تفصیل سے اور ''اوصی'' ماضی ہے باب افعال سے حضرت عثمانؓ نے چھ نسخے لکھنے کا حکم ارشاد فرمایا انھیں مکہ المکرمہ، مصر، شام، بحرین، کوفہ بھیجا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔ اسے ''المصحف الامام'' کا نام دیا گیا۔ آپ نے حکم فرمایا موجودہ نسخے کے علاوہ سابقہ تمام نسخے جلا دیئے جائیں اور ان کی راکھ کو دفن کر دیا جائے بعض صحابہ کرام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا لیکن جن لوگوں پر حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ یہ کام اسلام کے لیے بہتر ہے انھوں نے آپؓ کے ساتھ اتفاق کیا۔

حضرت علیؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں شدت سے کام نہ لو تم ایسا نہ کہو کہ انھوں نے نسخے جلا دیئے خدا کی قسم انھوں نے یہ کام اصحاب رسول ﷺ کی موجودگی میں کیا اور آپؓ اکثر یہ ارشاد فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے تمام لوگوں کو بھلائی پر متحد کر دیا۔ اگر میں خلیفہ ہوتا تو اپنے ہاتھوں سے یہ کام سرانجام دیتا۔

یاد رہے کہ مصاحف عثمانیہ پر نقطے اور اعراب نہ تھے عبدالملک بن مردان تک

سلسلہ اسی طرح ہی چلتا رہا جب مملکتہ اسلامیہ میں وسعت ہوئی اور عربی عجمی آپس میں ملے تو بعض کلمات کو پڑھنے میں دقت پیش آئی حجاج بن یوسف نے اس مشکل کو دور کرنے کے لیے حکم دیا یہ دور تھا نصر بن عاصم اللیثی و یحیی بن یعمر العدوانی کا جو اپنے وقت کے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے تھے دونوں عظیم ہستیاں، علم، عمل، زہد و تقویٰ صلاحیت، لغت کے اصول اور قرأت قرآن کی تمام صورتوں کے علم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے دونوں نے اس اہم کام کو سرانجام دیا اور قرآن پاک پر نقطے لگا کر اسے ایک خوب صورت انداز دیا۔

قرآن مجید پر اعراب لگانا بھی ایک اہم اور مشکل کام تھا۔ کیونکہ جب عربی، عجمی تعلقات میں اضافہ ہوا تو اس سلسلے میں بھی مشکلات پیش آئیں ابوالاسود الدولیؒ نے ایک دن ایک قاری کو قرآن پڑھتے یوں سنا۔

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلِهٖ. (۹)

لفظ رسول کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھا ابوالاسودؒ یہ سن کر ڈر گئے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے مفہوم ہی تبدیل ہو گیا تھا پھر وہ والی (گورنر) بصرہ زیاد کے پاس گئے۔ اسے کہا کہ جس کام کے لیے تم مجھے کہا کرتے تھے اس کے لیے میں تیرے پاس آیا ہوں زیاد ابوالاسود الدولیؒ سے کہا کرتا تھا کہ قرآن پاک پر اعراب لگائے جائیں لیکن یہ انکار کرتے رہے پس اب انھوں نے قرآن پاک پر نقطوں کی صورت میں اعراب لگانا شروع کر دیے اعراب کو اوپر نیچے نقاط لگا کر ظاہر کیا جاتا تھا اور سکون (جزم) کے لیے دو نقطے لگائے جاتے تھے اسی طرح سلسلہ چلتا رہا اس کام میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قرآن پر شد، مد، حرکت، سکون کا حسب ضرورت اضافہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے اس نیکی کے کام میں کسی طرح بھی حصہ لیا ہو۔ آمین بجاہ نبی الامین۔

---

۹ سورۃ التوبہ.................. آلایۃ (۳)

قرأت سبع

حضور علیہ السلام کا فرمان ذی شان ہے کہ "بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا"۔ اس کی تفسیر یہ کی گئی کہ قرأت کی ظاہری طور پر سات مختلف صورتیں ہیں۔ لیکن معنی مفہوم مقصد و مدعا ایک ہے یہ تمام قبائل عرب کی آسانی کیلئے کیا گیا یہ سات قرأتیں تواتر سے ثابت ہیں کہ ان کو اتنے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ ان کا جھوٹ پر متحد ہونا مشکل ہے اور یہ قرأتیں حضور علیہ السلام سے نسل در نسل منقول ہیں جب حضرت عثمانؓ نے ممالک اسلامیہ میں قرآن کریم کے نسخے روانہ فرمائے تو ہر اس نسخے کے موافق قرأت بھی روانہ فرمائی۔

1- صحابہ کرام میں مشہور قرأ: ۔حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابت: ابن مسعود: ابودرداء: ابوموسیٰ، الاشعریؓ۔

2- تابعین میں سے مدینہ منورہ کے قرأ: ۔ابن المسیب، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار اور ان کے بھائی عطاء، زید بن اسلم مسلم بن جندب ابن شہاب الزہری عبدالرحمٰن بن ہرمز اور معاذ بن حارث جو معاذ القاری کے نام مشہور ہیں۔

3- مکہ المکرّمہ کے مشہور قرأ: ۔عطا، مجاہد، طاؤس، عکرمہ، ابن ابی ملیکہ، عبید بن عمیر۔

4- بصرہ کے مشہور قرأ۔ عامر بن عبدالقیس، ابوالعالیہ، ابورجاء، نصر بن عاصم، یحیٰ بن یعمر، جابر بن زید، الحسن، ابن سیرین اور قتادۃ وغیرہ۔

5- شام کے قراء۔ المغیرہ بن شہاب المخزومی مصحف عثمانؓ والے، خلید بن سعید، ابی الدرداء کے دوست وغیرہ

6- کوفی کے قرأ۔ عتبہ، الاسود، مسروق، عبیدہ، الربیع بن خثیم الحارث بن قیس، عمر بن شرجیل، عمرو بن ممون، ابوعبدالرحمٰن السلمی، زر بن حبیش، عبید بن فضلہ، ابوزرعہ بن عمر، سعید بن جبیر، النخعی اور الشعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

قرأالسبع اوران کے راوی

ایک جماعت نے اپنے آپ کومختلف قرأتوں کو منضبط کرنے اوران کے عنوان مقرر کرنے کے لیے وقف کیا۔

مدینہ منورہ میں :۔ ابوجعفر یزید بن القعقاع ،شیبۃ بن لضاع، نافع ابن ابی نعیم۔

مکہ المکرّمہ میں :۔ عبداللہ ابن کثیر،حمید بن قیس الاعرج اور محمد بن محیص۔

کوفہ میں یحیٰی بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، سلیمان بن الاعمش ،حمزہ اور کسائی۔

بصرہ میں :۔ عبداللہ بن ابی اسحاق ،عیسی بن عمرو ،ابوعمر ابن العلاء ، عاصم الجحدری اور یعقوب الحضرمی۔

شام میں :۔ عبداللہ بن عامر،عطیہ بن القیس الکلابی، اسماعیل بن عبداللہ، یحیٰی بن حارث الزماری اور شریح بن یزیدالحضرمی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر وہ عبادات مشہور ہوئیں جن میں قرأتوں کی تعداد مذکور ہے بعض نے قرأتوں کی تعداد سات ،بعض نے دس اور بعض نے چودہ بیان کی ہے لیکن ان تمام میں محتاط تعداد سات ہی ہے اور یہ سات قرأتیں سات مشہور اماموں کی طرف منسوب ہیں اور وہ یہ ہیں۔

نافع ، عاصم ،حمزہ ،عبداللہ بن عامر،عبداللہ بن کثیر، ابوعمرو بن العلاء اور علی الکسائی

ان قرأعظام نے دوسوسال تک اسلامی ممالک میں شہرت پائی۔

بصرہ میں لوگ ابی عمرو اور یعقوب کی قرأتوں کے مقلا تھے کوفہ میں حمزہ اور عاصم مشہور تھے شام میں ابن عامر کی قرأت مانی جاتی تھی مکہ المکرمہ میں ابن کثیر کی تقلید کی جاتی تھی اور مدینہ منورہ میں نافع قاری اعظم کے طور پر مشہور تھے۔

قرأت سبع کی صورت حال یہی رہی حتیٰ کہ تیسری صدی بھی گذر گئی مگر اس عظیم ورثہ کو مدون نہ کیا جاسکا آخر کار بغداد سے امام بن مجاہد احمد بن موسی بن عباس اٹھا اس نے

قرأت کے ساتوں آئمہ کی قرأتوں کو جمع کیا اور اس نے اپنے آپ پر اس بات کو لازم کیا کہ کسی سے روایت نہیں کرے گا مگر اس سے جو ضبط، امانت میں مشہور ہو اور قرأت سے اس کا تعلق کافی عرصے سے ہو۔

قرأ سبع کے راوی

قرأ سبع میں ہر ایک سے کثیر لوگوں نے روایت کیا نافع کے دو مشہور راوی ہیں۔

الاول:۔عثمان بن سعید المصری ان کا لقب ورش ہے۔اپنے زمانے میں قرأ کے بے تاج بادشاہ تھے۔110 سن ہجری کو مصر میں پیدا ہوئے اور 179 سن ہجری سے 189 سن ہجری کے درمیان وفات پائی۔

دوئم:۔عیسی بن میناء مولی بنی زہرہ ہیں جو''قالون''کے لقب سے مشہور ہیں۔یہ لقب انھیں عمدہ قرأت کی وجہ سے ملا۔قالون رومی زبان میں عمدہ کے معنی میں ہے۔آپ 120 سن ہجری کو پیدا ہوئے۔اور 220 سن ہجری میں وفات پائی۔

عبداللہ بن کثیر المکی کے دو مشہور راوی

الاول:۔محمد بن عبدالرحمٰن المخزومی المکی اور یہ''قنبل''کے لقب سے مشہور تھے قنبل ایک دوا ہے جو یہ کثرت سے استعمال کرتے تھے 159ھ کو پیدا ہوئے اور 291ھ میں وفات پائی۔

دوئم:۔احمد بن محمد البزی المکی۔یہ مکۃ المکرّمہ کے مشہور قرأ میں سے تھے اور مسجد الحرام کے موذن بھی تھے 170ھ میں پیدا ہوئے اور 250ھ کو 80 سال کی عمر میں وفات پائی اُبی عمر وزیان بن العلاء التمیمی المازنی البصری کے بھی دو مشہور راوی ہیں۔

الاول:۔ابوعمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز الدوری، سامرا کے رہنے والے تھے۔اپنے زمانے میں قاریوں کے امام اور لوگوں کے معزز بزرگ تھے یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے تمام قرأتوں کو جمع کیا 164ھ میں وفات پائی۔

دوئم :۔ ابو شعیب صالح بن زیاد السوسی ہیں ۔انھوں نے 261ھ میں وفات پائی عمر مبارک تقریباً 70 برس تھی۔

ابی عمران عبداللہ بن عامر اہل شام کے امام تھے ان کے دو مشہور راوی درج ذیل ہیں۔

اول :۔ ابوالولید ہشام بن عمار السلمی الدمشقی یہ اہل دمشق کے امام ہیں اور اپنے وقت مشہور خطیب، قاری، محدث، اور مفتی ہیں ۔ یہ 135ھ کو پیدا ہوئے اور 245ھ کو وفات پائی۔

حمزہ بن حبیب الکوفی کے دو مشہور راوی

الاول :۔ خلاد بن خالد الشیبانی الکوفی الصیر فی ہیں اور یہ قرأۃ میں امام ثقہ تھے ۔ 220ھ میں وفات پائی۔

دوئم :۔ ابومحمد خلف بن ہشام البز از البغدادی الاسدی 150ھ کو پیدا ہوئے اور بغداد میں 229ھ کو وفات پائی جب آپ جُھمِیَہ میں روپوش تھے۔

ابی بکر عاصم کے دو راوی مشہور ہیں

الاول :۔ حفص بن سلیمان الاسدی الکوفی، ان کی پرورش عاصم نے ہی کی اپنے وقت کے لوگوں میں قرأت کو سب سے زیادہ جانتے تھے اور بہت بڑے قرأت کے مدرس تھے ایک عرصہ تک سند تدریس سنبھالے رکھی 90ھ میں پیدا ہوئے اور ایک صد اسی (180ھ) کو وفات پائی۔

دوئم :۔ ابوبکر ابن شعبہ الاسدی الکوفی یہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم باعمل تھے ۔ آپ سنت کے ائمہ میں سے تھے اور ایک عرصہ تک بقید حیات رہے تقریباً سو سال عمر پائی۔

موجودہ قرآن پاک حفص کی روایت کے مطابق ہے انھوں نے اس قرأت کو عاصم سے لیا انھوں عبداللہ بن حبیب السلمی سے روایت کیا عبداللہ بن حبیب السلمی نے حضرت علی ابن ابی طالب، عثمان بن عفان، زید بن ثابت اور ابی بن کعبؓ اجمعین سے روایت کیا ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں جو قرآن مجید طبع کیے جاتے ہیں وہ حفص کی قرأت

اور رسم الخط کے مطابق ہے ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس مقدس کلام کی خدمت پر ثابت قدم فرمائے یہ اسی کا احسان اور کرم ہوگا۔

مذکورہ بالا بحث قرآن کریم کی روایت کے بارے میں تھی لیکن معنی ومفہوم کے لحاظ سے اس کی شان یہ ہے۔

لاَ یَاتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَلاَ مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِیۡلٌ مِنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ . (۱)

''اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بڑی حکمت والے سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔

فصاحت، بلاغت میں سعادۃ دارین کا احاطہ، عقیدہ، عمل اور اخلاق کے لحاظ سے کرنے میں اس کی مثال ماضی حال، مستقبل میں لانا ناممکن ہے۔

قرآن کریم نے سب سے پہلے ایک باشعور اور ذی فہم انسان کو جواب دہی کا شعور عطا فرمایا ہے اور اس کو رب العالمین کی ربوبیت کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا ہے۔

اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی . (۲)

(وہ رب) جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر (ظاہری باطنی قوتیں دیکر) درست کیا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی رب کائنات نے اس دنیا کو پیدا فرمایا اس میں بلندی اور پستی پیدا فرمائی اور کائنات کو اپنے علم حکمت اور ارادہ قدرت سے پیدا فرمایا کیونکہ۔

اَللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ . (۳)

''اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا''۔

وہ پاک ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کو سجدہ کیا

---

۱ سورۃ حم السجدہ .... الآیۃ ۴۲ ۲ سورۃ الاعلیٰ .... آلایۃ (۳،۲)

۳ سورۃ الزمر ...... آلایۃ (۶۲۔۶۳)

جائے اسی سے مدد طلب کی جائے۔

جو وہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے جو نہیں چاہتا وہ کام نہیں ہوسکتا۔

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن .(۴)

''بے شک اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا، وہ چیز ہو جاتی ہے''۔

اس نے موجودہ عالم کے علاوہ ایک اور کائنات بھی بنائی ہے جسے عالم آخرت کہا جاتا ہے اس میں ہر ذی شعور آدمی کو اس کے اعمال کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

اس نے رسولوں کو مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور جہنم سے ڈرائیں تاکہ لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک رابطہ اور واسطہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو لازم قرار دیا ہے لوگوں کے حکمران وہ لوگ ہوں جو اللہ تعالیٰ کی تابعداری کریں یہ حکم فرمایا کہ ہر اہم کام میں آپس میں مشورہ ضرورر کرلیا کرو اور جب کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلو تو اس کے بعد ڈٹ جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

اگر فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف سے کام لو جب تو لو تو وزن پورا کرو ترازو سیدھا رکھو اور اپنے ملک وقوم کو بچانے کے اپنی قوت میں حسب طاقت اضافہ کرو۔

معاشیات واقتصادیات کو مضبوط بناؤ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی رغبت دی ہے کہ زمین میں موجود چشموں معدنیات، درختوں اور پھلوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حُسن سلوک اور مساویانہ نظام کو لازم فرمایا ہے مزید برآں صلہ رحمی ،رحم دلی ،انصاف ،مہمان نوازی کا بھی حکم ارشاد فرمایا۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر لازم کرتا ہے کہ وہ علم کو اپنا رہنما بنائیں ۔سچ کو اپنی نشانی بنائیں جہاد کو اپنا لباس اور صبر کو ڈھال بنائیں۔اور توکل کو اپنا سہارا بنائیں یہاں تک وہ رب غفور رحیم کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔

قرآن کریم اپنے ان قیمتی موتیوں کے علاوہ بھی فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ درجے

---

۴ سورۃ یٰسین :.............الآیۃ (۸۲)

پر نظر آتا ہے جس کی وجہ سے عقل وشعور حیران ہیں قرآن نے جن وانس کو چیلنج کیا ہے اس کی مثال لے آؤ مگر اس کی مثل نہ لائی جا سکی اور انھوں نے قرآن کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا واضح سی بات ہے کہ کلام مجید نے بڑے بڑے فلسفیوں کے نطق کو بند کر دیا ہے۔

علماء کرام نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے راز میں غور وفکر کیا ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر نقص و کمزوری سے پاک ہے اور عالم غیب سے نازل ہوا پس اس کی حفاظت بھی غیب جاننے والے نے کی ہے اس لیے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا بعض اہل علم نے اس کے معجزہ ہونے کا اعتراف کیا ہے لیکن اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگوں کے لیے معجزہ ہے۔

پہلی وجہ: حسن بلاغت اور روحانیت :۔ عربوں کی بلاغت زیادہ تر مظاہر فطرت اور مناظر محسوسہ تک محدود تھی اور ان تمام چیزوں کا قلم سے اور زبانی بیان کرنا ممکن تھا لیکن یہ قرآن مجید کی شان ہے کہ یہ امور غیبیہ سے بحث کرتا ہے روحانیت کے بارے میں بیان کرتا ہے اگر چہ ان چیزوں کو محسوس کرنا مشکل ہے لیکن قرآن پاک ان تمام اشیاء کو بڑی جدت، خوبصورتی اور منفرد انداز میں بیان فرماتا ہے پس انسان ان چیزوں کو ترک کر دیتا ہے جو اس کے لیے دنیا و آخرت میں مفید نہ ہوں۔

دوسری وجہ: سچائی اور حقیقت کا مجموعہ :۔ عمومی طور پر وہ کلام بڑا پرکشش اور دلچسپ ہوتا ہے جس میں مبالغہ آرائی ہو، غلو، سے کام لیا جائے انتہا پسندی ہو اور اس کی مثل دنیا میں نہ ہو اور وہ جھوٹ کا مجموعہ ہو۔ جب کہ قرآن کریم نے سچ اور حقیقت کا راہ اختیار کیا ہے اور لوگوں کو رب العزت کی شان بتلائی ہے اور اس چیز کو بیان کیا گیا جو عقل وشعور کے تحت آتی ہو خطیب حضرات اور قادر الکلام لوگوں کے لیے یہ مشعل راہ ہے۔

تیسری وجہ: خوبصورت انداز بلاغت :۔ جو بلاغت کا انداز اور بلند معیار قرآن مجید میں ہے لوگوں کا اس انداز میں کلام کرنا سوائے چند مقامات کے مشکل ہے یا چند جملوں تک

وہ کلام محدود ہوگا جب کہ قرآن پاک کی فصاحت تو گویا ایک بہتا دریا ہے اس کے جملوں میں اعلیٰ درجے کی بلاغت موجود ہے جب ایک باذوق اور عقل مند آدمی یہ خوبصورت کلام سنتا ہے ابھی وہ اس کی حلاوت کو محسوس ہی کر رہا ہوتا ہے کہ ایک اور آیت طیبہ اس کے کانوں میں رس کھولتی ہے ہر آیت دوسری آیت سے زیادہ روشن، خوبصورت اور مقصد و مطلب کے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔

چوتھی وجہ: خوبصورت تکرار:۔ جب کسی کلام میں تکرار آجائے تو قاری یا سامع اس سے اکتا جاتا ہے لیکن قرآن مجید میں تکرار اس خوبصورت دلکش اور بامقصد انداز اپنایا گیا ہے کہ انسان اسے سن کر اکتاتا نہیں بلکہ طبیعت اس تکرار کو قبول کرتی ہے اور لطف اندوز ہوتی ہے۔

پانچویں وجہ:۔ کثیر المقاصد بلاغت:۔ کلام میں بلاغت اور فصاحت کا پایا جانا کسی بھی ادیب کے لیے ایک اعلیٰ خوبی شمار کی جاتی ہے لیکن ادباء کی اکثر تحریریں اپنے اندر محدود مقاصد لیے ہوتی ہیں تحریر کے مختلف انداز ہیں اور مختلف موضوعات ہیں مثلاً بہادری، شجاعت، ترقی، تشبیب، غزل، عشق، حکمت، وعظ، ارشاد یا مظاہر و مناظر کی تعریف یا نہروں باغوں، پھولوں، درختوں کے بارے میں بیان یا ڈرانے یا ترغیب کے لیے موضوعات کوئی بھی ادیب اپنے معین موضوع سے تجاوز نہیں کرتا لیکن قرآن مجید وہ بلیغ کتاب ہے جس میں تمام فنون کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مثلاً ترغیب دیتے ہوئے یوں فرمایا۔

فلا تعلَمُ نفس" مَا اُخفِیَ لَھُم مِن قُرۃ اَعْیُن .(۵)

"کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے کس چیز میں آنکھوں کی ٹھنڈک رکھ دی گئی ہے"۔

افاَمِنتُم اَن یخسِف بِکُم جَانِب البر .(۶)

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارے

---

۵ سورۃ السجدہ ...... الآیۃ (71)   ۶ سورۃ الاسراء الآیۃ (68)

کو"مزید فرمایا۔

وَخَابَ کُلُ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ. (۷)

"اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق"۔ زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا۔

فَکُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡبِہٖ. (۸)

"پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث"۔

الالہیات (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں فرمایا۔

اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَمَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ. (۹)

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں۔

چھٹی وجہ: تمام علوم کی بنیاد:۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید تمام علوم کی اساس ہے پس دین اور اس کے اصول فقہ اور اس کے اصول عربی ادب علم الذہد، قناعت حکمت علمیہ اور نظریہ یعنی تہذیب الاخلاق، گھر کے معاملات ملکی سیاست، روحانیت یعنی الالہیات جو مادہ سے خالی ہیں غیب المطلق، فلکیات، سیاریوں کا افلاک میں گردش کرنا، اور حرکات کے اوزان یہ تمام قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

اس میں زمین، پہاڑ، خشکی، تری اور کشتیوں کا بھی ذکر موجود ہے یہ بات بھی ثابت ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کے لیے نعمت ہیں اور انسان وہ مخلوق ہے جو فطرت سلیمہ، عقل او رادراک کی وجہ سے سب سے زیادہ خوبصورت پیدا کی گئی ہے قرآن پاک انسان کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور کائنات میں غور کرے تا کہ اس سبب سے وہ ایمان کی حقیقت تک پہنچ کر اطمینان اور استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائے۔

---

۷ سورہ الراہیم ...... آلایۃ (15) ۹ سورہ رعد .... آلایۃ (8)

۸ سورہ العنکبوت ...... آلایۃ (40)

ساتویں وجہ:۔انوکھا اسلوب بیان۔قرآن کریم نے جو انداز گفتگو اپنایا ہے عرب دنیا میں یہ ایک منفرد طرز تکلم تھا۔پس کوئی بھی قرآن مجید کے اس انداز کو اپنا نہ سکا۔ایسا کیوں نہ ہوتا اس کلام پاک کو نہ صرف مسلمان بلکہ ہر وہ آدمی جو خالی الذہن ہو کر اور بغض وعناد سے پاک ہو کر پڑھے گا تو اپنے اندر ایک حقیقی روحانی خوبصورتی پائے گا جو اس کے شعور اور دل پر چھا جائے گی۔انسان روحانی طور پر ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جائے گا۔وہ ایک نفسانی شخصیت سے پاک روحانی شخصیت بن جائے گا۔غفلت سے نکل کر بیداری اور شعور کی دینا میں آئے گا اور اندھیروں سے روشنی کی طرف منتقل ہوگا۔

تنگ وتاریک مادی دنیا سے نکل کر وہ حقیقی وسیع روحانی کائنات میں داخل ہوگا جس میں انسان کی کامیابی ہے اور دنیا میں وہ دل کی مضبوطی،اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی رجوع اور اللہ رب العالمین کی ذات بابرکات پر توکل جیسی اعلیٰ صفات سے متصف ہوگا۔

رسولوں پر ایمان

نبی سے مراد وہ عظیم انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہو اور اسے شریعت عطا فرمائی ہو،خواہ اسے شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

جب کہ رسول سے مراد وہ ذات بابرکت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ہو،شریعت بھی عطا فرمائی ہو،اور اس کی تبلیغ کا حکم فرمایا ہو خواہ ان پر ایک مستقل کتاب نازل ہو یا انہیں سابقہ نازل شدہ کتاب کی تبلیغ کا انھیں فریضہ سونپا گیا ہو۔

رسالت کے ثبوت کا ایک طریقہ معجزہ ہے جب ایک رسول اپنی رسالت کا دعویٰ کرتا ہے کہ اسے مخلوق تک اللہ کے احکامات پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔تو بعض لوگ تو بلا تردد اس پر ایمان لے آتے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی عقل پاک اور قوت فہم مضبوط ہوتی ہے۔اس کی مثال ایسے جیسے زیتون کا تیل جیسے آگ لگائی جائے تو وہ فورا بھڑک اٹھے اس قسم کے لوگوں کو"صدیق" کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک وقت تک وہ مدعی نبوت کے آثار، احوال اور اخلاق کا مشاہدہ کرتے ہیں اس نبی کی دعوت کو سنتے ہیں اس پر نازل شدہ کتاب کو سنتے ہیں اس کے منشور کو ملاحظہ کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو مذکورہ بالا عمل سے نہیں گذرتے بلکہ وہ مختلف روکاٹوں، دشواریوں کا سامانا کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ رسول سے معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں پس وہ لوگ معجزہ دیکھ کر دل و جان سے اس رسول پر ایمان لے آتے ہیں مگر بعض ایسے بدبخت بھی ہوتے ہیں جو ان تمام احوال کو دیکھنے کے باوجود ایمان لاتے۔ اس کی وجہ ان کا بغض اور عناد ہوتا ہے ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں جن پر کوئی وعظ و نصیحت اثر نہیں کرتی۔ معجزات کو بھی دیکھ کر ان کا دل ایمان کے بجائے نفرتوں سے بھر جاتا ہے۔ العیاز باللہ تعالیٰ۔

معجزہ سے مراد وہ خلاف عادت امر ہے، جس کا مقصد دعوی رسول کے سچا ہونے کی تصدیق کرنا ہے۔ پس جب ایک عاقل اور انصاف پسند آدمی اس معجزہ کو ملاحظہ کرتا ہے۔ تو وہ یہ دلیل حاصل کرتا ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا سچا رسول نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ معجزہ دے کر اس کی تائید نہ فرمائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معجزہ عطا فرمایا ہے اس لیے یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جب ایک آدمی دعویٰ کرے کہ یہ بادشاہ جو سامنے کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں اس کے احکام لوگوں تک پہنچاؤں، اس کے دعویٰ کی سچائی ے لیے دلیل یہ ہے کہ بادشاہ اس کی گذارشات کو قبول فرماتا ہے اس سے عام لوگوں کو دلیل مل گئی کہ یہ واقعی بادشاہ کا اس وقت وکیل ہے اس کے بعد شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

معجزاتِ رُسل

معجزہ وہ خلاف عادت واقعہ ہوتا ہے جس کی مثال دنیا میں ملنا مشکل ہوتی ہے اور

عام فطرتی امور سے ہٹ کر یہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اس میں کسی آدمی کی محنت یا کاریگری کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا اس معجزہ کے وقوع پذیر کرنے کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تائید و نصرت ہے۔

اگر معجزہ کسی شخص سے دعویٰ نبوت سے پہلے وقوع پذیر ہو تو اسے ''ارھاس'' کہتے ہیں۔ گویا کہ یہ اس کی رسالت کی بنیاد و اساس ہوتا ہے اور اگر معجزہ اعلان نبوت کے بعد واقع ہو تو اگر یہ چیلنج کے جواب میں وقوع پذیر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں بصورت دیگر اسے ''کرامت'' کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

اگر معجزہ دعویٰ رسالت کے بعد واقع ہو اور وہ مکمل طور پر خلاف فطرت واقعہ ہو تو برابر ہے کہ یہ چیلنج کے جواب میں ہو یا نہ ہو۔ وہ معجزہ ہوگا خلاف کوئی آ گیا اور اگر عادت کے کوئی خلاف واقعہ پیش آ گیا اور جس سے یہ واقعہ رونما ہوا وہ دعویٰ رسالت نہ کرتا ہو تو اگر وہ کسی نبی کے تابع ہو اور اس نبی کے احکام شریعت کا پابند ہو تو اسے ''کرامت'' کہتے ہیں۔

کیونکہ یہ تمام امور محنت و مشقت سے حاصل ہو جاتے ہیں اور مادی اسباب پر ان کا انحصار ہوتا ہے۔

تمام انبیاء و رسل پر بلا تفریق ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ تمام نفوس قدسیہ اصل نبوت و رسالت کے لحاظ سے برابر ہیں جن انبیاء و رسل کے بارے میں اجمالی طور معلوم ہے ان پر اجمالاً ایمان لانا اور جن کے بارے میں تفصیلاً معلوم ہے ان پر تفصیلاً ایمان لانا واجب ہے جیسے کہ قرآن پاک میں 26 رسولوں کا ذکر ہے حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب،، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت الیاس، حضرت یسع، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عزیر، حضرت ذکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، سیدنا

حضرت محمد علیہم الصلوۃ والسلام جب کہ سیدنا خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔حضرت لقمان ایک متقی پرہیزگار حکیم تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا فرما رکھی تھی۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا .(۱)

''جس کو حکمت عطا فرمائی گئی اسے بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا'' جبکہ ذوالقرنین ایک نیک بادشاہ تھا۔

حدیث طیبہ میں کچھ مزید بنی اسرائیل کے انبیاء علیہ السلام کا ذکر موجود ہے جو یہ ہیں۔

یوشع ،شعیا ،ارمیاء علیہم السلام

نبی کریم ﷺ سے انبیاء علیہم السلام کی تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار منقول ہے اور ایک روایت میں انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار منقول ہے جبکہ حق بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سلام اللہ علیہم کی معین تعداد کے بارے میں ہمیں توقف کرنا چاہیے۔

کیونکہ ارشاد گرامی ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ.(۲)

''تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء کرام بھیجے ان میں بعض کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اور بعض کا ہم نے ذکر نہیں''۔

وہ انبیاء کرام جن کا ذکر کتاب وسنت میں ان کے اسماء گرامی کے ساتھ نہیں کیا گیا ان پر اجمالی طور پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(وَمِنْهُمْ مَّنْ لَمْ نَقْصُصْ .) ''ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا''۔

اور یہ فرمان ذی شان بھی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلاَ فِيْهَا نَذِيْرٌ .(۳)

---

۱ سورہ البقرہ..........آلایۃ (269)   ۲ سورہ غافر..........آلایۃ (78)

۳ سورۃ فاطر..........آلایۃ (۲۴)

"کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں سے بعض معین افراد کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا تعلق جزیزہ عرب سے تھا اور وہاں کے لوگوں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا مگر انبیاء کرام کی تعداد کافی ہے ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس بات پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ وہ رسول افضل ہیں ان انبیاء سے جو مرسلین نہیں ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام جو اولو العزم ہیں وہ باقی تمام رسولوں سے افضل ہیں اولوالعزم سے مراد وہ عظیم الشان رسول ہیں۔ جنہوں نے اہل شرک اور باغیوں کی طرف سے دی گئی مشکلات پر صبر و تحمل سے کام لیا انھیں تکالیف دی گئی لیکن انھوں نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وہ فیصلہ کیا جو اس کی منشاء تھی اولوالعزم رسول پانچ ہیں۔

حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ سیدنا حضرت محمد ﷺ اجمعین۔

اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ سیدنا محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کی ذات پاک خاتم النبین والمرسلین ہے آپ کی شریعت سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے جب ہم کوئی ایسی چیز ملاحظہ کریں جو سابقہ کسی شریعت سے تعلق رکھتی ہو تو ہم اس پر عمل کریں گے جب ہمارے آقا علیہ السلام نے اس پر عمل کیا ہو بذات خود وہ عمل درست نہیں۔

کیوں کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی شریعت عمومی اور تا قیام قیامت تک کے لیے ہے۔

اس بات بھی ایمان لازم ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں متفق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کے رسولوں پر ایمان اس کے ملائکہ پر ایمان اس کی کتابوں پر ایمان یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان ان تمام باتوں میں تمام انبیاء کرام متفق و متحد ہیں۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ذی شان ہے۔

شَرَعَ لَكُم مِنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ .(۴)

''اس نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں''۔

انبیاء علیہم السلام کے حق میں تین صفات کا ماننا بھی لازم ہے۔

(1) صدق (2) امانت داری (3) ذہانت و فطانت پس اس بات پر ایمان لانا بھی واجب ہے کہ یہ صفات ان کے لیے تا حیات ثابت رہیں اور ان کی زندگیاں دو رنگی سے محفوظ تھیں شریعت کے احکامات میں سے جو ان تک پہنچے اس میں سے جو انھوں نے تبلیغ کی وہ سب سچے تھے جو ان پر وحی کی گئی اس کو انھوں نے مِن وعَن لوگوں تک پہنچا دیا۔

انبیاء کی ذہانت و فطانت کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ باقی ان میں عمومی صفات بھی پائی جاتیں تھیں۔ مثلاً تمام باقی انسانوں کی طرح وہ کھاتے، پیتے، سوتے، تھکتے اور آرام کرتے، تندرست رہتے، بیمار ہوتے، زندہ رہتے اور وفات پا جاتے تھے۔ لیکن عالم برزخ اور وفات کے بعد اٹھائے جانے کی نسبت سے وہ اعلیٰ ترین مقامات پر ہیں اور یہ سب رب کریم کی رحمت سے ہے۔

اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے انبیاء علیہم السلام ابتدائے نبوت سے وفات پا جانے تک گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور وہ گناہ کبیرہ سے مطلقاً اور گناہ صغیرہ سے عمداً پاک ہوتے ہیں بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سہواً بھی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طریقہ سے وہ نبوت سے پہلے بھی کبیرہ گناہوں سے اور صغیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں ان کی مقدس زندگیاں گھٹیا پن سے محفوظ ہوتی ہیں اور جو لوگ ان

---

۴ سورۃ الشوریٰ............ آلایۃ (۱۳)

پاک ہستیوں کے سلسلے میں گناہ کا وہم کرتے ہیں اس بات کو ان کے مقام کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تصور کیا جائے گا۔ یا یہ غلطی اس وقت سرزد ہوئی جب وہ ذات قدسی ادلہ شریعیہ اوراصول نقلیہ اوراصول عقلیہ سلیمہ کو جمع کرنے کی مکلف ہی نہ تھی۔

اس کی عمومی دلیل اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی آدَمَ و نُوحًا وَ آلَ اِبْرَاهِیمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلی الْعَالَمِینَ .

''بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا حضرت آدم، حضرت نوح، آل ابراہیم علیہم السلام اور آل عمران کو تمام جہانوں پر''۔

آل ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ پر مشتمل ہے اسی طرح سیدنا حضرت اسحٰق اور آپ کی اولاد میں جو انبیاء علیہم السلام ہیں بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح آل عمران سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بعد کے لوگوں پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ للّٰه رَبِّ الْعَالَمِیْنَ .(۵)

''پاکی ہے تیرے رب کی جو عزت کا مالک ہے ان (نامناسب باتوں سے) جو وہ کیا کرتے ہیں اور سلامتی ہو سب رسولوں پر اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

رب کا یہ فرمان کہ۔

قُلْ اَلْحَمْدُ للّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.(۶)

''کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سلام ان بندوں پر جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا''۔

انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد یوں فرمان ہوا۔

اُولٰئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ اھُمُ اقۡتَدِہٗ.۷؎

''یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ تعالیٰ نے تو انھیں کے طریقہ کی پیروی کرو''۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذَا بۡتَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ رَبُّہٗ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَایَنَالُ عَھۡدِیۡ الظَّالِمِیۡنَ.۸؎

''اور یاد کرو جب آزمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو چند کلمات سے تو انھوں سے پورا کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں عرض کی میری اولاد میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں سے انتخاب اور چناؤ اہل فسق، گناہ گاروں اور مجرموں کا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کوئی سلام اکرام اوراحترام نہیں ہے ایسے لوگوں کو امام کرنے اور ہدایت دینے کے امور نہیں سونپے جاتے کیا ایسا ممکن ہے کہ نور، تاریکی ہو جائے۔امام عادل ہو ظالم بن جائے، مرشد اعظم ہو اور مجرم اعظم بن جائے یقیناً ایسا ممکن نہیں یہ جہلا کے توہمات ہیں۔

لا ینال عهدی الظالمین.

اس آیت مبارکہ میں عہد سے مراد عہد رسالت اور نبوت ہے بات واضح ہے کہ ظالم، فاسق عہد نبوت اور رسالت کے حق دار نہیں ہیں۔

اور اگر اس سے مراد دین کا عہد امانت اور عہد راہنمائی ہے تو یہ مراد لینا بھی درست نہیں اب کہ جب ظالم لوگ دین و دنیا کے حکمران نہیں بن سکتے تو وہ نبوت و رسالت کے منصب عظیم پر کیسے فائز ہو سکتے ہیں۔

۷؎ سورۃ انعام............آلایۃ (۹۰) ۸؎ سورۃ بقرۃ......آلایۃ (۱۲۴)

بعثت رسل کی حکمت

اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ رسولوں کی بعثت بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص لطف وکرم ہے تاکہ بکھرے خیالات کو ایک مرکزیت دے کر انھیں انوار الٰہیہ سے روشن کر دیا جائے مزید برآں انھیں عقائد صالحہ، افعال حمیدہ اور بلند اخلاق سے آراستہ کر دیا جائے انسانیت کی راہنمائی کے لیے رسالت کی اشد ضرورت ہے تاکہ انسان اس کے انوار سے فیض یاب ہو سکے اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

پہلی دلیل:۔ جب انسان تھوڑا سا غور وفکر کرتا ہے تو اسے یہ بات سمجھ آجاتی ہے اس کی تخلیق میں اجتماعیت کا عنصر غالب ہے اس لیے بغیر معاشرے کے وہ زندہ رہنا مشکل تصور کرتا ہے اس لیے رعایا کی ضرورت ہوتی ہے اور رعایا کو ایک محبت کرنے والے حکمران کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر انسان اپنی جگہ حکمران بھی ہے اور رعایا بھی اور ہر حکمران سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور محبت کی تکمیل صرف انسانوں کو رعایا بنا لینے سے نہیں ہوتی جب تک کہ دنیا وآخرت میں کسی اچھے نتیجہ کی امید نہ ہو اس دنیا کی خواہشات اور امیدیں وسیع ہونے کے باوصف محدود ہیں جبکہ آخرت کی آرزوئیں لامحدود ہیں یہ امیدیں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے سوا کسی اور جگہ سے حاصل نہیں سکتیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کو انبیاء ورسل کی ضرورت ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مذکورہ محبت ومودت کی تکمیل نبوت ورسالت کے بغیر کیوں ممکن نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے کئی وجوہات کی وجہ سے محبت کرتا ہے مثلاً رشتہ داری درس وتدریس زندگی کے معاملات مثلاً تجارت زراعت اور مختلف محکمے کہ اس میں مشترکہ کام کرنے والے اپنے ساتھیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے اس کے مقابلے میں ایک بھولا بھٹکا مسافر، بے آسرا یتیم بے یارومددگار بیوہ یا لاوارث مریض کے لیے کسی اجنبی کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ایک غیر اسلامی ملک کو مسلمانوں سے دلی محبت کیوں ہو گی مگر محبت تو اصولوں کو اپنانے

سے پیدا ہوتی ہے اسلام میں محبت کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اور ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت کے اصول وضوابط موجود ہیں جو ایک دوسرے سے رابطے کا سبب بنتے ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ اگر یہ نتیجہ خیر محبت زندگی کے نظام کے لیے کافی ہے تو پھر نبوت ورسالت کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے مطالعہ ومشاہدہ میں ہوگی کہ جس محبت اور تعلق کی بات آپ کر رہے ہیں وہ محبت صرف ان کے ہم وطنوں تک محدود ہے لیکن جس محبت کی بات ہم کر رہے ہیں وہ زمان ومکان اور قومیت کی حدود سے ماوراء ہے اس محبت کی بنیاد، مرکز، معبود اور نظام ایک ہے۔

یہ نظام اس وقت تک حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا جب تک رسالت کی ٹھنڈی چھاؤں اس پر سایہ فگن نہ ہوں پھر وہ محبت جس کے فوائد موجودہ زندگی تک محدود ہوں اس میں اتنی تاثیر نہیں ہوتی کہ انسان میں ذات کی نفی اور نفس کی قربانی جیسی اعلیٰ صفات پیدا کر سکے۔ اس محبت کے اثرات محدود افراد تک ہوتے ہیں مگر دل میں ابدی سعادت اور رحمت سرمدی کی امید واثق ہو تو اس کے لیے ہر کام آسان ہو جاتا ہے اور یہ کام بذریعہ رسالت ہی ممکن ہے۔

دوسری دلیل

خوف وطمع: ۔ یہ بات بلا اختلاف دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ ایک عاقل اور با اختیار آدمی جب کوئی کام کرے گا تو اس میں دو وجوہات سبب بنیں گی۔

خوف، لالچ، انسانی معاشرہ کی تشکیل میں یہ دونوں چیزیں بنیاد ہیں انسان اچھائی یا برائی میں ان مذکورہ قوتوں کا ہی مسخر ہوتا ہے انسان بعض دفعہ کسی کی جان مال عزت کی طرف بری نظر سے صرف اس لیے نہیں دیکھتا کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ آدمی ایک مشکل کام پر کمر بستہ ہو جاتا ہے تا کہ لوگ اس کی تعریف کریں اسے مال و دولت حاصل ہو جب ہم ان تمام امور کو دقعت نظر سے

دیکھتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ دو چیزیں انسان کی مسلسل ترقی کے لیے ناکافی ہیں۔ کیونکہ قوت سے نہ ڈرنا خلاف عادت ہے اور دائمی نعمت میں رغبت رکھنا سعادت ہے۔

اگر کمزور لوگ حکومت وقت کے خوف میں ناجائز کاموں کو ترک بھی کریں لیکن امراء تو اہل اقتدار سے نہیں ڈرتے بے آسرا اور کمزور لوگ الگ تھلگ مکانات میں رہتے ہیں اور ان پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی محافظ و نگہبان نہیں ہوتا۔

لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کے لالچ میں اور اپنے مطلوب و مقصود کو پانے کے لیے انسان ہر یتیم بچے بچی بیوہ رنڈوے اور بے سہارا مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار ہو جاتا ہے پس خوف اور لالچ دونوں بے سود ہیں جب تک رضا الٰہی مقصود نہ ہو اور رضا کے حصول کے لیے رسالت کا نظام ضروری ہے۔

تیسری دلیل

شرف انسانیت:۔ انسان کسی بے حس پتھر کی طرح نہیں اور نہ ہی کسی بے عقل حیوان کی طرح ہے کہ جس میں صرف حواس خمسہ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام جہانوں میں نسان ہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اعظم ہے بلکہ دنیا پیدا ہی اسی کے لیے کی گئی ہے تاکہ اس سے انسان فائدہ اٹھائے اور نسل انسانی کے شرف کی وجہ اس کا عقل ہے جو ہر بھلائی کی بنیاد ہے۔

انسان کو مہربانی رحم، معافی کے خوبصورت احساس سے مزین کیا گیا ہے اسے علم کی دولت سے نوازا گیا جس کی بناء پر یہ ہواؤں میں اڑتا ہے اور زمین کا سینہ چیر کر معدنیات نکالتا ہے اس کے چشموں اور نباتات سے استفادہ کرتا ہے۔

انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ عقل سلیم سے عاری ہوگی اور وہ ایک حیوان کی طرح زندگی بسر کرے جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ جب کہ اس کے لیے نہ زائل ہونے والی نعمتیں ہیں اور عالم وجود میں اتنی وسعت ہے وہ اس سے تاحیات استفادہ کرتا رہے جب کہ کائنات کی یہ ساری نعمتیں اس کی خدمت کے لیے سرنگوں ہیں۔

اگراس کے لیے کوئی جزاء سزا مقرر نہ ہو کہ یہ قتل کرے خون بہائے چوری کرے عزتیں لوٹے انسانوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح ایذا دے اس کو پوچھنے والا کوئی نہ ہو ان تمام باتوں کو عقل قبول نہیں کرتی پس انسان ابدی رسالت و نبوت کا محتاج ہے اور وہ صرف اسلامی رسالت ہے جو عقل کے لیے خیر و شر کے راستے کو واضح کرتی ہے اس کے لیے اچھے برے اعمال کی جزاء و سزا مقرر کرتی ہے۔ اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اس کے خالق کی نگاہوں سے کائنات کا کوئی ذرہ بھی چھپا ہوا نہیں ہے انسان اس دنیا میں اپنا وقت گزارنے کے بعد جب دار آخرت کو روانہ ہوتا ہے تو اپنے اعمال کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ[1]

"کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے"۔

چوتھی دلیل

اعتراف:۔ بہت سے عقلاء اور نامور علماء جو تقلید اور معاشرتی قیود سے آزاد ہیں ان سب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس جہاں کے بعد ایک اور وسیع تر روحانی کائنات بھی موجود ہے اس کے لیے وہ ایک مثال بطور ثبوت دیتے ہیں مثلاً جب ایک دیہاتی کسان کو خاص انداز میں سلا[1] دیا جائے سونے کی حالت میں اس سے علم ہندسہ اور الجبراء کے مشکل سوالات پوچھے جائیں تو اس کے جوابات سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ انسان کا تعلق عالم روحانیات سے ہے خواہ وہ تعلق اچھا ہو یا برا۔ یعنی انسان اپنے اچھے افعال و نظریات کی بنیاد پر اعلیٰ ترین روحانی

---

[1] سورۃ الملک .... آلایۃ (۲۲) [1] یہ اشارہ ہے ہپنا ٹزمی نیند کی طرف اس میں وہ ایک انسان کو عمل کے ذریعے سلا دیتے ہیں پھر اس مختلف سوالات پوچھتے ہیں اور وہ آدمی سوتے ہوئے ان کے ٹھیک جوابات دیتا ہے۔ عجب بات یہ ہے کہ سونے والا خواہ بچہ ہو یا جاہل، جاگنے کی صورت میں وہ جواب نہیں دے سکتا۔

کائنات سے مربوط ہو جاتا ہے۔اور اس کے برعکس انسان کا تعلق گھٹیا ترین عالم ارواح سے بھی جڑ جاتا ہے جو انسان اول الذکر سے متاثر ہوا اس نے نفع اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع دیا اس نے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی فائدہ دیا خود راہنمائی حاصل کی اور دوسروں کی راہنمائی کی اور ایسا آدمی ہی عقائد صالحہ اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے مستفید ہو سکتا ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے نتائج واضح ہیں اس جگہ پہنچ کر بعض انکار خدا کرنے والے مادہ پرست اس بات کا اعتراف کر لیتے ہیں کہ اس کائنات کے علاوہ ایک اور بھی مقدس دنیا ہے پس وہ اپنے سابقہ نظریات سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں پس ہم نابغہ روزگار علماء کے اعتراف حق کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فہم و فراست جن اہم ترین امور تک بہت مشکل سے پہنچیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے لوگوں تک یہ باتیں چند ساعتوں میں پہنچا دیں کہ اس کائنات کے علاوہ بھی ایک روحانی دنیا ہے اس میں عالم ارواح، عالم ملائکہ اور اس بادشاہ کی ساری کائنات یہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔جس نے انسان کے لیے فطرت کے قوانین اور مادی راز مسخر کر دیے ہیں اللہ وہ پاک ذات ہے جو تمام کائنات کا نگہبان ہے وہی اسے چلا رہا ہے اور اس کو ختم کرنا بھی اس کی قدرت میں ہے۔

اسی طرح اس نے اپنے بعض رسولوں کو بھی یہ مقدس قوت دی ہے مثلاً آگ میں جلانے کی تاثیر کا نہ رہنا، دریا کا رستہ دے دینا چند ساعتوں میں تمام افلاک کی سیر ہو جانا بے جان چیز میں پھونک ماریں تو اس چیز کا حرکت کرنے لگنا برص کے مریض کی طرف وہ توجہ فرمائیں تو اس کا فوراً ٹھیک ہو جانا اگر وہ مردہ پر توجہ فرمائیں تو اس کی روح اس طرف واپس آ جانا اور وہ دوبارہ زندہ ہو جانا وہ اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں غیب کی سب کنجیاں ہیں۔اور انبیاء و رسل اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔

اعلیٰ ترین ارواح ملائکہ کی ہیں جنکے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ نیک و

صالح عقائد و اعمال والی مخلوق ہے اور شیاطین کی ارواح خبیث ترین ارواح ہیں۔ اور نفس امارہ کی پیروی کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ذی شان ہے۔

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا''۔[1]

''یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کا خلاصہ یوں ارشاد فرمایا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔[2]

''اور جو ڈرتا رہا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا ہو گا (ہر بری) خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گا''۔

لیکن ان علماء نے جس چیز کا ادراک کافی جدوجہد کے بعد حاصل کیا اس کے فوائد ان کی ذات تک محدود رہے یا پھر وہ لوگ جنہوں نے معلومات کو ماننے میں ان کا ساتھ دیا وہ بھی فائدے میں رہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس تو صدق و صفا اور اللہ کا دیا ہوا نور ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا رسول اس مقدس نور کو لوگوں کے دلوں پر ڈالتا ہے تو ان کے دل بھی انوار الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں مگر جن کے دل بغض و عناد کے پردوں میں چھپے ہوں وہ دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

پانچویں دلیل

دلیل معرفت:۔ تمام اہل علم و عرفان جانتے ہیں کہ انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ عقل اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ کوئی آدمی ایک مضبوط، عالی شان وسیع و عریض مکان بنائے اس میں رنگا رنگ روشنیوں کا اہتمام کرے خوبصورت مینا کاری بھی

---

[1] سورۃ الشمس.........آلایۃ (۹-۱۰) [2] سورہ النازعات.....آلایۃ (۴۰)

مکان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی ہو۔ لیکن مالک مکان کے دل میں یہ بات ہو کہ اس مکان میں وہ کسی عالم فاضل کسی دوست رشتہ دار کو دعوت نہیں دے گا بلکہ اس میں بے وقوف اور بے عقل لوگوں کو اکٹھا کریگا۔ یہ سوچ ناممکن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اس دنیا کو پیدا فرمایا اس کو ستاروں نہروں، باغات اور پھلوں سے مزین کیا یہ تمام اشیاء حیوانوں کے لیے نہیں ہیں بلکہ اس مخلوق کی خدمت کے لیے ہیں جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہ انسان ہے اب عقل وشعور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ ترین مخلوق سے عمدہ افعال کا مطالبہ کرے اور وہ افعال اللہ رب العزت کی اطاعت۔ اس کے لیے تسبیح وتحمید ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے بارے یں معرفت صحیحہ حاصل نہ ہو اس وقت مذکورہ افعال کا سرانجام دینا مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حقیقی معرفت سوائے اللہ کے رسول کے کوئی نہیں دے سکتا۔

محبت رسول ﷺ

سیدنا حضرت محمد ﷺ کی محبت اسلام کے سیدھے راستوں میں سے ایک رستہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ" اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ" تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۔[1]

"اے حبیب آپ فرمایئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے"۔

اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ یہاں ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو اپنے رشتہ داروں یا متعلقہ لوگوں کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی محبت پر ترجیح دیتے ہیں ۔اس آیت طیبہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کی محبت کو تمام اشیاء پر مقدم کرنا واجب ہے اسی طرح آقا دو جہاں ﷺ کا فرمان ذی شان ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔[2]

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت مومن کامل نہیں ہوسکتا جب میں اسے اس کے بچے، والد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں"۔اسی طرح ایک صحابیؓ قیامت سے متعلق سوال پوچھتا ہے اس سے حضور علیہ السلام نے پوچھا تم نے اس کے لیے تیاری کتنی کی ہے عرض کی۔

---

[1] سورہ التوبہ............آلایۃ (۲۴)

[2] البخاری شرح القسطلانی......(۱۔۹۶)

اِنِّی اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ .

''میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں''۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ .[۳]

''تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم نے محبت کی ہوگی''۔

محبت قلبی رجحان اور محبوب کی طرف منسوب تمام اشیاء سے پیار کا نام ہے جن اشیاء سے محبوب پیار کرے ان تمام اشیاء سے محبّ بھی پیار کرے گا۔

محبت رسول ﷺ کے مختلف انداز

حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر آپکا ذکر اور آپ پر صلوۃ و سلام یہ سب آپ کی محبت کی نشانیاں ہیں۔ آپ علیہ السلام کا ذکر مبارک، وفات کے بعد زیارت قبر انور، آپ کے احکام کی پیروی اور نواہی سے اجتناب آپ کے خلق عظیم کی اتباع اور کتاب و سنت سے محبت سعادت دارین کی بنیاد ہے۔

اور اسی طرح آپ کے اہل بیت، صحابہ کرام اور تابعین کی محبت بھی حقیقت میں حضور علیہ السلام سے ہی محبت ہے۔

قراء، حفاظ، محدثین، دین کے ائمہ مجتہدین، علماء ربانی صدیقین اور شہداء صالحین امت ان سب سے محبت بھی آپ کی محبت کا حصہ ہے۔

کتاب و سنت سے اسی بات کی راہنمائی ملتی ہے اور کثیر امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ علیہ السلام کی تعظیم و توقیر اور دل و جان سے عزت لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس بات پر دلیل ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِتُؤمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّ

[۳] البخاری قسطلانی..............(۲۔۱۰۳)

رُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ۔ ۴

''بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تاکہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو''۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ ۵

''نہ بنا لو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو مجتہدین نے اس سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے آپ علیہ السلام کا ادب لازم ہے اور آپ کا نام لے کر پکارنا اس سے منع فرمایا گیا ہے ایسا کیوں نہ ہو قرآن کریم میں جب بھی آپ کو خطاب فرمایا گیا تو الفاظ یہ ہوتے تھے۔

يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ — اے نبی مکرم۔ ۶

يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ — اے چادر لپیٹنے والے۔ ۷

يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ — اے چادر لپیٹنے والے۔ ۸

اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ۔ ۹

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ انکے قریب ہیں اور آپ بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔

آپ علیہ السلام احکام الٰہیہ کے پہلے مبلغ اعظم ہیں آپ کی ذات کے صدقے

۴۔ سورہ الفتح ...... آلایۃ (۸۔۹)   ۵ سورۃ النور ...... آلایۃ (۶۳)   ۶ سورہ التحریم ...... (آلایۃ ۱)

۷ سورۃ المزمل ...... آلایۃ (۱)   ۸ سورہ المدثر ...... (آلایۃ ۱)   ۹ سورہ الاحزاب (۶)

انسانیت پر خوش بختی کا دروازہ کھلا ہے آپ علیہ السلام کی پیروی کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ .١٠

"بے شک تمہاری راہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے یہ نمونہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتے ہے"۔

اور کبھی یوں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.١١

"فرمایا دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

ایک جگہ یوں فرمایا۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ.١٢

"جو کچھ تمہیں اللہ کا رسول عطا فرمائے لے لو اور جس سے روک دیں رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

آپ علیہ السلام کی محبت میں دین پر استقامت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یوں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا

١٠۔ سورہ الاحزاب......آلایۃ (٦)　　١١۔ سورہ آل عمران......آلایۃ (٣١)

١٢۔ سورہ الحشر آلایۃ (٧)

تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَابْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. [۱۳]

''بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے اور انہیں کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے''۔

حضور علیہ السلام کو یوں حکم فرمایا:۔

وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ. [۱۴]

''اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے''۔

اس حکم کے ساتھ آپ کی اتباع واجب فرمائی۔

''بے شک تمہاری راہنمائی کے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا عظیم مظاہرہ

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کی نسبت اپنی طرف کی اس کے علاوہ بھی بہت دلائل ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی شہادت کے ساتھ ساتھ آپ کی رسالت کی شہادت کو بیان فرمایا۔ اور کلمہ شہادت کو ارکان اسلام میں سے بنا دیا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَسُوْلُ اللّٰهِ.

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اسی طرح تشہد میں اپنے نام سے حبیب علیہ السلام کا نام ملا دیا۔

اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. [۱۵]

---

[۱۳] سورہ فصلت .... آلایۃ (۳۰) [۱۴] سورہ الشوریٰ ...... آلایہ (۱۵) [۱۵] یہ روایت حضرت ابن عباس کی ہے جسے مسلم میں کہا گیا۔ ا۔۱۷۳ ترمذی ج ا۔ ۱۳۸ ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

''تمام مبارک قولی عبادتیں تمام پاک بدنی عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی رحمت اور برکت ہو''۔

آذان اور اقامت میں دونوں نام ذکر ہوتے ہیں اور وہ آیات طیبات جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے وہاں حضور علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ . [16]

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (شانوں والے) رسول کی''۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ . [17]

''اور جس نے اطاعت کی اللہ اور رسول کی''۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ آپ علیہ السلام کا نام گرامی بھی مذکور ہے اور یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام کی عزت وتوقیر بجالانا آپ کا حق ہے اور آپ کا ذکر خلوت وجلوت میں جتنا زیادہ ہو سکے کرنا ضروری ہے آپ علیہ السلام عظمت کے اس مقام رفیع پر فائز ہیں کہ اللہ کا ذکر اور آپ علیہ السلام کا ذکر دونوں لازم ہیں۔

نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے لیے یہ آیت مبارکہ بہت بڑی دلیل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا . [18]

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی (نبی مکرم) پر درود وسلام بھیجا کرو''۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ علیہ السلام پر درود شریف لازم ہے اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں حکم کو استحباب پر محمول کیا جائے گا اور

---

[16] سورہ النساء ...... آلایۃ (۵۹)   [17] سورہ الاحزاب ...... آلایۃ (۷۱)

[18] سورہ الاحزاب ...... آلایۃ (۶۵)

اس بات میں وہ اجماع کے مدعی ہیں۔

بعض علماء نے اسے فرض قرار دیا ہے کہ ہر مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے اور بعض نے درود شریف کو آخری تشہد کے بعد واجب قرار دیا ہے اس بات کو ارشاد فرمانے والے امام الشافعی اور امام احمدؒ ہیں۔ دونوں امام فرماتے ہیں کہ آخری تشہد کے بعد درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

اس کی دلیل وہ حدیث طیبہ ہے جو حضرت عمر بن خطاب اور آپ کے بیٹے عبداللہؓ سے مروی ہے اور یہ امام الشعبیؒ کا قول ہے انھوں نے اسے امام البیہقیؒ سے روایت کیا ہے جیسا کہ امام نوریؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے۔ [19]

اس جگہ ہمارے اصحب نے ابو مسعود البدریؓ کی مذکر حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھا کریں آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم یہ کہو اللھم صل علی محمد آخر تک۔ یہ حضرات فرماتے ہیں حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے اس روایت کے ساتھ جب تک دوسری حدیث نہ ملائی جائے بات پوری نہیں ہوتی۔

كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَوَاتِنَا؟

''ہم نماز کی حالت میں آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں''۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یوں کہو۔

اللهم صل على محمد وعلىٰ آل محمد. [20]

---

[19] اسے ابن خزیمہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور اسے امام مسلم کی شرائط پر درست قرار دیا۔ (۱۔۲۶۸) اس کو الدارقطنی نے اپنی سنن روایت کیا دیکھیے نصب الرایہ (۱۔۴۶۲) [20] اس حدیث کو ابن خزیم نے روایت کیا اور ترمذی میں اسے روایت کیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا بحوالہ الفالحین (۷۔۲۱۹۔۲۲۰)

اس حدیث مبارکہ میں الفاظ کا اضافہ درست ہے اور اسے دو جلیل القدر ہستیوں نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

۱۔ الامام الحافظ ابو حاتم بن حبان البستی۔

۲۔ الامام الحافظ الحاکم ابو عبداللہ۔

الحاکم نے ارشاد فرمایا یہ اضافہ درست ہے ابو حاتم اور ابو عبداللہ نے حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی حدیث سے استفادہ کیا'' آپ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے نماز پڑھی لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہیں کی اور نہ ہی اس کی بزرگی کو بیان کیا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

عَجَلَ هٰذَا ثُم دَعَاهُ النَّبِی ﷺ فَقَالَ اِذَا صَلَّی اَحُدُ کُمْ فَلْیَبْدأ بِحَمْدِ رَبِّهٖ وَالثَنَاءَ عَلَیْهِ وَلْیُصِلِ عَلٰی النَّبِی ﷺ والیَدْعَ مَاشَاءَ.[۱]

آپ نے ارشاد فرمایا اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز بھی پڑھنے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے پھر نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے اس کے بعد جو چاہے رب تعالیٰ سے مانگے''۔

امام الحاکم نے فرمایا یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے ہر حال میں حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنا لازم ہے اور پسندیدہ بھی ہے بہت سی احادیث درود شریف پڑھنے والے کے لیے اجر و ثواب کا مژدہ جانفزا لیے ہوئے ہیں۔

درود شریف والی آیت مبارکہ میں اگر ہم غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ حرف تاکید کو جملہ اسمیہ پر داخل کیا گیا ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے تو یہاں دو جملے ہو گئے اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

اور فعلیہ تجدید و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے پھر اس کے بعد تمام مومنین کو ایسا

---

[۱] راجع شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۳-۴۰-۴۱)

کرنے کے لیے حکم دیا جارہا ہے۔

صلاۃ وسلام کا بھی حکم دیا مصدر کو استعمال کر کے جملہ میں تاکید پیدا کر دی۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اور دوسری آیات مبارکہ واحادیث طیبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم، توقیر اور آپ پر درود شریف پڑھنا لازم ہے مصنف فرماتے ہیں کہ میں اسی بات کا قائل ہوں لیکن یہ امر غیر محدود اور وقت کی قید سے آزاد ہے۔

آپ علیہ السلام پر درود شریف اتنا پڑھا جائے کہ اسلام کی معزز نشانیوں میں سے ایک نشانی بن جائے ہمارے نزدیک درود شریف عظیم عبادات میں لازم ہے مثلاً نماز، نماز جمعہ وعیدین کے خطبے اہم ترین امور میں جب دعا کی جائے دینی کتب کے آغاز میں مجلس سماع میں اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو درود شریف لازم ہے جس طرح باقی احکامات شرعیہ کو حسب استطاعت کرنا لازم ہے اور وہ زمان و مکان اور کسی مناسبت سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں درود شریف کی بھی یہی حیثیت ہے۔

درود شریف پڑھنے کے مختلف انداز

حضور علیہ السلام پر درود وسلام پڑھنے کے لیے مختلف صیغے احادیث طیبہ میں وارد ہوئے ہیں اور محدثین نے وہ تمام احادیث بیان کی ہیں جن میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے انداز بیان کیے گئے ہیں چنانچہ ابو حمید الساعدیؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔

یَارَسُولَ اللّٰہ کَیْفَ نُصَلِّی عَلَیْکَ.

ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھا کریں۔

آپ نے ارشاد فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ

اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمدٍ وَازوجِہٖ وَذُرِّیَتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ. ۲۲؎

مالک، حضرت ابومسعود البدری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰهُمَ صَلِ عَلٰی مُحمدٍ وعَلٰی آلہٖ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ

وَبَارِکْ عَلٰی مُحمدٍ وَعَلٰی آلِ مُحمدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِی

العَالَمِيْنَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

اس کے بعد آپ نے فرمایا سلام کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو ۲۳؎۔ یعنی یہ جملہ جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا اس کے مشابہ دوسرے سلام کے الفاظ وغیرہ۔

کعب بن عجرہ کی روایت یوں ہے۔

اَللّٰهُمَ صَلِ عَلٰی مُحمدٍ وَآلِ مُحمدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحمدٍ وَ آلِ مُحمدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی

اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ. ۲۴؎

حضرت عصبہ بن عمروؓ کی حدیث یوں ہے۔

اَللّٰهُمَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَبِیِّ الاُمِیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ.

حضرت ابوسعید الحدری کی روایت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ.

حضرت زید بن علی بن الحسین اپنے باپ علی سے اور وہ اپنے باپ حسین سے اور وہ اپنے باپ علی بن ابی طالب سے یوں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میں نے حضور

۲۳؎ بخاری شریف مسلم شریف سنن النسائی، ابن بحوالہ، دلیل الفالحین (۷۔۲۲۴) مشکوۃ المصابیح (۱۔۲۴۰)

۲۴؎ متفق علیہ

علیہ السلام سے یوں سیکھا اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جبرائیل سے یوں سیکھا اور درود شریف کے کلمات اللہ رب العزت کی طرف سے یوں نازل ہوئے۔

اَللّٰھُمَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد" . اَللّٰھُمَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد". اَللّٰھُمَ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد" . اَللّٰھُمَ وَ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد" . اَللّٰھُمَ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد" . ۲۵

حضرت ابو ہریرہؓ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

"جس کو یہ بات بھی معلوم ہو کہ اسے بھرپور ثواب ملے تو جب وہ ہمارے اہل بیت پر درود شریف پڑھے تو یوں کہے"۔

اَللّٰھُمَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْد" مَجِیْد". ۲۶

حضرت زید بن خارجہ الانصاریؓ نے حضور علیہ السلام سے سوال پوچھا کہ ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا "نماز پڑھو اور خشوع وخضوع سے دعا مانگو پھر یوں کہو۔

اَللّٰھُمَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی

---

۲۵ سنن النسائی (۳۔۴۹) ۲۶ ابوداود (۱۔۲۲۵) مشکوۃ (۱۔۲۹۴) المصابیح

اِبرَاهِیمَ اِنَّکَ حَمِید" مَجِید".

حضرت سلامہ الکندی فرماتے ہیں حضرت علیؓ ہم کو حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنا یوں سکھایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَ دَاحِیُ الْمَدْحُواتِ وَبَارِی المسوکات اِجْعَل شرائف صَلواتِکَ ونواحی برکاتِک ورأفَةَ تَحُنُنُکَ عَلٰی محمدٍ عَبدِکَ ورَسُولِکَ الفَاتِح لِمَا اُغْلِقَ والخَاتِم لِمَا سَبَقَ و المُعْلِنُ الحقَ بِالحَقِ والدَامِغ لِجَیشَات الاَ بَاطِیل کما حَمَل فاضطَلَعَ بِامرِکَ لِطاعتِکَ مستوفِزاً فِی مَرضَاتِکَ وَاعِیًا لِوحْیکَ حَافِظًا لِعهدکَ ماضیًا علی نفاذ اَمرِکَ حَتی اَوری قبسًا لِقابس آلاءِ اللّٰه تِصل بأهله اَسبَابه بِه هدیت القلوب بعد خوصات الفتن و الاثم و ابهج مَوضِحَاتِ الاَ علام ونَائِرات الاَ حکام و مُنیِرات الا سلام فَهُوَ امینک المأمون وخاذِنُ عِلْمکَ اَلمُخزُون وشهیدکَ یَوم الدینِ وبَعُیثِکَ نِعْمَةً ورَسُولکَ بِالْحقِ رَحمةٍ اَللّٰهم افُسح لَه فِی عَدنک والجزه مضاعفات الخیر من فضلک مهنات له غیر مُکَدِراتِ مِن فَوزِ ثوَابِکَ المحلولِ وجَزِیلِ عَطائِکَ المعلول اللهم اُعلِ عَلٰی بنا الناسِ بناء ه واکرم مثواه لَدیکَ ونَزله واَتمِمْ لَه نُورَه واجزه من ابتعاثک له مَقبول الشهادة ومَرضَی المقالةِ ذَا مَنْطَق عَدل ذا مَنطقٍ عَدْلٍ وخَطه فضلٍ وبُرهانٍ عظیمٍ.

اور حضرت علیؓ سے ہی ایک اور درود شریف مروی ہے

اِنّ اللّٰه ومَلائکته یُصلونَ عَلٰی النبي لَبیّکَ اللّٰهُمَ وسَعُدَیک صَلواتِ اللّٰهِ البَر الرحیم والملائکة اَلْمُقَرِبین والنبینَ والصِدّیقِینَ والشُهَداءِ والصَالِحِیْنَ ومَا سَبَّحَ لَکَ مِنْ شیءٍ یَا رَبَّ العَالَمِینَ عَلٰی مُحمدّ بنِ عبداللّٰهِ خاتَم

النَبِیِّنَ وَسَیِدِ الْمُرسَلِینَ وَاَمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُولِ رَبِّ اَلْعَالَمِیْنَ الشَاهِدِ البَشِیْرِ الدَاعِی اِلَیْکَ بِاذنِکَ السَراجَ المُنِیرِوَ عَلَیہِ اَلسَّلاَمْ.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ درود شریف مروی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰواتِکَ وبَرکَاتِکَ ورَحمتِکَ عَلٰی سیدِ المُرسلین وامَامِ المُتَّقِیْنَ وَخاتَمِ النَبِیّنَ مُحمدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ امَامِ الْخَیرِ وَرَسُولِ الرَحْمَةِ اللّٰھم ابعثه مَقَامًا محمودًا یَغبِطُه فِیه الا ولُونَ وآلاخِرون اللّٰھمَ صَلِ عَلٰی محمدٍوعَلٰی آلِ محمدٍ کَمَا صَلیتَ عَلٰی اِبْراهِیمَ اِنَّکَ حَمِید" مَجید" وبارِک عَلٰی محمدٍ وَعَلٰی آلِ محمدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْراهِیمَ وَعَلٰی آلِ ابراهیم اِنَّکَ حَمِید" مُجِیْد".

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ وہ حوض کوثر کے پہلے والے جام نوش کرنے تو اسے چاہیے یوں کہے۔

اللّٰھمَ صَلِ عَلٰی مُحمدٍ وعَلٰی آلہٖ واَصْحابه واولادہٖ واَزْواجِہٖ وذُرِیّتِہٖ واَھلِ بَیْتِہٖ واَصھارہٖ وانصَارہٖ واَشْیَاعِه و مُحبیہٖ واُمتِہٖ وعلینا مَعَھُم اَجْمَعِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرحِمِیْنَ.

حضرت طاؤس، عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ یوں کہا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ تَقبَلْ شَفَاعَة مُحمدٍ اَلْکُبریٰ وارْفِعْ دَرَجَته' العُلیَاء وآتِہٖ سُولَہٗ فِی آلاَ خِرةَ والاُوْلٰی کَمَا آتیتَ اِبْرَاهِیْمَ و مُوسٰی .

حضرت وہیب بن الوردؒ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِعْطِ مُحمدً ا اَفْضَلَ مَا سَالَکَ لِنَفْسِہٖ وَاعْطِ مُحمدٍ ا اَفْضَلَ مَا سَالَکَ لَه' اَحَد" مِنْ خَلقِک وَاعْطِ مُحمدً ا اَفْضَلُ مَااَنْتَ مَسْوول" لَه' اِلٰی یَوْمِ القِیَامَةِ .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یوں کہا کرتے تھے کہ جب تم لوگ حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھا کرتے ہو تو اس کو اچھے طریقے سے پڑھو۔ خوبصورت انداز اختیار کرو تم نہیں جانتے کہ وہ درود شریف آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اور اس طرح پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا یَغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ۔

اس روایت سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ درود شریف کے لیے مختلف الفاظ ہیں ان الفاظ کو محدود اور مقید کرنا درست نہیں ہے۔ ہر درود شریف کا ایک جداگانہ انداز ہے لیکن مقصد و مدعا صرف ایک ہے کہ حضور علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت عظمت اور مقام رفیع کا سوال کیا جائے لیکن اگر ایک ہی درود شریف کو بطور وظیفہ پڑھا جائے تو یہ پسندیدہ ہے مذکورہ بالا مختلف روایات مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ درود شریف کو مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے مذکورہ روایات کے راوی سیدنا حضرت علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود سیدنا ابن عباس وغیرہ ہیں۔

جب ایک مسلمان کسی بھی صیغہ کے ساتھ آقاء دوجہاں پر درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا یہ عمل قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے درود شریف کے مختلف الفاظ سے انکار کی کوئی وجہ نہیں بشرطیکہ ان الفاظ سے آپ کی عزت و عظمت مقصود و مطلوب ہو۔

اذان کے بعد درود پاک کا پڑھنا

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنے کا حکم

فرمایا اور اس حکم میں کسی زمان ومکان کی قید نہیں لگائی۔ بندہ مومن کو جب کوئی شرعی روکاٹ نہ ہو تو وہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت درود پاک پڑھ سکتا ہے ایسا کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے۔

بعض لوگ اذان کے کے بعد [27] یا فرض نماز کی ادائیگی کے بعد مل کر درود پاک پڑھنے کو درست قرار نہیں دیتے لیکن چونکہ مذکورہ امور کا حکم مطلق ہے اور ان امور کا سر انجام نیکی ہے کوئی بھی آدمی اس بات کا قائل نہیں کہ یہاں پر کوئی شرعی روکاٹ ہے اور نہ ہی کوئی دلیل قطعی یا ظنی مانع ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھی اور بدعت گمراہی ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے سب سے پہلے ہم بدعت کا معنی ومفہوم سمجھیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں۔

اَلْبِدْعَة عِبَادَة" عَنِ الاَمْرِ الحَادِثِ الَّذِيْ لَمْ يَكُنْ قَبْلُ.

"بدعت سے مراد ایسا نیا کام جو اس قبل نہ کیا گیا ہو۔

شرعی طور ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہ ہو بعد میں کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔

ظاہری طور پر اگر بدعت کے اس مفہوم کو لیا جائے تو اس صورت میں بہت سے واجبات اور مستحبات بدعت قرار پائیں گے جو حضور علیہ السلام کے دور میں نہ تھے اور بعد میں وقوع پذیر ہوئے۔ اور انھیں امت اسلامیہ اور ائمہ کرام نے پروان چڑھایا اس نقطہ نظر کے تحت کہ یہ اسلام کے عمومی قواعد میں چیز داخل ہے اس کے بغیر اسلام کی بقاء محال

---

[27] ابن حجر نے اپنے فتاوی میں اسبات کی تصریح کی ہے کہ موذن حضور علیہ السلام پر ان الفاظ سے درود پاک پڑھتے ہیں۔ الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ۔ یہ درود پانچ وقتی نماز کے لیے دی جانے والے آذان کے بعد پڑھتے ہیں مگر صبح اور جمعہ کی آذان سے پہلے پڑھتے اور مغرب کی آذان کے بعد نہیں پڑھتے ہر وقت کی تنگی کے باعث شائد ایسا ہو۔ اس کا آغاز سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب ایک فاطمی حاکم مارا گیا تو اس کی بہن نے موذنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے بیٹے کے لیے یوں اعلان کریں السلام علی الامام الطاہر اس کے بعد یہ کام جاری رہا۔ مگر جب سلطان صلاح الدین کا دور آیا تو انھوں نے یہ سلسلہ روکے یہ حکم دیا کہ یوں کہو الصلاۃ والسلام علی روسل اللہ ﷺ اللہ تعالی اسے جزائے خیر عطا فرمائے کتنا اچھا سلسلہ شروع کیا۔ ہمارے مشائخ نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے کہ اس کی اصل سنت اور کیفیت بدعت ہے فتاوی الشیخ ابن حجر۔ (1-131)

ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جو حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات طیبہ کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً

☆ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں قرآن پاک کو جمع کیا گیا اور اور اسے کتابی شکل دی گئی۔

☆ حضرت عثمانؓ کے دور میں اسے دوبارہ جمع کیا گیا اور باقی چھ یا سات نسخوں کو منسوخ کیا گیا

☆ حضرت عمرؓ کے دور میں مفلس مجاہدین اور نادار لوگوں کی فہرستیں مرتب کی گئی۔ عدالتیں الگ تعمیر کی گئیں۔

☆ عبدالملک بن مروان کے عہد میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

☆ احادیث مبارکہ کو مدون کیا گیا اور ان کی ابواب بندی کی گئی۔

☆ فقہ کو مدون کیا گیا اور اسے مختلف ابواب بندی کی گئی۔

☆ قرات السبع کو مدون کیا گیا۔

☆ عربی کی زبان گرائمر (صرف ونحو) کو ترتیب دیا گیا۔

☆ اسی طرح باقی علوم اسلامیہ مثلاً اصول فقہ بلاغت وغیرہ کو مدون کیا گیا۔

مذکورہ بالا تمام امور کا ذکر عہد حضور علیہ السلام میں نہیں کیا گیا نہ ایسے امور کو سر انجام دیا گیا لیکن یہ ساری چیزیں عمومی اصول میں شامل ہیں۔

لیکن ان تمام امور نے اسلام اور دین کو نفع پہنچایا ان کی پیروی کرنا واجب ہے پس ان امورر میں سے بعض فرض عین ہیں بعض فرض کفایہ ہیں پیروی کرنے والے پر یہ سارے معاملات واضح ہیں۔

جشن میلاد النبی ﷺ

﴿اظہار محبت کا ایک انداز﴾

جب مسلمانوں نے حضور ﷺ کی عظمت رفعت اور شان کو ملاحظہ کیا تو انھوں نے ربیع الاول میں ہر سال آپ کا میلاد منانا شروع کر دیا۔ رجب میں آپ کے معراج کے حوالے سے پروگرام کا اہتمام کرنے لگے اس بات کو انھوں نے اچھا سمجھا کہ شہروں میں

موذن حضرات آذان کے بعد حضور علیہ السلام پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں اور دیہاتوں میں نمازیوں کے ساتھ مل کر چھتوں پر درود شریف پڑھا جائے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے۔

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَاَصِيلاً. ۲۸

تاکہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام۔

اللہ جل شانہ کا یہ فرمان کہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. ۲۹

''اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لیے بلند کردیا''۔

آپ کی سیرت طیبہ کا چرچا اور اخلاق کریمانہ کا ذکر یوں ہوتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ. ۳۰

''اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں''۔

آپ علیہ السلام کی برکتوں کے اظہار کے لیے اور آپ کی ذات کے انوار اور مقدس روحانی فیوض کے بیان کے لیے یوں ارشاد ہوا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ. ۳۱

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''۔

جس نے ان امور کو گمراہی تصور کیا وہ غلطی پر ہے اور سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے اس نے حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ اور آپ کی تاریخ میں غور وفکر نہیں کیا آپ

---

۲۸ سورۃ الفتح .... آلایۃ (۹) ۲۹ سورہ الانشرح .... آلایۃ (۴)

۳۰ سورہ القلم .... آلایۃ (۴) ۳۱ سورہ القلم .... آلایۃ (۱۰۷)

علیہ السلام نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو حکم فرمایا کہ وہ مشرکوں کی ہجو بیان کریں اور ان کے وہ اشعار جو اسلام کے خلاف ہیں ان کے جواب دیں۳۲ جب آقا علیہ السلام نے کعب بن زہیر کا یہ شعر سنا تو وجد میں آکر جھوم گئے۔

اِنَّ النَّبِی لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ.

مُھَنَّد" مِن سُیُوفِ اللّٰہِ مَسْلُولُ.

"بے شک حضور علیہ السلام ایسی تلوار ہیں کہ ہندی تلوار بھی آپ سے چمک پائے آپ اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی تلواروں میں سے ایک ہیں"۔

اس وقت آپ نے کعب کو اپنی چادر مبارک عطا فرمائی یہ انعام اسے خوبصورت اشعار کہنے کی وجہ سے ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ جلیل القدر آئمہ کرام نے آج تک جس بات پر اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی عالم اسلام یا مسلمانوں میں کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اس کے حل پر اہم ترین مسلمانوں کا اجماع ہو جائے یا کسی امام، عالم اور مجتہد فی الدین نے کسی مسئلے پر اجتہاد کیا یا وہ مسئلہ کتاب وسنت میں ظاہراً واضح ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس پر عمل لازم ہے اگر چہ کوئی اور مفہوم بھی اس بات کا بنتا ہو لیکن ظاہری حکم کو ہی مانا جائے گا۔

اگر وہ معاملہ اس طرح کا ہے کہ اس سے دین کی خدمت کی جا سکتی ہے تو وہ فرض یا واجب ہوگا یا پھر دین کی خدمت تو کی جا سکتی ہے لیکن وہ معاملہ لازم نہ ہو تو وہ مستحب یا مندوب ہوگا اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر واضح طور کسی کام سے روکا گیا ہو گا یا عمومی اصول کے تحت منع کیا گیا ہوگا تو اسے حرام یا مکروہ کا نام دیں گے۔

اسی مناسبت سے یہ حدیث پاک بیان کی جاتی ہے کہ۔

---

۳۱ سورہ القلم..........آلایۃ (۱۰۷) ۳۲ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا، اے حسان تم مشرکین کے مذمت اشعار میں کرو۔ جبرائیل تمہارے ساتھ ہے (القسطلانی ۵۔۲۶۹)

اِيَّاكُمْ و مُحَدِّثَاتِ الاُمورِ فَاِنَّ كُل مُحدثة" بِدعة. ۳۳؎

''نئی نئی باتوں سے بچو ہر نئی بات بدعت ہے''۔

اسی طرح یہ حدیث پاک کہ۔

مَنْ اَحدثَ فِیْ اَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَرَد". ۳۴؎

''جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات کی بنیاد رکھی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

اگر کسی کام کا حکم نہ ہو اور نہ ہی اس سے روکا گیا ہو تو وہ مباح ہے ہر وہ چیز لازم ہے جس سے اسلام کی عزت میں اضافہ ہو اس کے علاوہ یہ امور بھی لازم ہیں مثلاً اسلامی ممالک کی حفاظت اور ان کی آبادکاری مسلمان شہریوں کو علوم وفن کے زیور سے آراستہ کرنا جنگی مشقیں کھیلوں کے معاملات فنون کو سیکھنا غیر ملکی زبانوں کی تعلیم تواریخ اقوام کی تعلیم اور ان کے عروج وزوال کے اسباب بتانا۔

اسی طرح ہر وہ کام لازم ہے جس سے اسلام کے پھیلانے میں مدد لی جاسکتی ہو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی عزت میں اضافہ ہوتا ہو اسلامی روح اور اسلام کی محبت نوجوانان اسلام کے دل میں پیدا کرنے کا سبب ہو اور بھلائی کے وہ کام جو ختم ہو جائیں ان کو مسلمانوں کے اندر دوبارہ زندہ کرنا یہ سب امور لازم ہے۔

اس کے علاوہ جتنے معاملات ہیں وہ مستحب میں شمار ہوتے ہیں۔

پس اسلام میں دین بھی ہے اور دولت بھی عقل وعلم اعتقاد وعمل عمدہ اخلاق اور عدل، بہادری صبر، استقامت، یگانگت، اتحاد، مضبوطی، اور وہ قابل قبول سختی کہ جس سے ہر وقت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یہ چیزیں اسلام کی زینت ہیں اسلام جامد کمزور اور ظاہری

۳۳؎ الترمذی حدیث نمبر ۲۶۷۸۔ ابن ماجہ (ج ۱ ص ۱۶۔۱۵) ابوداؤد (ج ۲۔ص ۵۰۶)

۳۴؎ البخاری۔ شرح القسطلانی (ج ۴ ص ۲۷۴) مسلم۔ انظر شرح نووی فی ہامش القسطلانی (۷۔۲۷۴)

بناوٹ کا دین نہیں ہے۔

وہ لوگ جن کے سینے تنگ اور آنکھیں بند ہیں ان کے لیے مناسب نہیں کہ دین کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کے ایمان لوٹیں اور مسلمانوں کے معاملات میں دخل اندازی کریں اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ دین کے فہم کے لیے ہمارے سینے کھول دے اور دین کو پھیلانے کی خدمت کو ہمارے لیے آسان فرمادے اور آقا علیہ السلام کے عمدہ اخلاق سے مزین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زیارت رسول ﷺ

نبی کریم روف رحیم ﷺ کی زیارت مبارکہ کے لیے یہ فرمان الٰہی دلیل ہے۔

یاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ؎۱

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

اور یہ فرمان ذی شان۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَاءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰہَ تَوَّابًا رَحِیْمًا ؎۲

''اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور آپ کی بارگاہ میں آجائیں پس وہ اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے استغفار کرے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ مہربان پائیں گے''۔

بے شک آپ تمام صادقین سے افضل ہیں اور آپ کی جسمانی اور روحانی صحبت بہت بڑی فضیلت کی بات ہے آپ کی قبر انور کی زیارت بھی احادیث طیبہ سے ثابت ہے۔

☆عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بِنْ عُمَرؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ؎۳

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

☆عَنْ اَنَس بِنْ مَالِکؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

مَنْ زَارَنِیْ مُحْتَسِبًا کَانَ فِیْ جَوَارِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا وشَھِیْدًا یَوم الْقِیامۃ ؎۴

''جس نے اپنا محاسبہ کرتے ہوئے میری زیارت کی وہ میری ہمسائیگی میں ہوگا اور قیامت کے دن میں اسکا شفیع اور گواہ ہوں گا''۔

؎۱ سورۃ التوبہ..........آلایہ ۱۱۹
؎۲ سورہ النساء......آلایۃ ۶۴
؎۳ نیل الاوطار..........(۱۰۸۵)
؎۴ نیل الاوطار......(۱۰۸۵)

مَنْ زَارَنِیْ بَعد مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ.[5]

''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

یہ حدیث مبارکہ سند کے لحاظ سے عمدہ ہے۔

اجماع اس بات پر ہے کہ قبر انور کی زیارت اہم ترین امور میں سے ہے بعض نے زیارت کو واجب کہا ہے اور بعض نے مستحب کہا ہے۔

اگر ہم قیاس کا اعتبار کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی زیارت کو ہم اس بات پر قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے شہداء احد اور بقیع کی زیارت خود کی ہے۔ اور احادیث طیبہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ جنت البقیع اور شہداء احد کی زیارت کیا کرتے تھے اس پر قیاس کرتے ہوئے ثابت ہوا کہ آپ کی قبر انور کی زیارت کرنا ایک افضل عمل ہے۔ ہم قبور کی زیارت کرتے ہیں اور اس عمل کے لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمانِ عالی شان بطور دلیل ہے۔

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُوْرُوْ هَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الاٰخِرَة.[6]

''میں تمہیں قبور کی زیارت سے منع کرتا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زیارت قبر انور سب سے زیادہ آخرت کو یاد دلانے والی ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کی یاد تازہ ہوتی ہے آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا وحی کا اترنا اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جہاد کرنا بھی یاد آتا ہے۔

اس کے علاوہ زائرین کے دل انوار الٰہی سے منور ہو جاتے ہیں احسان اور بھلائی کے راستے پر چلتے ہوئے حضور علیہ السلام کی اقتدار کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے بعض

---

[5] نیل الاوطار...... آلایۃ (۵۔۱۰۸) [6] مسلم شریف۔ شرح النووی ہامش القسطلانی (۴۔۳۱۵)

حضرات مذکورہ احادیث زیارت کو زائر کے اسی شہر کی قبور کی زیارت کے لیے مختص کر دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر حضور علیہ السلام کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔

لا تَشُدُّ الرِحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ اَلْمُسْجِدِ اَلْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا والْمسجدِ الْاَ قْصٰی۔ ؎

''سفر کے لیے مت روانہ ہو مگر تین مساجد کی طرف سفر درست ہے مسجد حرام مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ''۔

اسے شیخین، امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے لیکن جو حدیث مبارکہ سے مطلب اخذ کیا جاتا ہے وہ درست نہیں اور عربی قواعد لغت کے اعتبار سے ایسا مفہوم اخذ کرنا درست نہیں کیونکہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی استثناء مفرغ ہے اور اس سے مستثنیٰ منہ حذف ہوتا ہے اور جب مستثنیٰ متصل ہو تو مستثنیٰ منہ کا حذف واجب ہوتا ہے مگر مستثنیٰ منقطع کا ایسا حکم نہیں کیونکہ فصیح کلام میں ایسا نہیں ہوتا مگر کبھی کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے پس محل یا مسجد کے ساتھ مستثنیٰ منہ کا مقدر کرنا لازم آئے گا، اور محل کا حذف کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر مجاہدین کا سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا، دشمنوں کے خلاف جنگ، دور دراز تعلیمی اداروں کے لیے سفر۔ حصول علم کے لیے مدارس کی طرف لمبا سفر، اولیاء اللہ کی محبت میں سفر یہ تمام سفر کرنا درست نہیں رہیں گے۔ لیکن ایسا مفہوم اخذ کرنا باطل ہے۔

پس مستثنیٰ منہ کو صرف مسجد پر محمول کرنا لازم ہوگا یعنی ثواب کی نیت سے سفر کرنا سوائے ان تین مساجد کے کسی مسجد کی طرف درست نہیں۔

اور یہ امر بلا اختلاف درست ہے کہ مذکورہ تین مساجد میں نماز ادا کرنے کا سب سے زیادہ اجر و ثواب ہے۔

؎ البخاری۔ شرح القسطلانی (۳۴۸/۲) مسلم شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۶-۱۰۵)

زیارت کے آداب

قبرانور کی زیارت کرنے کے لیے مستحب ہے کہ سفر میں حضور ﷺ کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت کرے تا کہ اسے قرب الٰہی حاصل ہو، مستحب ہے کہ راستے میں صلوۃ وسلام کو زیادہ پڑھے جب زائر کی نظر مدینہ طیبہ کے درختوں پر پڑے تو مزید صلوۃ وسلام پڑھے جیسے ہی مدینہ منورہ کے آثار نظر آنا شروع ہوں تو درود شریف کے پڑھنے میں اضافہ کرے۔

زائر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اسے زیارت سے فائدہ حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی حاضری کو قبول فرمائے مستحب ہے کہ مسجد نبوی میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور خوبصوت اور صاف ستھرے کپڑے پہنے۔

اپنے دل میں مدینہ منورہ کی عزت وحرمت کو پیش نظر رکھے اور یہ بات بھی ذہن میں نشین رہے کہ بعض علماء کے نزدیک مکہ المکرّمہ کے بعد سب سے افضل جگہ ہے بعض کے نزدیک مدینہ منورہ سب سے افضل ہے کیونکہ اسے مخلوق میں سب سے بہتر اور افضل انسان نے شرف بخشا ہے۔

زائر پر لازم ہے جب پہلی مرتبہ حاضری ہو تو دل تعظیم رسول ﷺ سے معمور ہو اور عظمت نبوی ﷺ کے پیش نظر نگاہوں کو جھکائے گویا کہ وہ آپ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہے۔[!]

اہم ترین امر یہ ہے کہ جب زائر مسجد نبوی میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو ریاض الجنۃ کا قصد کرے جو منبر شریف اور قبر مبارک کے درمیان ہے وہاں پر تحیۃ المسجد کے دو نوافل ادا کرے اور منبر کے ستون کو اپنے دائیں کندھے کی طرف رکھے اور اس ستون کی طرف منہ کرے جس کے ساتھ صندوق ہے تو وہ دائرہ جو قبلہ شریف کی طرف ہے اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا یہی وہ چودہ ہاتھ کے قریب جگہ ہے جہاں حضور علیہ السلام نماز ادا

[!] ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید این جا

فرمایا کرتے تھے اور منبر شریف اور قبر منور کے درمیان تقریباً 51 فٹ کا فاصلہ ہے جب ریاض الجنہ یا مسجد کے کسی حصے میں تحیۃ المسجد ادا کر چکے تو اللہ تعالیٰ کا اس نعمت عظمیٰ پر شکر ادا کرے اور اس مقدس ذات کے حضور اپنے مقصد میں کامیابی اور زیارت کی قبولیت کی دعا کرے۔

پھر قبر انور کی طرف آئے اور قبلہ شریف کی طرف پیٹھ کرے۔اس کا رخ قبر انور کی دیوار کی طرف ہونا چاہیے۔اور قبر انور کے سر کی طرف سے 6 فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو جب کھڑا ہو تو دل میں بھی اور ظاہراً بھی ادب کو ملحوظ خاطر رکھے پھر سلام عرض کرے اور آواز کے ساتھ یوں عرض کرے۔

السلام علیک یارسول اللہؐ

السلام علیک یا نبی اللہؐ

السلام علیک یا خیر خلق اللہؐ

پھر ورد اور دعائے ماثور پڑھے اس کے بعد 2 فٹ کی مقدار اپنے دائیں طرف والی چھت کی طرف ہٹے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سلام عرض کرے کیونکہ آپ کا سر مبارک حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کندھے مبارک کے برابر ہے اور یوں کہے۔

اَلسَّلامُ عَلیکَ یَا ابَا بَکْرٍ صَفِیُّ رَسُولِ اللّٰهِ وثَانِیه فِیْ الغَارِ جزاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمةِ نَبِیه ﷺ خیرا۔

پھر 2 فٹ کی مقدار اپنے دائیں طرف والی چھت کی طرف پیچھے ہٹے تا کہ حضرت عمرؓ پر سلام عرض کر سکے یوں عرض کرے۔

اَلسَّلامُ عَلیکَ یَا عُمَر اعزَّا اللّٰہُ بِکَ اِلا سْلاَمَ جزاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّةِ مُحمدٍ ﷺ خَیرا۔

پھر پہلے والی جگہ آئے اور آپ علیہ السلام کے رخ انور کے سامنے کھڑا ہو جائے اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنے لیے دعا کرے۔۔رب کریم کی بارگاہ میں آپ سے

شفاعت کے لیے عرض کرے اور اپنے والدین اولاد، دوست احباب اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی شفاعت کی درخواست پیش کرے۔

توسل اور وسیلہ

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کو اہم ترین امور میں وسیلہ بنانا جائز ہے نیز دعاؤں کی قبولیت، ضروریات کی تکمیل، گناہوں کی معافی، مشکلات کا حل، نیک آرزوؤں کی تکمیل کے لیے اور ہر وہ جائز مطالبہ جو ایک بندہ مومن کرسکتا ہے اسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کرنا جائز ہے اور آپ کا وسیلہ اس دنیا میں معتبر ترین وسیلہ ہے مزید برآں کہ بھلائی کے تمام دروازے آپ ﷺ کے توسل سے ہی کھل سکتے ہیں جو آدمی حضور علیہ السلام سے توسل و وسیلہ کا منکر ہے اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا یہ نظریہ قرآن وسنت اور (آغاز بدعات و مذہبی خواہشات سے پہلے) اجماع امت کے خلاف ہے نیز بدعتی کا قول ایک معمولی سا شبہہ ہے جس کی آگ اللہ تعالیٰ کے مقدس نور کے جھونکے سے بجھ جائے گی۔

ہم اہل سنت والجماعت جس توسل و وسیلہ کے قائل ہیں وہ قرآن وسنت اور (آغاز بدعات و مذہبی خواہشات سے پہلے) اجماع امت سے ماخوذ ہے اور شرعی طور پر اس طرح کا عمل درست اور جائز ہے۔

قرآن پاک کا تصور وسیلہ

اللہ رب العزت کا فرمان ذی شان ہے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ؕ ۱

''اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلے سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے''۔

یہ آیت طیبہ بنو قریظہ اور بنو النضیر کے بارے میں نازل ہوئیں کہ یہ حضور علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے حضور علیہ السلام ﷺ کے وسیلہ سے اوس اور خزرج قبیلوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اس روایت کو عبداللہ ابن عباس اور قتادہؒ نے اسی طرح روایت کیا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ سے مشرکین کے خلاف فتح کے لیے آپ علیہ السلام ﷺ کی ذات کو دعا میں بطور وسیلہ پیش کرتے تھے۔

جیسا کہ الاسدی روایت کرتے ہیں کہ جب ان یہودیوں اور مشرکین کے درمیان جنگ شدت اختیار کر لیتی تو وہ تورات کو نکالتے اور اپنے ہاتھوں کو اس جگہ رکھتے جس جگہ سرور کائنات، فخر موجوداتؐ کا ذکر مبارک ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کناں ہوتے۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے اس نبی مکرم کے وسیلہ سے عرض کرتے ہیں وہ عظیم الشان نبی جو آخر الزمان ہے اس کے صدقے سے تو ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ پس ان کی مدد کی جاتی تھی''۔

بنو قریظہ اور بنو النضیر اہل کتاب تھے جب کہ اوس وخزرج مشرک قبیلے تھے۔

سابقہ شریعت پر عمل کرنا درست ہے جب تک اس کو منسوخ نہ کیا جائے۔

۱۔ سورہ البقرہ.......... آلایۃ (۸۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَه. ۲

''اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو''۔

اس آیت طیبہ کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زندہ یا فوت شدہ اشخاص سے توسل جائز ہے اسی طرح اعمال صالحہ اور شرعی امور کو وسیلہ بنانا جائز ہے اگر وسیلہ بمعنی واسطہ ہو تو اس صورت میں ہر شرعی سبب کے لیے ایک تیسری ذات کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب و منزلت کے معنی میں ہے تو اس صورت مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے جو غیر واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (وابتغوا) (تلاش کرو) ہر اس چیز کو شامل ہے جو قرب الٰہی کا سبب بنے۔

قرآن کریم کی یہ بلاغت ہے کہ عمومی فائدے کے لیے متعلقات کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ فرمان الٰہی۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْن. ۳

''فرما دیجئے کیا کبھی جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں''۔

یعنی یہ بات معلوم ہے کہ یہاں دونوں برابر نہیں۔

اس طرح یہ حکم الٰہی کہ۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَام. ۴

''اور اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں (امن و سلامتی) کے گھر کی طرف''۔

اس کا مطلب ہے سب بندوں کو اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ۔

---

۲ سورہ المائدہ............(۳۵)　　۳ سورہ الزمر............آلایہ(۹)

۴ سورہ یونس............آلایۃ (۲۵)

وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ.

''اور اللہ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو''۔

اس آیت طیبہ سے ثابت ہوا کہ ہر وہ وسیلہ بنانا جائز ہے جس کی شریعت میں ممانعت نہیں ہے۔

اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے قحط کے دور میں حضرت عباسؓ کے وسیلے سے دعا کرائی اور یہ فرمایا۔

هٰذا وَاللّٰهِ اَلْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ.[۵]

''اللہ رب العزت کی قسم یہ تو اللہ کی طرف وسیلہ ہیں۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب میں یہی لکھا ہے۔

---

۵ بخاری شریف حدیث نمبر ۱۰۱۰ اور دوبارہ نمبر ۳۷۱۰ پر لکھا الفتح لابن حجر (۲۔۴۹۷)

احادیث طیبہ میں وسیلے کا تصور

حضور ﷺ کی ذات بابرکات کو وسیلہ بنانا احادیث مبارکہ کی رو سے بھی جائز ہے۔

ایک حدیث طیبہ جو عثمان بن حنیف سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی نبی کریم، روف الرحیم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میرے لیے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے آنکھیں عطا فرمائے آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر تو صبر کرنا چاہے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے اس آدمی نے عرض کی آپ میرے لیے دعا فرمائیں آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو پھر یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔[6]

حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی قسم کہ ابھی ہم اٹھے نہ تھے اور زیادہ گفتگو بھی نہ کی تھی کہ وہ آدمی ہمارے پاس آیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ اندھا ہی نہیں۔

اس حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور السلام نے اس آدمی کے لیے اس طرح دعا نہیں فرمائی جس طرح اس نے عرض کی تھی اس نے صرف حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی پر عمل کیا اور اس وقت اس نے حضور ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنا کر دعا کی آپ علیہ السلام کا یوں حکم ارشاد فرما دینا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام کی ذات کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔

---

۶ حاکم نے مشدرک میں روایت کیا۔(۱۔۵۲۶) اور کہا کہ بخاری کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی حدیث نمبر ۳۵۹۵ طبع قاہرہ ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۳۸۵

حضور علیہ السلام نے اس آدمی کو یہ دعا سکھلائی۔ اور عمومی فائدے کے لیے آپ نے خود اس کے لیے دعا نہیں فرمائی اسی وجہ سے سلف و خلف سب لوگوں نے اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے اس دعا کو استعمال کیا۔

اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ حاصل کی جائے اور حضور ﷺ کی ذات کو وسیلہ بناتے ہوئے اس کی بارگاہ میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا جائے تاکہ مقصود کا حصول آسان ہو جائے اس کے ساتھ ساتھ دعا کرتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھے کہ کام کرنے والی ذات باری تعالیٰ با اختیار ہے اور اس پاک ذات کی توجہ اسباب سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں اور وفات کے بعد آپ کی ذات سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ذات سے توسل جائز ہے اس بات سے قطع نظر کہ اندھے کی دعا حضور علیہ السلا کی دعا سے قبول ہوئے یا اس کے اپنے دعا کرنے سے ہمارے لیے تو حضور علیہ السلام کی یہ دعا ماثورہ ایک واضح دلیل ہے اور اس حدیث مبارکہ کی صحت پر حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا اتفاق ہے۔

اسی طرح فاطمہ بنت اسدؓ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی والدہ محترمہ تھیں اور انھوں نے حضور علیہ السلام کی بھی پرورش فرمائی تھی جب آپؓ وفات پا گئیں آپ ﷺ تشریف لے گئے فرمایا۔

رَحِمَکَ اللّٰهُ يَا اُمِّی بَعْدَ اُمِّی.

اللہ تجھ پر رحم فرمائے اے میری ماں (آمنہؓ) کے بعد ماں اور اس کے بعد آپ نے کفن کے لیے اپنی چادر عطا فرمائی اور قبر کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ لحد آپ نے اپنے دست مبارک سے بنائی۔

پھر اس میں لیٹ گئے اور یوں دعا فرمائی۔

اَللّٰہُ الذِیْ یُحْیِیْ وَھُوَ حَیٌّ" لَا یَمُوْتُ أغْفِرلِاُ مِیْ فَاطِمَہ بِنْتِ اَسَدْ وَوَسِّعَ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا بِحَقِ نَبِیکَ والاَنْبِیَاءِ الذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّکَ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.۷

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں ہے اے میرے اللہ میری ماں ۸ کو معاف فرمادے اس پر ان کی قبر کو کشادہ فرمادے اپنے نبی کے صدقے اور ان انبیاء علیہم السلام کے صدقے جو مجھ سے پہلے گزر گئے بے شک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"۔

مذکورہ حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ایک کے وہ روح بن صلاح ہے جب کہ اس کے بارے میں حاکم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے اسی طرح ابن حبان نے اسے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے یہ حدیث مبارکہ اس بارے میں نص ہے کہ وسیلے کے سلسلے میں زندہ ومیت میں کوئی فرق نہیں ہے اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے توسل درست ہے۔

ایک حدیث مبارکہ حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے۔

جس میں حضور علیہ السلام کی طرف سے ایک دعا پڑھنے کے لیے فرمایا گیا ہے اس کے کچھ الفاظ یوں ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلکَ بِحَقِ السَّائِلِینَ عَلَیْکَ.۹

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے"۔

یہ حدیث تمام مسلمانوں کے وسیلے سے سوال کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے ،خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔

اس حدیث طیبہ میں ابن فوفق اپنی سند میں ابن مرزوق سے منفرد نہیں ہیں اور

---

۷ البخاری۔شرح القسطلانی (2-348) مسلم شرح النوی فی ہامش القسطلانی (6-105)

۸ فاطمہ بنت اسد ۹ مسند امام احمد بن حنبل...... (۳۔۱۲۱) ابن ماجہ (۱۔۲۵۶)

ابن مرزوق مسلمہ شخصیات میں سے ہے اور امام ترمذی نے ان سے متعدد احادیث میں مدد لی۔ انبیاء والصلحین خواہ زندہ ہوں یا مردہ۔ ان سے توسل وسیلہ امت مسلمہ کا معمول رہا ہے اور اس مسئلے پر ان کا اجماع صحیح ہے۔ اور بدعت و مذہبی خواہشات نفسانیہ کے ظہوور سے پہلے اس مسئلے پر کسی کا کوئی اختلاف ہماری نظروں سے نہیں گزرا توسل کی کئی صورتیں ہوتی ہیں لیکن سب کا مرجع ایک ہے اور وہ اللہ جل شانہ کی ذات بابرکات ہے جس کی بارگاہ بیکس پناہ میں متوسل التجاء کرتا ہے اور سفارش کے لیے عرض کرتا ہے تاکہ دعا درجہ قبولیت تک پہنچ جائے مسلمانوں کے لیے یہ بات واضح ہے کہ سفارش کے لیے عرض کرنے کا باب بہت وسیع ہے۔

توسل کی پہلی صورت

اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی، اس کے کلمات الٰہی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء سے توسل

اللہ رب العزت کے اسماء وکلمات مبارکہ سے توسل کرنا بہت بڑی سعادت ہے اور اس میں انصاف پسند لوگوں کو کوئی اختلاف نہیں۔ ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

اللھم اِنِیْ اَسألُکَ بِاسمِکَ الطَاھِر الطَیِّبُ المُبارِکُ الا حَبُّ اِلَیْکَ الذِی اِذَا دُعِیت به اَجُبْتَ واِذَا سُلتَ بِه اَعْطَیْتَ واِذَا اِسْتَرْجَمْتَ بِهٖ رَحِمتَ واِذا استفرجتَ بِهٖ اَفْرَجْتَ[1]

اور ایک حدیث جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے اور اسے عبدالملک نے بیان کیا۔

واَسألُکَ بِاسمِکَ الَذِی بَثْثتَ بِهٖ اِرْزَاقَ العِبَادِ واَسألُکَ بِاسمِکَ الذِیْ وَضَعْتَه' عَلٰی الارْضِ فَاسْتَقَلتْ واسألُکَ بااسمکَ الذِیْ وَضَعْتَه' عَلٰی السمٰواتِ فاسْتَقَلَتْ وَاَسألُکَ بِاسِمکَ الذِیْ وَضَعْتَه' عَلٰی الجبال فَرَسَتْ واسألُکَ بِاسِمکَ الطهر الطَاھِر اَلا حَد اَلْصَمَدُ الوِتر اَلْمُنزَل فِیْ کِتَابِکَ مِنْ لَدُنکَ مِنَّ النورِ الْمُبِیْنِ وَاَسألُکَ بِاسِمکَ الذِیْ وَضَعْتَہ' عَلٰی النَھَارِ فَاسْتَنَارَ وعَلٰی اَلیلِ فَاظْلَمَ وبِعَظْمَتِکَ وَکِبریا ئِکَ وبِنُورِ وَجْھِکَ الکَرِیْم اَنْ تَرزُقَنِی اَلْقُرآنَ والعِلْمَ بِهٖ وَتَخلِطه' بِلَحمِیْ ودَمِی وَسَمْعِی وبَصَرِیْ وتَسْتَعمِلُ بِهٖ جَسَدِ یْ بِحَوْلِکَ وقُوَّتِکَ فانَّه لاَحَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِکَ یااَرْحَمَ الرَاحِمِیْنَ۔[2]

---

[1] ابن ماجہ.......حدیث نمبر 3859 [2] ترمذی۔ ابوداؤد مشکوۃ المصابح حدیث نمبر 39487

مشکوۃ المصابیح میں مہلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ بُیُتکُمُ العَدُوُّ فَلْیَکُنْ شِعَارُکُمْ "حٰم "لا یَنصُرُوْنَ. [۳]

"بے شک تمہارے گھروں میں دشمن ہیں تمہارا نشان (ورد) حٰم ہونا چاہیے وہ تم پر فتح نہ پاسکیں گے"۔

یعنی جب تم اس مبارک اسم (حٰم) کا ذکر کرو گے جو سات سورتوں کے آغاز میں ہے تو وہ دشمن تم سے کبھی جیت نہ سکیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسماء حروف میں خفیہ راز اور اثرات رکھے ہیں اس جگہ پر ذکر اور تلاوت قرآن میں ہمیں آقا علیہ السلام کی پیروری کرنی چاہیے خواہ سمجھ آئے یا نہ آئے اسماء النبی ﷺ میں بھی بڑی برکات ہیں کیونکہ آپ کے خوبصورت اسماء بھی اپنے اندر بہت بڑی رحمتیں اور برکتیں رکھتے ہیں۔ ابن السنی نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیل" میں ایک باب لکھا کہ جب کسی آدمی کا پاؤں سن ہو جائے تو وہ کیا کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں منقول ہے کہ ایسا آدمی آپ کے پاس آیا جس کا پاؤں سن ہو گیا تھا آپ نے اسے بتایا کہ اسم محمد ﷺ سے برکت حاصل کرو اس نے ایسا ہی کیا تو اس کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔

اسی کتاب میں انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت منقول کی ہے کہ ایک آدمی کا پاؤں سن ہو گیا اس نے پکارا "یا محمد ﷺ" پھر وہ فوراً کھڑا ہو گیا گویا اس کے پاؤں کی بیڑی کھل گئی اس کے علاوہ بھی احادیث اس باب میں ذکر کی گئی ہیں۔

جب آپ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ سے توسل کرنا درست ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ بلند ہے۔ تو پھر آپ کی ذات بابرکات مقام و مرتبہ اور حق کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا کیوں جائز نہیں۔

---

[۳] ترمذی۔ ابوداؤد مشکوۃ المصابیح...... حدیث نمبر 3948

ظاہری بات ہے کہ جن اسماء گرامی کے ساتھ آپ مخصوص ہیں وہ آپ کی مقدس ذات میں صفات پائی جاتی ہیں۔ اور یہ انسانی حقیقتوں میں ایک ممتاز حقیقت ہے کہ آپ کی ذات اسم بامسمّٰی ہے ان اسماء کے کمال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

جس طرح آپ علیہ السلام کی ذات اقدس کو اللہ تعالیٰ نے بے حد و بے حساب عنایات سے نوازا ہے اس طرح آپ کو اسماء گرامی بھی خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ کا اولین مظہر بنایا ہے اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے اسماء مبارکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ایک خاص نسبت رکھتے ہیں (لیکن عبد و معبود کا فرق پیش نظر رہے) حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسی مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ من اِسۡمَهٖ لِیَجله .

فَذُو العَرشِ مَحۡمُوۡدٌ وَهٰذا مُحَمَّدٌ .

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم گرامی سے حضور علیہ السلام کا نام مبارک بنایا تا کہ اسے عزت و شان عطا فرمائی جائے عرش کا مالک محمود ہے یہ محمد ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آذان میں بھی آپ کا نام مبارک اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا۔

عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

یقول سبحانه و تعالیٰ اَنا اَلرَّحۡمٰنُ وهِیَ الرَّحۡمُ اَشۡتَقَقۡتُ اِسۡمَهَا مِنۡ اِسۡمِی فَمَنۡ وَصَلَهَا وَصَلتُه، وَمَنۡ قَطَعَها قَطَعۡتُهٗ۔ [۴]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمٰن (مہربانی فرمانے والا) ہوں اور وہ رحم (رشتہ داری) ہے میں نے اپنے نام سے اس کا نام بنایا ہے جس نے صلہ رحمی کی میں بھی اس کے ساتھ رابطہ رکھوں گا اور جس نے قطع رحمی کی میں بھی اس سے تعلق توڑ دوں گا اس سے معلوم

---

[۴] البخاری فی الادب المفرد۔ مسند امام احمد ابوداؤد ترمذی

ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسماء گرامی عطا فرمائے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے راز رکھے اور اسماء الحسنیٰ حروف ،کلمات قرآنیہ اور صالحین کے وظائف کے رازوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

توسل کی دوسری صورت

متوسل بہ سے دعا کے لیے کہنا

مسلمانوں کا ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا اس کے سامنے یا عدم موجودگی میں زندگی میں یا اس کے بعد شرعی طور پر یہ جائز ہے خواہ دعا کے لیے کہا جائے یا نہ کہا جائے۔اور یہ کتاب وسنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے۔

قرآن کریم کی دلیل

انبیاء ورسل علیہم السلام کا اپنی اپنی امت کے لیے دعا کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے مثلاً سیدنا نوح علیہ السلام کا اپنی امت کے لیے دعا کرنا۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنی امت کے لیے دعا کرنا اور مسلمانوں کا اپنے سے پہلے مسلمان بھائیوں کے لیے استغفار کرنا فرمان الٰہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاؤُ وَامِن بعْد ھِمْ یَقوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلاخوانِنَا الذِیْنَ سَبقُونَا بِالایْمَانِ وَلاَ تَجْعَل فِیْ قُلوبِنَا غِلاًّ لِلذینَ آمنو اربَّنَا اِنَّکَ رَؤُف رحیم[1]

''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب بے شک تو روف رحیم ہے''۔

---

[1] سورہ الحشر.........آلایۃ (۱۰)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ ۲؎

''اورتعاون کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں''۔

آیت مبارکہ کی رو سے جسمانی اور روحانی دونوں طرح کا تعاون ضروری ہے۔اسی طرح مصیبت زدہ،مریض۔گناہ گار محتاج، کے لیے دعا کرنا،توفیق، کثرت مال کے لیے، بچے اور مقام ومرتبے کے لیے دعا کرنا یہ سب امور مدد میں شامل ہیں۔

علماء سیرت نبوی جانتے ہیں کہ حضور السلام نے مدد کے مختلف مراتب بیان فرمائے ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد کے لوگ جانتے ہیں کہ مدد کرنے کی اقسام کتنی ہیں۔

سنت رسول ﷺ سے دلائل

سنت رسول ﷺ کی رو سے کسی کو دعا کے لیے کہنا جائز ہے جب حضرت عمر بن خطابؓ نے عمرہ کے لیے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی تو آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا۔

لَا تَنْسَنا یَا اَخِیْ مِنْ دُعَائِکَ۔ ۳؎

''اے بھائی اپنی دعا میں ہمیں مت بھولنا''۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''ساری دنیا کے مقابلے میں مجھے یہ کلمات زیادہ عزیز ہیں''۔

مشکوۃ المصابیح میں حضرت عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

تمہارے پاس یمن سے ایک آدمی آئے گا اسے اویس کہا جاتا ہوگا یمن کو نہ چھوڑنے کی وجہ صرف اس کی (بوڑھی) ماں ہے۔اس کے اوپر برص کا داغ تھا اس نے اللہ

۲؎ ......سورہ المائدہ.........آلایۃ (۲)　　　۳؎ الترمذی سنن ابی داؤد بحوالہ دلیل (۳۔۳۱۸)

تعالیٰ سے عرض کی تو برص ختم ہو گیا مگر ایک درہم کی مقدار باقی رہا۔ جو بھی تم سے اسے ملے تو اسے کہے میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو" ایک روایت میں ہے کہ اسے کہو کہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔[۴]

حضرت محمد ﷺ دعا کے لیے اپنے صحابہ کرام سے اویس قرنیؓ کو وسیلہ بنانے کے لیے حکم ارشاد فرما رہے ہیں اس حدیث مبارکہ میں اللہ کے نیک بندوں سے دعا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے بلند مرتبہ والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے سے کم درجے والے کو دعا کے لیے کہے بے شک صحابہ کرام تابعین سے افضل ہیں اور اویس قرنیؓ افضل تابعین میں سے ہیں۔[۵]

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

سَيَكُونُ فِیْ اُمَّتِی رَجُل" يُقَالُ لَهُ اُوَيْس بن عبدالله قرنی وَاَنَّ شَفَاعته فِیْ اُمَّتِیْ مِثْلَ رَبِيْعَة و مُضَرْ.[۶]

"عنقریب میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام اویس قرنی بن عبداللہ قرنی ہوگا اور ان کی شفاعت سے میری امت کی اتنی تعداد کو معاف کیا جائے گا جتنا قبیلہ ربیعہ اور مضر کی تعداد یہ بھی صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان کے لیے درود شریف کی طلب کرنے اور ان کیلئے وسیلہ کو مانگے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ.[۷]

مزید فرمایا۔

فَاسْئَلُوا لِیَ الْوَسِيْلَة.[۸]

"میرے لیے وسیلے کا سوال کرو"۔

---

[۴] مسلم۔ شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۹۔۳۲۹) [۵] ایضاً [۶] ابن عدی فی الکامل۔ الجامع الصغیر (۲۔۵۹)
[۷] مسلم ترمذی بحوالہ دلیل العارفین (۷۔۲۲۱۔۳۲۳) [۸] ترمذی شریف نمبر (۳۶۱۶)

یہ بات بھی درست ہے کہ جب قحط کا زمانہ آتا تو صحابہ کرامؓ بارش کی دعا کے لیے عرض کرتے تو آپ ﷺ دعا فرماتے اور اللہ تعالیٰ انھیں رحمت کی بارش عطا فرما دیتا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب بھی قحط پڑتا تو وہ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے یوں دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ ﷺ فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ فَاسْقِنَا۔ 9

''یا الٰہی ! ہم تیرے پیارے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بنا رہے ہیں ہم پر بارش نازل فرما''۔

حضرت زبیر بن بکار اس واقعہ میں حضرت عباس کی دعا بیان کرتے ہیں۔

''اے ہمارے رب مصیبت ہمارے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور گناہوں سے توبہ پر وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے ساری قوم میرے وسیلے سے تیری جناب میں حاضر ہوئی ہے کیونکہ ہمارا تیرے پیارے نبی سے ایک خاص تعلق ہے یہ ہمارے گناہ آلود ہاتھ ہیں اور یہ ہمارے پیشانیاں ہیں جو توبہ کے لیے حاضر ہیں ہم پر رحمت کی بارش نازل فرما''۔

پس آسمان پر بڑے بڑے بادل ظاہر ہوئے زمین پانی سے تر بتر ہوگئی اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

یہ وسیلہ کے ظاہری مفہوم پر عمل ہے۔

وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔

بطور وسیلہ اس میں حضور ﷺ اور حضرت عباسؓ کی ذات بابرکات بھی شامل ہے اسی طرح جو بھی ان کے بعد بارش کے لیے دعا کرے اور آپ علیہ السلام کی ذات وسیلہ

صحیح البخاری.........حدیث نمبر ۱۰۱۰)

بنائے یقیناً وہ نامراد نہ ہوگا۔

ایک شبہ کا ازلہ

حضرت عمرؓ نے بارش کے لیے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا اس سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ فوت شدہ افراد سے مدد لینا درست نہیں یہ سوچ غلط ہے کیونکہ بارش مانگنے کا انداز یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کو سب سے پہلے وہ روضہ رسول ﷺ پر لے گئے اور وہاں پر جا کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا کیونکہ ان کا آپ علیہ السلام کے ہاں بڑا مقام و مرتبہ ہے مذکورہ حدیث سے مندرجہ ذیل امور کا علم ہوتا ہے۔

اول :۔ مسلمانوں کی اس طرف راہنمائی ہوتی ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام کو بارش کے حصول کے لیے وسیلہ بنانا درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اسی طرح صالحین امت کو بھی اہم امور میں وسیلہ بنانا جائز ہے پھر خصوصاً حضرت عباسؓ کا تو حضور علیہ السلام سے قریبی رشتہ ہے۔

دوئم :۔ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش مانگنا اصل میں حضور علیہ السلام کی ہی ذات کو وسیلہ بنانا ہے کیونکہ دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

''ہم تیرے نبی علیہ السلام کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں''۔ یہ نہیں کہا کہ عباس بن عبدالمطلب کو وسیلہ بناتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت یہ ایک بڑا اعزاز ہے یہ اضافت معنوی ہے اس میں مضاف کسی نسبت سے مشرف ہوتا ہے یہ بات علماء بلاغت سے مخفی نہیں ہے۔

سوئم :۔ حضرت عمرؓ کو کمزور ایمان والے مسلمانوں کے بارے میں فکر تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے غنی ہے اگر وہ سب روضہ نبی ﷺ پر حاضر ہوتے اور حضور علیہ السلام کو وسیلہ بناتے تو ہوسکتا تھا بارش نہ ہوتی اور ان کے دلوں پر مایوسی چھا جاتی۔

چہارم :۔ حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ وسیلہ کے مفہوم کو سمجھ لیں۔

وابتغو ا اليه الوسيله.

کی آیت مبارکہ میں وسیلہ کو صرف نیک اعمال تک محدود نہیں رکھ گیا ہے بلکہ یہ توسل کی باقی صورتوں کو بھی شامل ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات الہامی صفات کی مالک تھی کثیر احادیث میں وارد ہے کہ بہت سی آیات مبارکہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل فرمائی گئیں۔

پنجم :۔اہل بیت اطہار کی عزت وشرف کا اعلان مقصود تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کی ذات سے خاندانی رابطہ وتعلق باعث عزت ہے اور خصوصاً حضرت عباسؓ تو رشتہ کے لحاظ سے چچا ہیں اور چچا باپ کی طرح ہوتا ہے۔

ششم :۔حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عباسؓ دعا مانگیں اور وہاں موجود لوگ اس پر آمین کہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں دعاؤں میں آمین جتنی زیادہ کہی جائے گی دعا اتنی ہی زیادہ قبول ہوگی۔

اور حضور علیہ السلام کی دعائیں اسی بات کی طرف راہنمائی کرتیں ہیں کہ فوت شدہ انبیاء کرام علیہم السلام سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے انشاءاللہ۔

ہفتم :۔حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش مانگنا اور آپ کی عزت کا خیال کرنا حقیقت میں حضور علیہ السلام کی اقتداء ہے۔

جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا حضور علیہ السلام حضرت عباسؓ کا اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح ایک بچہ اپنے والد کا کرتا ہے اے لوگو تم بھی حضور علیہ السلام کی اقتداء کرو اور انھیں اللہ کی جناب میں وسیلہ بناؤ۔

اعتراض :۔کسی دوسرے آدمی سے دعا کے لیے کہنے میں کیا راز ہے جب کہ اللہ جل شانہٗ سننے والا، قریب، قبول فرمانے والا ہر دعا کرنے والے کو سننے والا اور جب چاہے دعا کو

قبول فرمانے والا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیبٌ اُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلیستجیبوا الی ولیومنوا بی۔[1]

''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا، دعا کرنیوالے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انھیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر''۔

جواب:۔ دوسرے آدمی سے دعا کرانے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

تواضع وانکساری:۔ دعا مانگنے والا انسان تواضع اور عاجزی کی وجہ سے خود دعا نہیں مانگتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے گناہ زیادہ ہیں اور وہ اپنے رب کے سامنے شرمندہ ہے اس لیے وہ کسی سے دعا کے لیے کہتا ہے۔ اور یہی مخلصین کی نشانی ہے۔

اجتماعی دعا اور تعاون:۔ آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ اس بات کی طرف راہنمائی کرتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اجتماعی دعا اور نیکی کے کاموں میں باہمی تعاون کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خوب برستی ہے۔

مقبولان بارگاہ الٰہی سے دعا کرنا:۔ دوسرے سے دعا کرانے والا اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسان کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے پس یہ فرمان الٰہی۔

تِلْکَ الرُّسُل فَضَّلْنَا بَعْضَهُم عَلٰی بَعْضٍ۔[2]

یہ سب رسول۔ ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر اسی طرح یہ فرمان کہ

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا

---

[1] سورہ بقرہ.........آلایۃ (۱۸٦) [2] سورہ بقرۃ.........الایۃ (۲۵۳)

وعَمِلوُا الصَالِحَاتِ سَوَاء" مَحْيَاهُمْ وَمَمَا تُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ. ۳

"کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان کا جینا اور مرنا بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے ساتھ فضائل وکمالات مختص ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہوتا ہے۔پس ایک پریشان مسلمان ایک ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جو اس مقدس بارگاہ میں مقبول ہوتا کہ اس کی دعا کے ساتھ اپنی دعا کو ملائے اور اس نیک بندے کے وسیلہ سے اس کی دعا قبول ہو کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں پڑھا کہ۔

وَلَو انّهم اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جا ؤُوْکَ فاسْتَغْفَرُوْ االلّٰهَ وَاِسْتَغْفَرَلَهُمْ الرَسُوْلُ لَوَ جَد وا اللّٰهَ تَوَابًا رَحِيْمًا. ۴

"اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا، نہایت رحم کرنے والا"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے استغفار کو مومنین کے استغفار کی طرف مضاف کیا ہے تا کہ آپ علیہ السلام کے استغفار کی برکت سے وہ دعا ضرور قبول ہو اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے یوں بھی فرمایا ہے۔

وانّى لَغفّار" لِمَنْ تَابَ. ۵

"بے شک میں معاف کرنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے"۔

مزید فرمایا

۳۔سورہ بقرہ.........الایۃ (۲۵۳) ۴ سورۃ النساء.........الایۃ (۲۱)

۵ سورہ طہ.........آلایۃ (۵۳)

قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا.[۶]

"آپ فرمادیجئے! اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی منقول ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

لا یزال عبد یتقرب الی بالنوافِل حتی أحِبُّه فاذا اَحْبَبْتُه' کُنْتُ سَمعه: الذی یسمع به بصره الذِی یَبْصُر بِهٖ ویده' التی یَبْطِش بِهَا ورِجْلَه' التی یَمْشی بِهَا وان سألَنِیْ اَعْطَیْتُه' واِن اِسْتَعَاذَنِی لَاُ عِیْذَ نَه'.[۷]

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور پناہ دیتا ہوں"۔

(اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے) جب ایک آدمی گمان کرے یا یہ عقیدہ رکھے کہ فلاں آدمی نیک ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے تو وہ اس کے پاس جاتا ہے اور اسے دعا کے لیے عرض کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمالے۔

آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

رُبَّ اَشْعَثٍ مَدْفُوْعٍ بالابْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَ بَرَّه'.[۸]

---

[۶] سورہ الزمر.................الایۃ (۵۳)   [۷] بخاری شریف شرح القسطلانی......(۹۔۳۸۹)

[۸] مسلم شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۰۔۳۰۵)

"کتنے آدمی ایسے ہیں جو خاک آلود ہوتے ہیں کسی کے دروازے پر جائیں تو دھتکار دیئے جائیں لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کرتا ہے"۔

پس لوگوں کا صالحین کے پاس جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مقبولان خدا ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اَرْجَی الدَّعْوَاتِ دَعَا الاخِ لِاخِیہ بِظَھرِ الغَیْبِ۔9

سب سے زیادہ مقبول دعا وہ ہے جو ایک بھائی دوسرے بھائی کی عدم موجودگی میں کرتا ہے۔

پس اگر ایک مصیبت زدہ آدمی اپنے بھائی سے دعا کے لیے کہے اور وہ اس کی عدم موجودگی میں ایسی دعا کرے جو پر خلوص ہو تو اللہ تعالیٰ جو کریم بھی ہے اور سخی بھی ضرور قبول فرماتا ہے۔

مسلمانوں کا طریقہ کار ہے کہ وہ ایک دوسرے سے دعا کے لیے کہتے رہتے ہیں خصوصی طور پر بھی اور عمومی طور پر بھی ایک دوسرے کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

توسل کی تیسری صورت

پسندیدہ ہستیوں سے توسل

توسل کی یہ تیسری صورت، توسل کے باب میں اصل ہے کیونکہ ہر قسم کی فضیلت ، اعزاز، نیک اعمال اور عزت یہ سب امور پسندیدہ شخصیات سے ہی صادر ہوتے ہیں اور اس بات کا علم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے۔

قُلُ الحمدُ لِلّٰہِ و سَلَامٌ عَلٰی عِبادِہِ الَّذِیْنَ اِصْطَفٰی۔1

"فرما دیجئے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلامتی ہے اللہ کے بندوں پر جن کو اس نے چن لیا"۔

---

9 مسلم شریف شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۰۔۱۶۰) سورہ النحل..........آلایۃ (۵۹)

اوراللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ۔

وانّهم عِندَ نَا لَمِن اَلْمُصطفَيْنَ الا خیَارِ ۔[۲]

اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں ایک جگہ پر یوں فرمایا۔

وَ كَانَ عِندَ اللّٰهِ وَجِيهًا ۔[۳]

اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو والے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے بارے میں یوں فرمان ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّ بَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۔[۴]

''اور اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہیں دے گا اس حال میں کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہوں''۔

عقل مند آدمی چنے ہوئے افراد کی عمدہ صفت سے پہلے ان کی پسندیدہ ذات کو ملاحظہ کرتا ہے اور باذوق آدمی پہلے صفات کو دیکھتا ہے اور ان صفات سے ذات کی بلندی کا اندازہ لگاتا ہے ذات اصل ہے اور وصف فرع ہے۔ اور اس توسل کی صورت یہ ہے کہ دعا مانگنے والا یوں مانگے ''یا الٰہی میں تیری جناب میں تیرے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں۔ یا فلاں تیرے پیارے بندے کو وسیلہ بناتا ہوں تاکہ تو میری حاجت پوری فرمادے۔

اندھا آدمی جو آپ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا اسے بھی تو اسی طرح دعا سکھلائی گئی۔

اللھم انی اتوسل الیک بنبیک محمد ﷺ (اے اللہ میں تیری جناب میں تیرے نبی محمد ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں) اور حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بناتے ہوئے بارش کے لیے یوں دعا فرمائی۔

اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ فَاسْقِنَا ۔[۶]

---

[۲] سورہ ص.......... آلایۃ 47) [۳] سورہ الاحزاب.......... آلایۃ (69) [۴] سورہ الاحزاب...... آلایۃ (۶۹)

[۵] اخرجہ حاکم فی المستدرام (1-526) قال صحیح کا شرط البخاری) [۶] بخاری شریف حدیث نمبر (1010)

''اے اللہ ہم تیرے نبی کے چچا کو تیری جناب میں بطور وسیلہ لائے ہیں ہم پر بارش نازل فرما۔''

اسی طرح سیدنا معاویہؓ نے حضرت زید بن الاسودؓ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کیا۔

اَللّٰھُم انا نستسقی بَخِیرنا و افضلنا اللھم انا نستسقی بِزَیدِ بنِ الاَ سُوَدُ.

''اے ہمارے رب ہم تجھ سے رحمت کی بارش کا سوال کرتے ہیں اس آدمی کے صدقے جو ہم میں سے بہتر اور افضل ہے، الٰہی زید بن اسود کے صدقے ہم پر رحمت کی بارش نازل فرما''۔

ان کی دعا بھی سیدنا عباسؓ کی دعا کی طرح ہے۔

نفوس قدسیہ سے توسل زندگی میں اور بعد از وفات دونوں طرح جائز ہے کیونکہ ان ہستیوں کی برکت پاکیزگی، مقام و مرتبہ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے کیونکہ جب یہ ہستیاں ظاہری طور پر وفات پا جاتی ہیں تو ان کی ارواح عمدہ نعمتوں، ہمیشہ رہنے والی عزت اور پاکیزگی سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور اب ان کے دل پہلے سے بھی زیادہ روشن اور منور ہو جاتے ہیں۔

گوشت، خون، پٹھوں اور ہڈیوں سے وسیلہ نہیں پکڑا جاتا بلکہ ان بزرگوں کے مقام و مرتبہ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے جن کا رتبہ شہداء سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شہداء کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لا تَحسَبَنَ الذِّیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سبیلِ اللّٰہ امواتا بل احیاء عندربھم یِرزَقُوْن فرِحِیْنَ بِمَا آتا ھم اللّٰہ من فَضْلِہٖ ویَسْتَبْشِرُوْنَ بالذین لَمْ یَلحقُوا بھم من خَلْفِھِمْ آلاخوف علیھم وَلاَ ھُمْ یَحزَنوْنَ. ؎

؎ سورہ آل عمران.........آیت (۱۶۹۔۱۷۰)

''اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایات فرمائی ہیں انھیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اور خوش ہورہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوگے''۔

جب شہداء کرام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت دین اور جہاد کے صلے میں یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے تو جو ذات صاحب دین ﷺ اور سید المرسلین ﷺ ہے اور آپ کے صحبت یافتہ صحابہ کرامؓ ہیں تو ان تمام مقدس ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کیوں نہ یہ تمام درجے عطا فرمائے ہوں گے۔

توسل کی چوتھی صورت

اعمالِ صالحہ اور ان کی یاد سے توسل

اعمال صالحہ کو یاد کر کے ان سے توسل کرنا جائز ہے جیسا کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک حدیث ابن عباس سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی جو سفر میں تھے کہ بارش آگئی۔ انھوں نے غار میں پناہ لی۔ چند لمحوں بعد غار کا منہ ایک بڑے پتھر سے بند ہوگیا۔ ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بطور وسیلہ پیش کیا اور کہا۔

اَللّٰھم اِنْ کُنْتُ فَعلتُ ذٰلک اِبْتِغَاءَ وَجھک فَفَرِّجْ عَنا مَا نَحْنُ فِیه[1]

''اے ہمارے رب! اگر میں نے وہ کام تری رضا کے لیے کیا تھا تو ہم کو اس مصیبت سے نجات عطا فرما''۔

وہ تینوں رب غفور رحیم سے دعائیں کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ

---

[1] متفق علیہ

چٹان ان کی غار سے دور کردی اور وہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس سے ثابت ہوا کہ نیک اعمال اور نیک لوگوں سے توسل کرنا ایک جائز عمل ہے کیونکہ اس توسل کا مقصود مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال صالحہ کے ذریعے اس کی اطاعت اللہ کو بڑی پسند ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ارشاد فرمایا کہ ''دو یتیم بچوں کی دیوار سیدھی کردو جن کا باپ نیک تھا'' یہ اس کریم ذات کا اس نیک آدمی اور اس کی اولاد کے ساتھ کرم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر یوں کیا۔

وھو یتولی الصالحین۔[۲]

''اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی''۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ بندہ مومن کے لیے برکت اور عزت کا سبب ہیں یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب متوسل عرض کرتا ہے یاالٰہی میری حاجت کو حضور علیہ السلام کے اخلاص کے صدقے پورا فرما۔ یا اس شہید کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی ہوئی قربانی کے صدقے کرم فرما ۔یا قرآن پاک کے پڑھنے والوں اور حفاظ کی کوششوں کے صدقے مہربانی فرما۔ یا احادیث طیبہ کی خدمت کرنے والوں کی برکت سے یا مجتہدین کی شرعی احکام کی وضاحت کے لیے کوشش کے صدقے یا ان سچے لوگوں کے صدقے جنہوں نے اپنے وعدے پورے کیے۔

اس قسم کے توسل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے کیا اس طرح کا وسیلہ پکڑنے والا خائب و خاسر رہتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ متوسل پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کی حاجت کو پورا فرما دیتے ہیں۔

یہ کوئی انوکھا طریقہ کار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی یہ سنت ہے اللہ تعالیٰ ہمارا حشر ایسی نیک ہستیوں کے ساتھ کرے اور ان کے نیک اعمال اور قوت اخلاص کے صدقے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔

---

[۲] سورہ الاعراف.........آلایۃ (۱۹۶)

توسل کی پانچویں صورت

اللہ تعالیٰ کے جناب میں انبیاء ومرسلین اور اولیاء کے ''حق'' سے توسل کرنا

توسل کی یہ قسم زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کے حق سے توسل کرنے اور ان کے حق سے شفاعت کے طلب کرنے پر مشتمل ہے۔ یاد رہے کہ یہاں حق اس مفہوم میں نہیں جو عموماً سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کے ذمہ کسی کا حق دینا واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے وہ ہر کام میں خودمختار ہے یہاں حق سے مراد وہ عزو عظمت ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و مہربانی سے کسی کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔[1]

''لازم کرلیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا''۔

اس طرح فرمایا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔[2]

''اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا''۔

یہ توسل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اس کا حکم بھی ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْکَ۔

''یاالٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے''۔

ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

جو گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور یوں کہا۔

---

[1] سورہ الانعام......... آلایۃ (۵۴) [2] سورہ الروم.......... آلایۃ (۴۷)

اَللّٰھُم اِنِّی اَسألُکَ بِحَقِ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ واَسألُکَ بِحَقِ مَمْشَایَ ھَذا اِلَیْکَ فِانّی لَمْ أخْرُجْ اَشْرًا ولا بَطَرًا ولاَ رِیاء لاَ سُمعَة خَرجْتُ اِتقاءَ سُخْطِکَ وابْتغاءَ مَرْضا تِکَ فاسألُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارَ واَنْ تَغفِرلِیْ ذُنُوبِیْ فَاِنَّہٗ لاَ یَغْفِرُلَہ' اِلاَ انت اقبل اللّٰہُ بِوجھہٖ علیہ والستغفرلَہٗ سَبْعُونَ اَلْف'' ملک۔[۳]

''یاالٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں میرا تیری طرف چل کے آنے کے صدقے، میرے نکلنے کا مقصد شر،غرور، ریاکاری یا شہرت نہیں میں صرف تیری ناراضگی سے ڈرتے ہوئے نکلا اور تیری رضا کا طلب گار رہوا۔ میں تجھ سے آگ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرمادے تیرے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرسکتا''۔

''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس حدیث کو جلال الدین سیوطی نے جامع الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اسی حدیث کو ابن السنی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت بلالؓ (جو موذن رسول ﷺ تھے) سے روایت کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نماز کے لیے نکلا کرتے تو یوں فرماتے۔

بسم اللہ اٰمَنْتُ باللّٰہِ وتَوکلتُ عَلٰی اللّٰہ ولاَ حَوْلَ ولاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ اللّٰھُم اِنِّی اَسألُکَ بِحَقِ السَائِلِیْنَ عَلَیْکَ وبِحَقِ مَخْرَجِیْ ھَذا فاِنّی لَمْ اُخْرُجْ بَطرًا ولاَ شراً وَلاَ رِیًا وَلاَ سَمعَۃً خَرجْتُ اِبْتِغاء مَرضا تِکَ واتقاء سُخطِکَ اَسْاَئکَ اَنْ تُعِیْذَ نِیْ مِنَ النَّارِ وتَدْخُلنِی الجَنَّۃَ۔[۴]

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اللہ پر ایمان لایا میں نے اسی پر بھروسہ

---

[۳] مسند امام احمد آلایۃ (۳۔۱۲۱) [۴] لاذکار میں نوری نے کیا روایت کیا اور اسے ضعیف کہا ہے ص ۳۳ ابن السنی۔ عمل الیوم واللیلۃ حدیث نمبر ۸۳

کیا اللہ کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے میرے اس نکلنے کے صدقے میں غرور، شر، ریا کاری یا شہرت کے لیے نہیں نکلا میں تیری رضا کے لیے نکلا ہوں۔ تیری ناراضگی سے ڈرتے ہوئے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ آگ سے مجھ بچا اور جنت میں مجھ داخل فرمادے۔

اس حدیث کو البیھقی نے کتاب الدعوات میں اس حدیث کو ابی سعید سے روایت کیا ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ذی شان ''بحق السائلین علیک'' اس بات پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والوں کے حق سے سوال کرنا جائز ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ اسی طرح متوسل کا اپنی ذات کے صدقے اور اعمال کے صدقے سے اپنے رب سے عرض کرنا جائز ہے۔

جیسا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔

اَسْأَلُکَ بِحقِ مَمْشَایَ هٰذَا اِلَیکَ۔

''یا الٰہی تیرے راستے میں اٹھتے ہوئے میں اپنے ان قدموں کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں''۔

جب حق بمعنیٰ عزت، مقام اور مرتبہ ہوا تو ان سے توسل کرنا بھی جائز ہو گیا۔

مذکورہ حدیث مبارکہ کثیر طرق سے روایت کی گئی ہے جو زندہ وفوت اولیاء کرام کے حق عزت ومقام کے صدقے سے سوال کرنے کے جواز پر دلالت کر رہی ہے اسی طرح اپنے عمل سے بھی توسل جائز ہوا۔ تابعین تبع تابعین اور بعد میں آنے والے لوگ حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق نماز کے لیے نکلتے ہوئے اس دعا کو پڑھتے رہے ہیں۔

اسی طرح کے توسل کے بارے میں طبرانی نے ''الکبری اور الاوسط'' میں اور ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ان تمام نے اس کو صحیح حدیث فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے جب حضرت فاطمہ بنت اسدؓ وفات

پا گئیں انھوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پرورش کی تھی اور انہیں آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا یہ حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ تھی۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے سر کے پاس بیٹھ گئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے میری ماں (آمنہ) کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کے محاسن بیان فرمائے اور کفن کے لیے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور قبر کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا جب لحد تک پہنچ گئی تو اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے گڑھا کھودا۔ جب اس کام سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ اس قبر میں لیٹ گئے اور یہ فرمایا۔

اَللّٰہ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وھُوَحَیٌّ لاَ یَمُوْتُ اِغْفِرْ لامی فَاطِمَه بِنْتِ اَسَد وَسِعْ عَلَیْهَا مَدْ خَلَهَا بِحَقِ نَبِیکَ وِالاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّکَ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔[۵]

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ خود زندہ ہے موت اس کے اوپر نہیں آئے گی یا الٰہی میری ماں فاطمہ بنت اسد کو معاف فرما۔ اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما اپنے نبی کے صدقے اور میرے سے پہلے انبیاء کے صدقے بے شک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اور ابن عبدالبر نے حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت کیا۔ اور ابونعیم نے ''الحیلۃ'' میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ جسے جلال الدین سیوطیؒ نے جامع الکبیر میں بیان فرمایا ہے دلائل النبوت میں امام بیہقیؒ نے صحیح اسناد کے ساتھ ایک روایت بیان فرمائی ہے دلائل النبوت کے بارے میں حافظ ذہبی کا یہ قول پیش نظر رہے انھوں نے فرمایا اس میں ''ہدایت اور نور'' ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔

---

۵ اخرجہ الطبرانی فی المجم الکبیر۔ دیکھئے مجمع الدوائد (۹۔۲۵۶۔۲۵۷) اخرجہ ابونی الحلیلۃ (۳۔۱۲۱)

يَا رَبِّ اَسْأَلُکَ بِحَقِ مُحَمَّدٍ اِلَّا مَاغَفَرْتَ لِیْ.

''یارب العزت میں تجھ سے محمد ﷺ کے صدقے معافی کا طلب گار ہوں''۔

یَا آدَمُ کَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّداً وَلَمْ اَخْلُقْهُ.

''اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا جب کہ میں نے انھیں پیدا بھی نہیں کیا''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہی جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد رَسُوْلُ اللّٰهِ.

میں نے جان لیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام سے لکھا ہے یقیناً وہ تیرا سب سے پسندیدہ بندہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ مجھے کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے جب تو نے اس کے صدقے سوال کیا ہے تو میں تجھے معاف کرتا ہوں اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ [٦]

اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اسے صحیح حدیث کہا ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

وَهُوَ آخِرُ الانبیاءِ مِنْ ذُرِّیَتِکَ.

''وہ تیری نسل میں آخری نبی ہوگا''۔

اور اسی قسم کے توسل کی طرف اشارہ کیا ہے امام مالک نے بنو عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کو جب وہ حج کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے لیے آیا۔ اس نے امام مالک سے سوال کیا جب آپ مسجد نبوی میں حاضر تھے اے ابو عبداللہ یہ تو بتایئے میں قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا حضور علیہ السلام کی طرف منہ کر کے مانگوں امام مالک نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے منہ کو مت پھیرو کیونکہ یہ تیرا وسیلہ

٦۔ المستدرک کم .... (٢۔٦١٥) تاریخ دمشق لابن عساکر

ہیں اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اپنا چہرہ ان کی طرف پھیر اور انسے شفاعت کا طلب گار بن تب اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَلَو اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَلَمُوۡا اَنۡفُسَھُمۡ جَاؤُ وکَ فَاسۡتَغۡفَرُو اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَھُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَابًا رَحِیۡمًا.

''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا پاتے''۔

اس واقعہ کو قاضی عیاض نے الشفا شریف میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام سبکی نے اسے اپنی کتاب ''شفاء السقام فی زیادۃ خیر الانام'' میں ذکر کیا ہے۔

السید السمہودی نے ''خلاصہ الوفا'' میں روایت کیا ہے۔

علامہ القسطلانی اسے ''المواہب اللدنیہ'' میں بیان کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر نے ''تحفۃ الزوار'' اور الجوہر المنظم بالمنتظم'' میں اسے بیان فرمایا کہ یہ روایت امام مالکؒ سے روایات صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔ جس میں کوئی طعن نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے مواہب کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن فہد نے اس روایت کو عمدہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے قاضی عیاض نے الشفاء میں جن اسناد کے ساتھ اسے روایت کیا ہے وہ تمام راوی ثقہ ہیں اور ان میں کوئی جھوٹا نہیں ہے۔ اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اس آدمی کا رد کیا جائے جسے اس روایت پر یقین نہ ہو اور اس کا بھی رد ایت کیا جائے جس آدمی نے یہ کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک قبر انور کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے اس کی یہ بات بھی غلط ہے۔

توسل کی چھٹی صورت

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تبرکات کو وسیلہ بنانا

آپ ﷺ کے تبرکات کا وسیلہ جائز اور درست ہے کیونکہ آپ کے سامنے یہ عمل ہوا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا اور اسی طرح آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی نشانیوں کو مخصوص فرمادیا ہے جس کو آپ نے چھولیا از راہ کرم کسی کے ساتھ خاص برتاؤ کیا ان سے تبرک اور نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اسماء بنت ابوبکرؓ نے ایک طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا نبی کریم ﷺ یہ جبہ پہنا کرتے تھے پس ہم اس کو دھوتے ہیں اور اس کا دھون مریض کو پلاتے ہیں۔ جس سے وہ شفایاب ہو جاتے ہیں بعد میں ایسا ہی ہوتا رہا اور لوگ شفایاب ہوتے رہے''۔

قاسم بن مامون کے غلام کے پاس نبی کریم ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا وہ اس میں پانی ڈال کر مریضوں کو پلاتے جس سے وہ شفایاب ہو جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب وضو فرماتے تو صحابہ کرامؓ وضو کے پانی پر جھپٹ پڑتے اور آپس میں ایک دوسرے سے پانی کے حصول کے لیے جھگڑتے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کا کوئی بال نیچے نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ اس کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے بلکہ حضور علیہ السلام نے خود صحابہ کرام میں سے حضرت ابوطلحہ کی ڈیوٹی لگادی کہ جب میں بال کٹوایا کروں تو میرے بال صحابہ کرام میں تقسیم کر دینا تا کہ وہ ان سے تبرک حاصل کریں۔ [1]

ابو جحیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بطحاء کی طرف نکلے آپ نے وہاں وضو فرمایا پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نماز ادا فرمائی لوگ کھڑے ہوئے اور آپ علیہ السلام سے ہاتھ ملا کر انھیں اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ملنے لگے ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے دست مبارک پر اپنا چہرہ رکھ دیا میں نے محسوس کیا کہ وہ

---

[1] صحیح البخاری..... شرح القسطلانی (٦۔٢٩)

برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا اسے امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے حدیث کے الفاظ۔

یَمْسَحُونَ بِهَا وُجُوهَهُمْ.

''کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھر لیا''۔اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضیلت بزرگ اور اولیاء کرام کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے ورنہ آپ منع فرمادیتے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آدمی کا علاج فرماتے جس کو پھوڑا یا زخم وغیرہ ہوتا۔اس طرح کہ آپ علیہ السلام اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھ دیتے پھر اسے یوں ارشاد فرماتے ہوئے اٹھا لیتے تھے۔

بسم اللّٰہ تُربَۃ'' ارضِنا بِرِیقَۃ'' بَعضُنا یشفی سَقیمَنا بِاذنِ رَبِّنا.[۲]

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں ہماری زمین کی مٹی، ہمارے بعض کے تھوک سے ہمارے بیماروں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء ہوتی ہے''۔

یعنی ہماری زمین کی مٹی ہم سے بعض کے تھوک سے گوندھی ہوئی ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی انگلی مبارک پر تھوک مبارک لگاتے پھر اسے زمین پر رکھ دیتے تاکہ مٹی اس کے ساتھ لگ جائے۔پس آپ اس مٹی والی انگلی کو اس مرض والی جگہ پر لگاتے اور پھر یہ ارشاد فرماتے جب آپ علیہم السلام اس مریض پر مسح کر رہے ہوتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک سے برکت حاصل ہو۔مزید تفصیلات کے لیے مشکوۃ کی شرح ملاحظہ ہو۔

سیرت رسول عربی ﷺ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ آپ کے تبرکات اور نشانیوں سے دم کیا گیا۔آپ علیہ السلام کا پسینہ، خون، لعاب، کپڑے اور آپ کی رہائش

---

۲ مسلم شریف.......شرح النووی (۹_۶۲) سنن ابی داؤد......(۲_۳۳۹)

گاہیں جن کو آپ نے مشرف فرمایا ان تمام اشیاء سے امت کے صالحین نے بطور تبرک استفادہ کیا۔

آپ ﷺ کی ریش مبارک کے بال مسلمان حکمرانوں کے پاس بطور تبرک محفوظ رہے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ اکثر انہیں اپنے خزانوں میں رکھتے تھے۔

بعض موئے مبارک کردستان میں اب بھی موجود ہیں ہمارے سامنے کئی دفعہ قحط پڑا اور بارشیں کم ہو گئیں تو ان موئے مبارک کو خاص صندوق سے نکالا گیا ہم سب اس کے گرد اکھٹے ہوتے اور حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھتے اور ان موئے مبارک سے وسیلہ پکڑتے پس بارش نازل ہوتی تھی۔

بعض اوقات جب مسلمانوں کے قریبی علاقوں میں دشمن کا خوف بڑھ جاتا تھا تو وہ ان موئے مبارک کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے تبرکات سے توسل کرنے سے مسائل اللہ کے فضل سے حل ہو جاتے ہیں۔

یہ آیت مبارکہ تو آپ نے پڑھی ہوگی۔

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِي يَاتِ بَصِيرًا۔ ۳

''(حضرت یوسف علی السلام نے بھائیوں سے فرمایا) میری یہ قمیض لے جاؤ پس اسے میرے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے''۔

توسل کی ساتویں صورت

دم اور تعویذ سے توسل کرنا

شرعی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ دم کا پڑھنا اور تعویذ کا لکھنا نفع دیتا ہے اور یہ ان عمومی اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ بخاری شریف

۳۔ سورہ یوسف......... آلایۃ (۹۳)

اور دوسری کتب احادیث سے اس بات کی طرف راہنمائی ملتی ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کو پڑھ کر دم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ دم کرنا جائز ہے اسی طرح سے ان دعائے ماثورہ کو بطور دم پڑھنا جائز ہے جو حضور علیہ السلام سے منقول ہیں اس کے علاوہ وہ دعائیں اور دم جو صالحین امت سے منقول ہیں اگر وہ شرک سے پاک کلمات ہیں تو ان کا پڑھنا اور دم کرنا جائز ہے۔[1]

وہ حدیث طیبہ جو شرعی دم اور غیر شرعی دم کی وضاحت کرتی ہے۔ وہ خارجہ بن الصلت سے روایت ہے اور وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور جب واپس اپنے قبیلے کی طرف جارہے تھے تو آپؓ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے کہ اس میں ایک پاگل آدمی تھا جسے انھوں نے لوہے کی زنجیروں سے باندھ رکھا تھا انھوں نے ان سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھلائی کو پھیلانے والے ہیں کیا تمہارے پاس کوئی ایسی شے ہے جس سے اس پاگل کا علاج کیا جا سکے۔ یہ کہتے ہیں میں نے اسے سورہ فاتحہ کا دم کیا اور تین دن تک صبح شام اسے دم کرتا رہا پس وہ آدمی ٹھیک ہو گیا۔ قبیلے والوں نے مجھے دو سو بکریاں دیں میں ان بکریوں کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور تمام صورتحال سے آپ کو آگاہ کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

خُذْهَا فَلَعُمْرِیْ مَنْ اَکَلَ رُقْیَةَ بَاطِل " فَقَد اَکَلْتَ رُقّیَةِ حقٍ.[2]

"اس معاوضے کو لے لو مجھے اپنی عمر کی قسم جس نے (باطل شرکیہ) کا معاوضہ کھایا وہ حرام ہے تو نے جو معاوضہ کھایا ہے وہ حلال دم کا کھایا ہے جو جائز ہے اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤدؒ کے الفاظ کچھ یوں ہیں "تین دن اور رات صبح وشام جب بھی وہ دم

---

[1] نیل الاوطار..........(۸_۲۳۹) [2] ابوداؤد..........(۲_۳۳۹_۳۴۱)

کو ختم کرتا وہ اپنی تھوک اکٹھی کرتا پھر اس کے اوپر پھیلا دیتا'' ابن ابی حرہ نے کہا کہ تھوک کو دم کرنے کے بعد پھیلاتا تھا تا کہ اعضا میں بھی تلاوت کے مبارک اثرات سرایت کر جائیں۔

اور حضور علیہ السلام کا یہ قول کہ ''بزقیۃ باطل'' اس کا مفہوم یہ ہے وہ کلام جس میں شرکیہ کلمات استعمال کیے گئے ہوں وہ حرام اور مکروہ ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ کلام جو شرکیہ کلمات سے پاک ہو اس سے دم کرنا جائز ہے۔

اسی بات کی تائید حضرت ابو سعید الخدریؓ کی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔وہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ سفر کی حالت میں تھے ہماری تعداد 30 کے قریب تھی جب وہ ایک عرب قبیلے کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اس قبیلے سے کھانے کو کچھ مانگا لیکن انھوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ جب رات ہوئی تو وادی میں پڑاؤ کرنا پڑا۔ رات کو اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انھوں نے اسے بہت سی ادویات دیں لیکن آفاقہ نہ ہوا ان میں سے کسی نے کہا کہ آج جو قبیلہ آیا ہے اس سے پوچھ لو ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی اس کا علاج کر سکے پس وہ آئے اور پوچھا کہ کیا تمہارے میں کوئی دم کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ہمارے میں دم کرنے والا ہے۔ لیکن یہ اس وقت تک نہ ہوگا جس وقت تک تم جرمانہ ادا نہ کرو۔ کیونکہ تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی ہے۔ پس انہوں نے 30 بھیڑیں ہمیں دیں۔ اور ہم آدمی بھی 30 ہی تھے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس ڈسے ہوئے سردار پر تین بار سورہ فاتحہ پڑھی وہ اس قدر ٹھیک ہو گیا گویا اس کے پاؤں کی بیڑی کھل گئی ہو۔

حضرت ابو سعیدؓ نے اس پر صرف سورہ فاتحہ پڑھی کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

فَاتِحةُ الْکِتَابِ شِفَاءٌ مِن کُلِّ دَاءٍ. [۳]

''سورہ فاتحہ میں ہر مرض کا علاج ہے''۔

مذکورہ صحابہ کرامؓ نے ان بھیڑوں کو نہیں کھایا اور کہا کہ ہم کتاب اللہ کے اوپر اجر

---

[۳] جامع الصغیر (۲۔۱۲۲)

کیسے لے سکتے ہیں۔

جب مدینہ المنورہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ کہہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اَحَقُّ وفی روایة اَنَّ اَحسَنَ مَا اَخذْتُمْ عَلَيْه اَجرًا كِتاب اللّٰه تعالىٰ. [۴]

''بے شک درست ہے ایک روایت ہے اچھا ہے جو کچھ تم نے کتاب اللہ پر اجر لیا ہے''۔

آپ ﷺ نے سہل بن حنیف کو دم فرمایا انھیں عامر بن ربیع کی نظر لگ گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے عامر ابن ربیع سے فرمایا کہ اپنا چہرہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے اور ازار بند کے نیچے سے ان تمام کو دھوڈالو۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ پانی سہل بن حنیف پر انڈیل دو۔ ایسا ہی کیا گیا تو وہ فوراً صحیح ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نظر لگانے والے کو یہی حکم فرمایا کرتے تھے۔

دم کرنے کے سلسلے میں آپ علیہ السلام کے علاوہ جس آدمی کو بھی یہ صورت حال درپیش ہو۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے دم میں اور آپ کے امتی کے دم کرنے میں فرق ہے کیونکہ دونوں کے مقام و مرتبہ میں فرق ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے اور جو بھی آدمی یہ عمل صالح کرے۔ گا اور اس ذریعے سے وسیلہ پکڑے گا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔

احادیث مبارکہ میں دم کرنے اور تعویز وغیرہ سے منع بھی کیا گیا ہے لیکن وہ ان لوگوں کو منع ہے جو اس بات کا اعتقاد رکھیں کہ دم یا تعویز بنفسہ نفع دیتے ہیں۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا کہ وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ اشیاء نفع و نقصان دے سکتی ہیں۔

یا وہ دم اور تعویز منع ہیں جن میں شرکیہ یا مکروہ کلمات پڑھے یا لکھے گئے ہوں۔ لیکن حضور علیہ السلام کا دم فرمانا سنت متواترہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

---

[۴] سنن ابی داؤد (۲۔۳۴۰)

توسل کی آٹھویں صورت

نبی کریم ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست توسل

یا رسول اللہ ﷺ کہنا یا اس طرح کہنا کہ "اے میرے آقا یا مرشد مجھے اس دنیاوی مشکل سے نجات دلوایئے۔ مثلاً کسی سے دشمنی ہو جانا۔ یا کوئی روحانی مشکل ہو جیسے نفسانی وسوسے وغیرہ اس قسم کا وسیلہ اگر مجازی معنی میں ہو تو جائز ہے مثلاً متوسل کی نیت یہ ہو کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے دعا فرمایئے یا میرے لیے سفارش فرمایئے تا کہ میں اس مشکل سے چھٹکارا پاؤں۔

اس طرح کے وسیلے میں مطلوب تک رسائی ممکن اور آسان ہو جاتی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

فَكَمْ شَفِىَ مَرِيْضٌ " بِتَوَجُّهَاتِهِمْ
وَكَمْ قُضِيَتْ حَاجَاتٌ " بِارْشَادَاتِهِمْ

"کتنے ہی مریض ہیں جو صرف آپ کی توجہ سے شفایاب ہو گئے اور کتنے ہی مسائل ہیں جو آپکے حکم سے حل ہو گئے"۔

اور یہ روایت بھی درست ہے کہ جب حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا آپ علیہ السلام نے انسے اس کی جگہ پر رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو حضرت قتادہ فرماتے ہیں مجھے بعد میں یاد ہی نہ رہا کہ کون سی آنکھ نکلی تھی۔

ابن ملاعب نے استسقاء کے مرض سے اس وقت چھٹکارا پایا جب وہ اس کے علاج سے مایوس ہو چکے تھے آپ علیہ السلام نے مٹی کے ایک ڈھیلے پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ تو وہ اس سے تندرست ہو گئے۔

مگر یہ بات درست نہیں کہ جن الفاظ سے آپ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں یا اس

سے دعا کرتے ہیں انہیں الفاظ کے ساتھ آپ حضور علیہ السلام کو یاد کریں۔ یہ ناجائز ہوگا۔

اگرچہ پکارنے والا آپ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہی کو پکار رہا ہے مگر جہاں ابہام پیدا ہو جائے اس چیز کو ترک کرنا واجب ہوتا ہے مصنف فرماتے ہیں کہ ہم نے کبھی کسی عقلمند مسلمان کو ایسے الفاظ سے دعا مانگتے نہیں سنا اور وہ مسلمان جو جاہل یا ایسا دیہاتی ہو جو احکامات دین سے ناواقف ہو تو وہ ایسے الفاظ سے پرہیز کرے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضور کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہیں جن میں آپ علیہ السلام کو دعا کرنے والا یا مراد تک پہنچنے کا وسیلا کہا گیا ہو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مسلمان کبھی ایسے الفاظ نہیں بولتا جو ابہام پیدا کریں اور مندرجہ ذیل الفاظ بھی ایسے مفہوم سے پاک ہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اِشْفَعْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ''یا رسول اللہ میری سفارش فرمائیے''۔

اَسْأَلُکَ الشَّفَاعَۃَ لِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ''میں آپ سے بروز قیامت شفاعت کا طلب گار ہوں''۔

اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ علیہ السلام عرض کریں کہ وہ میری مغفرت فرمائیں اور مجھے جنت میں داخل فرمائیں۔ یا کوئی یوں کہے یا رسول اللہ میرے لیے آپ میری اس مشکل سے نجات کا وسیلہ بن جائیے''۔

یا یوں عرض کرے۔

اُدْعُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْ یَشْفِیَنِیْ اَوْ یُعِیْنَنِیْ عَلٰی حُصُوْلِ مَقْصُوْدِیْ.

''آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا عطا فرمائے اور یا میرے مقصد کے حصول کے لیے میری مدد فرمائے''۔

مذکورہ بالا تمام عبارات کا مقصد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اسی سے مدد طلب کرنا ہے اسی کی بارگاہ میں التجاء کرنا ہے اور حضور علیہ السلام کو وسیلہ بنانا مقصد ہے اور یہ ایک جائز

عمل ہے کیونکہ آپ ﷺ کا شفاعت کرنا ثابت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

مَنْ ذَاالَّذِي يَشْفَعُ عِندَه' اِلَّا بِأِذْنِهِ [1]

''کون ہے جو اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے مگر اس کی اجازت سے''۔

ولا يشفعون الا لمن ارتضى [2]

''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کیلئے وہ راضی ہوگا''

لا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَه' الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَه' قَوْلاً [3]

''اس دن نہیں نفع دیگی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا اس کے قول کو''۔

ان آیات میں انبیاء کرام اور دیگر افراد کی شفاعت کا ذکر ہے اور شفاعت کے ثبوت کے لیے یہ بڑی دلیلیں ہیں اس کا انکار عقلمندی نہیں ہے اور آپ ﷺ کی شفاعت کے بارے میں احادیث حد تواتر کے قریب ہیں۔

اسی طرح حضور ﷺ سے معروف لغوی معنی میں یا عرف عام کے اعتبار سے مدد مانگنا درست ہے آپ عمومی وسائل اور معروف و مروجہ اسباب کے ذریعے فریاد کرنے والے کی امداد فرماتے ہیں اسی طرح معروف معنیٰ میں بھی آپ علیہ السلام سے مدد طلب کرنا منع نہیں ہے۔

اس میں آپ ﷺ حسب وسعت و طاقت اکتسابیہ مدد طلب کرنے والے کی امداد فرماتے ہیں جس سے وہ مصائب و مشکلات سے چھٹکارا پاتا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت عالیہ سے ہر شے کا سبب پیدا فرمایا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

---

[1] سورہ البقرۃ.........آلایۃ (۲۵۵) [2] سورہ الانبیاء.................آلایۃ (۲۸)

[3] سورہ طٰہٰ............آلایۃ (۱۰۹)

وآتَیْنَاہُ مِنْ کُلِّ شَیءٍ سَبَبًا فَأتْبَعَ سَبَبًا۔ ۴؎

''اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر''۔

اکتسابی اسباب بے شمار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہیں اسباب میں سے ایک سبب مدد کرنے والے یا حاجت روا کی مدد طلب کرنے والے یا حاجت مند کی طرف توجہ ہے اور یہ بات بھی اسباب میں سے ہے کہ مدد کرنے والا حاجت روا اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق سائل کی مدد کرے۔

معروف اکتسابی معنیٰ میں استغاثہ کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَاسْتَغَاثَہُ الَّذِیْ من شِیعتِہٖ عَلَی الَّذِی مِن عَدُوِّہٖ فوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ۔ ۵؎

''پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلے میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا''۔

اور معلوم اکتسابی معنیٰ میں مدد کرنے والے کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔

یَاایُّھا الذِیْنَ آمَنُوْا اِسْتَعِیْنُوا بالصَّبْرِ والصَّلاۃ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ ۶؎

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور حضوعلیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی کہ

اِسْتَعِیْنُوا عَلٰی قَضَاءِ حَوائِجِکُمْ بالکِتْمَانِ۔ ۷؎

''اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں راز سے کام لو''۔

اللہ رب العزت کا یہ فرمان ذی شان بھی یہی راہنمائی فرماتا ہے۔

۴؎ سورہ الکھف .... آلایۃ (۸۴۔۸۵) ۵؎ سورہ القصص .... الایۃ (۱۵)

۶؎ سورہ البقرہ .... الایۃ (۱۵۳) ۷؎ البہقی الطبرانی۔الحلیلۃ

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.۸

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو"۔

بے شک تعاون باب تفاعل سے ہے اور اس باب میں مشارکت پائی جاتی ہے۔ گویا مفہوم یہ ہوا کہ تیرا کسی آدمی کی مدد کرنا جب وہ تیرے سے مدد مانگے۔ اسی طرح سے اس کا تیری مدد کرنا جب تو اس سے مدد مانگے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنَ.۹

"یاالٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں"۔

اور حضور علیہ السلام کا یہ حکم جو آپ نے عبداللہ بن عباسؓ کو فرمایا تھا۔

واذا سالت فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فاستعِنْ باللّٰهِ.۱۰

مذکورہ بالا دونوں احکامات میں مدد کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مدد کی تخصیص کا مفہوم یہ ہے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اور جس سے مدد طلب کی جا رہی ہے یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس میں خوبی کا ہونا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے یہ تمام افراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَكِيْل".۱۱

"اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے"۔

تو پھر استعانت کا مفہوم یہ ہوگا کہ مدد کا پیدا کرنا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور

---

۸ سورۃ المائدہ..........آلایۃ (۲)　　۹ ترمذی.....مسند امام احمد (۲۶۹۳۳)

۱۰۔ ترمذی.....مسند امام احمد (۲۶۹۔۲۳۳) ۱۱۔ سورہ زمر ....آلایۃ (۶۲)

امداد طلب کرنے کا معنی یہ ہوا کہ لوگوں سے میسر اور ممکنہ مدد طلب کرنا یہ اس آدمی کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جس سے مدد ممکن ہو جیسا کہ لفظ "ہدایۃ" ہے یہ ہدایت اور نور بصیرت پیدا کرنے کے معنی میں ہے۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس مقدس ذات کے سوا کسی میں یہ خاصیت نہیں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

اِنَّکَ لاَ تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ. [12]

"بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے"۔

اور یہ راستہ دکھانے یا لوگوں کی راہنمائی کرنے کے مفہوم میں بھی آیا ہے۔

اِنَّ ھٰذَا الْقُرآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ. [13]

"بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راستوں سے سیدھی ہے"۔

انبیاء و مرشدین کے لیے بھی حق کی طرف ہدایت اور اس کی حفاظت کی نسبت کی جاتی ہے پس لازم ہے کہ مذکورہ امور کا خیال رکھا جائے اور قرآن مجید اور احادیث طیبہ کے الفاظ کے معانی پر آگاہی حاصل کی جائے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے صراط مستقیم پر گامزن ہو سکیں۔

فرمان الٰہی ہے۔

رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ. [14]

"ایک اور جگہ پر بڑے پیارے انداز میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[12] سورہ القصص .... الایۃ (۵۶) [13] سورہ الاسرار .... (۹)

[14] سورۃ آل عمران (۸)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ۱۵

''اے نبی مکرم کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے''۔

اللہ تعالیٰ کا، آپ کے لیے کافی ہونا یہ ہے کہ وہ آپ کی کامیابی کے لیے اسباب پیدا فرمائے۔ اور مومنین کی آپ کے لیے کفایت یہ ہے کہ وہ اپنے آقا علیہ السلام کے دین کی خدمت کریں اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جہاد کریں دنیا میں کامیابی کے اسباب کو جمع کرنے کی تیاری کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ''سنت'' کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ ۱۶

''یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔

کامیاب ہونے والا توفیق یافتہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے اور کامیابی اور سعادت کے حصول کے لیے وہ اسی پر توکل کرتا ہے اور وہ شرعی اسباب کو مہیا کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ترقی اور کامیابی کے لیے دنیا میں پیدا فرمایا ہے۔ پس ان دونوں امور کو جمع کرنا ہی حکمت ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ ۱۷

''اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی''۔

ہائے افسوس! مسلمانوں نے حضور ﷺ کا مادی اور معنوی جہاد بھلا دیا کہ آپ نے دشمنان اسلام سے جنگیں فرمائیں لشکروں کو تیار کیا بہادری کے کارہائے نمایاں دکھائے اور معاہدے بھی کیے۔ اور ہجرت کا حکم بھی ارشاد فرمایا ان تمام احوال میں آپ نے اپنے رب کریم کی طرف رجوع کیا اور اسی پر توکل فرمایا۔

---

۱۶ سورہ الفتح (۲۳) ۱۷ سورۃ البقرہ (۲۶۹)

اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

آلا اِنَّ اَوْلِیاءَ اللّٰہِ لاَ خَوْف'' عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. ۱۸؎

''سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کے مطابق نبی کریم ﷺ سے آپ کی زندگی اور ظاہری زندگی کے بعد توسل ووسیلہ جائز ہے اسی طرح آپ علیہ السلام کے علاوہ انبیاء ومرسلین اور اولیاء صالحین سے توسل کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ سابق ابواب میں احادیث طیبہ گزر چکی ہے ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ پیدا کرنے بنانے یا تاثیر پیدا کرنے کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں اسی طرح باقی زندہ یا مردہ کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے۔

نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء ومرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین سے توسل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور اسی طرح اولیاء وصالحین سے توسل بھی اسی اصول کے مطابق ہے اور ان کے زندہ ہونے اور فوت شدہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔کیونکہ وہ کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی چیز میں ذاتی طور پر تاثیر پیدا کر سکتے ہیں ان سے صرف برکت حاصل کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں پیدائش۔ایجاد۔تاثیر یہ سب امور اللہ وحدہ لاشریک کے شایان شان ہیں۔

اور وہ لوگ جو زندہ اور فوت شدہ لوگوں سے توسل میں فرق کرتے ہیں اور توسل کو زندہ لوگوں سے مخصوص کرتے ہیں اور فوت شدہ لوگوں سے ان کے نزدیک توسل کرنا درست نہیں ہے ان لوگوں سے بھی لغزش ہوئی کیونکہ وہ یہ خیال کرتے ہیں زندہ لوگوں کے اعمال وافعال میں تاثیر ہوتی ہے حالانکہ اس قسم کا عقیدہ درست نہیں کیونکہ تاثیر اصلی تو مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جبکہ ارواح سے افادہ فیوض وبرکات اور استفادہ

۱۸؎ سورۃ یونس (۶۲)

ہو سکتا ہے اور وہ ارواح اللہ کی طرف توجہ دیتی ہیں تا کہ متوسل یا وسیلہ پکڑنے والے کے لیے رحمت کا سوال کریں۔ اور یہ جائز امر ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جو کسی بھی لغزش سے پاک ہے اس میں زندہ یا مردہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

اس سلسلے میں انکار کرنے والوں کو ایک شبہ ہے کہ فوت شدہ جسم تو جامد وساکت ہوتے ہیں نہ ان میں روح اور نہ ہی احساس اور نہ حاضرین سے مخاطب ہونے کی صلاحیت تو توسل کیسے جائز ہوا ان حضرات کا یہ شبہ درست نہیں ہے کیونکہ انبیاء ورسل کے اجسام خراب نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء ومرسلین کے جسم کو حرام قرار دیا ہے اور ان کی ارواح بھی باقی اور ثابت ہیں ان مقدس نفوس کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شعور کی نعمت بھی حاصل ہے اور جب مسلمان ان پر صلوۃ وسلام پڑھتے یا ان کا وسیلہ پکڑتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اس بارے میں علم عطا فرما دیتا ہے۔

عقل مند آدمی کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ تشہد میں نبی کریم ﷺ کو براہ راست خطاب کیا جاتا ہے اور ہر مسلمان نماز میں یہ کہتا ہے۔ کہ

''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ''.

''اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو''۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ۔

فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی. [19]

''پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے''۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ. [20]

''بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں

---

[19] سورہ النمل (۸۰) سورہ الروم (۵۲)

[20] سورہ فاطر (۲۲)

ہیں"۔

بے شک اگر اللہ تعالیٰ سننے کی صفت کی تخلیق نہ فرماتے تو کوئی بھی آدمی نہ سن سکتا حتیٰ کہ بیداری کے عالم میں بھی کوئی سننے کی صلاحیت نہ رکھتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں سناتے ہیں۔ آپ کو یاد نہیں کیسے حضور ﷺ نے مقتولین بدر کو خطاب فرمایا جب کہ ان کو گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کا ایک فرمان ذی شان ہے کہ مردہ چلنے والوں کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے اس طرح تو دفن کے بعد مردہ کو تلقین بھی ناجائز ہوئی۔ اگر کچھ لوگوں کا یہ شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تو کسی میں تاثیر کی صلاحیت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم فوت شدہ آدمی سے تاثیر یا ایجاد کا ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ اس قسم کا نظریہ تو ایمان اسلام اور توحید کے منافی ہے۔

اگر الفاظ کی بناء پر شبہ ہے تو ان غیر محتاط الفاظ کا تدارک کر کے یا مسلمان کی تھوڑی سے تربیت کر کے بندگی کے عین مطابق الفاظ کو بولا جا سکتا ہے۔

توسل کو مطلقاً ناجائز قرار دینا جب کہ صحیح احادیث مبارکہ میں اس کا ثبوت موجود ہے انتہائی نامناسب ہے اور یہ کام حضور علیہ السلام آپ کے صحابہ کرام امت مسلمہ کے سلف وخلف سے صادر ہوا ہے اور توسل کو شرک وکفر قرار دینا اسلام کے صریح قوانین کے خلاف ہے اسلام میں کسی کو کافر قرار دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم (نعوذ باللہ) کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ثبوت بھی موجود ہے جسکی تاویل کرنا مشکل ہو تو اس صورت میں کسی کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔

کفر تو بہت بڑی بات ہے حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ امت گمراہ بھی نہیں ہو سکتی۔

لَا تَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ.

ا نیل الاوطار..........(8-239)

''میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی''۔

یہ ایک مشہور و معروف حدیث ہے جس کے بارے میں بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ متواتر حدیث ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ اس کی توثیق کرتی ہے کہ۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو''۔ (سورۃ آل عمران)

جب یہ واضح آیات و احادیث موجود ہیں تو سب مسلمان یا ان کی اکثریت کیسے گمراہی پر اکھٹی ہو سکتی ہے جب کہ یہ بہترین امت کا لقب پا چکی ہے۔

جب ہم روضہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کو خطاب کرتے ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کو مخاطب کرنا دین میں جائز ہے جیسا کہ ہم ہر تشہد میں آپ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہیں گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی روح مبارک کو بلند درجات عطا فرما رکھے ہیں وہ مقدس روح ایسے فضائل سے متصف ہے کہ جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو نمازیوں کے درود شریف اور غائب و حاضر افراد کے سلام کی خبر اور علم عطا فرما دیتا ہے۔

جب ہم نبی کریم ﷺ سے توسل کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے ہم آپ سے دعا کے طلب گار ہوتے ہیں اور دعا کا طلب کرنا جائز امر ہے آپ علیہ السلام کی روح پاک کا مادی دنیا سے تعلق اور برزخی دنیا سے تعلق رکھنے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ارواح جب عالم برزخ میں چلی جاتی ہیں تو وہ عالم دنیا سے زیادہ صاف اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔

اور جب ہم آپ علیہ السلام کی ذات مقدسہ کو وسیلہ بناتے ہیں یا آپ کے عظیم مرتبہ و مقام یا آپ کے حق جسیم ''یعنی آپ کا بندگی کے لحاظ سے محض اللہ کے کرم سے جو مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے یا آپ کی اطاعت، اعمال اور جہاد فی الدین میں فضیلت کو

---

۳ ابوداؤد ....(2-339-341)

وسیلہ بناتے ہیں تو یہ روایات صحیحہ کی روشنی میں درست ہے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور جب حضور ﷺ سے شفاعت کا قصد کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ معزز شفاعت فرمانے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قابل قبول بھی ہے آپ علیہ السلام کا شفاعت فرمانا ثابت ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے محض کرم وفضل سے مقبول ہونا بھی ثابت ہے کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ شفاعت سے روکے یا اس کا انکار کرے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ شرک ہے یہ شرک کا وہم محض ان کو شرک کے معنی سے عدم واقفیت کی بنیاد پر ہوا ہے شرک یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی الوہیت ربوبیت یا تخلیق میں کسی کو شریک ٹھہرائے۔یعنی یہ عقیدہ ہو کہ مذکورہ صفات میں کوئی ذات اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہے تو یہ شرک ہوا۔لیکن کہاں شرک اور کہاں حضور علیہ السلام سے توسل کرنا جب کہ ان کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے رسول اور نبی معظم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شفاعت اور وسیلہ اور مقام محمود مخصوص فرما دیا ہے۔

وسیلہ پکڑنے والے اہل ایمان کو بتوں کے بجاریوں پر قیاس کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل پیش کرنا کہ

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى.[21]

''ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں''۔

اور اسی طرز کی مزید آیات مبارکہ سے دلیل پکڑنا۔اصل میں سچ سے منہ موڑنے اور حقیقت سے انحراف کرنے کے مترادف ہے اندھے، جاہل اور گمراہ بت پرست قوم اور ہدایت یافتہ ملت اسلامیہ جو اللہ وحدہ لاشریک پر یقین کامل رکھتی ہے دونوں کو ایک ترازو میں تولنا کہاں کا انصاف ہے۔وہ آدمی جو قرآن پاک پڑھتا ہو اور اس کے معانی و مفہوم سے

---

[21] سورہ الزمر.........آیت (۳)

واقفیت رکھتا ہو کیا اس کے نظریات جاہل بت پرستوں جیسے ہوں گے اپنے وقت کے عظیم علماء و مدرسین کی نظر سے کیا یہ آیت نہیں گزری ہو گی کہ۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَر" مِثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰه" وَاحِد". ۲۲

''کہہ دیجئے کہ میں تو تمہاری زندطرح انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنے رشتہ داروں کو رب کے عذاب سے ڈرایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. ۲۳ ''اور ڈرایئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو''۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان مذکورہ حقائق کو ملاحظہ کرے گا تو یہ ساری امت مسلمہ کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوگا اور عام آدمی اس سے ہدایت پائے گا اور خواص اس کی تائید کریں گے پس دین تو خیر خواہی کا نام ہے اور یہ خیر خواہی اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اس کی کتاب ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کے لیے ہے خیر خواہی شکوک و شبہات سے پاک ہوتی ہے قرون اولیٰ سے آج تک کے مسلمانوں کو گمراہ قرار دینا کہاں کی خیر خواہی ہے۔صدیاں گزر گئیں اور مسلمان ہدایت پر قائم رہے۔

پس ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم بے دریغ اہل قبلہ کو کافر قرار دیں بلکہ یہ فعل حرام ہے الحمد اللہ ہم مسلمان ہیں اور ہم کسی اہل قبلہ کو کافر قرار نہیں دیتے جب تک اس کے خلاف قطعی دلیل یا ٹھوس ثبوت نہ ہوں۔کلی طور پر ایک طرف جھک جانا اور حقیقت سے انحراف کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ہم پر لازم ہے کہ افراط وتفریط سے بچا جائے اور درمیانی راستہ اختیار کیا جائے اور ہر حق دار کو اس کا حق دینا چاہیے۔

یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چلنے والے اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ٹھہرتے ہیں وہ نفوس قدسیہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ آپ کے صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ہم پر بھی کرم فرمائے آمین۔

---

۲۲ سورہ الکھف ....آیت (۱۱۰) ۲۳ سورہ الشعراء..........آیت ۲۱۴

محبت رسول ﷺ

محبت رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ آپ کی اقتداء کی جائے اور آپ علیہ السلام کے عقیدہ اعمال، اور اخلاق عالیہ سے متصف ہونے کا نام اقتداء ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ [1]

"کہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ذی شان ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ و الیوم آلاخر [2]

"تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس آدمی کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے"۔

مزید فرمایا

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [3] "اور بے شک آپ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں"۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتمِمَ مَکَارِمَ الاَخْلاَقِ [4] "میں بلند اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

پس سچا مومن وہی ہے جو کامل طور پر آپ علیہ السلام کی اقتداء کرے سوائے ان امور کے جو آپ کی ذات کریم کے ساتھ خاص ہیں حضور علیہ السلام کی محبت سے قرآن وسنت کی محبت پروان چڑھتی ہے اور انسان انھیں سیکھتا اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دیتا ہے محبت رسول ﷺ کی وجہ سے ہی آدمی کتاب وسنت کا دفاع کرتا ہے اور حاملین قرآن یعنی حفاظ وقراء اور محدثین سے محبت کرتا ہے اور ائمہ مجتہدین اور علماء عاملین اور ہر وہ آدمی جو دین متین کی بقاء کے لیے کوشش کرتا ہے ان تمام شخصیات سے محبت کی واحد وجہ محبت رسول ﷺ ہے۔

---

[1] سورۃ آل عمرآن (31)　[3] سورہ قلم (4)

[2] سورہ الاحزاب (21)　[4] مسند امام احمد۔ حاکم۔ المستدرک من حدیث ابی ہریرہ

رسول اللہ ﷺ کی آل اور ازواج کا احترام

حضور علیہ السلام کی آل آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل پاک کا احترام آپ ﷺ کی محبت کا حصہ ہے اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ کی نسل پاک کی خدمت میں لگے رہنا سعادت مندی کی نشانی ہے جب کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں یوں ارشاد ہوا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔[1]

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور علیہ السلام مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں کیونکہ ان کے نفوس ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں جب آپ کسی شے کا حکم فرمائیں اور نفس کسی اور طرف لے جائے اس صورت میں آپ علیہ السلام کی اتباع ضروری ہے اور جب آپ علیہ السلام کسی بات سے منع فرمائیں جب کہ نفس وہ کام کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے رک جانا لازم ہے آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اور راہ ہدایت کے لیے داعی ہیں سب سے بہترین کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین ہدایت حضور ﷺ کی ہدایت ہے جس کسی نے اس کا انکار کیا اس نے خواہش نفسانی کی پیروی کی آپ علیہ السلام کے احکام کے پیروی کرنی چاہیے تا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم پائے فرمان الٰہی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی۔[2]

''اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے یقیناً جنت اس کا ٹھکانا ہوگا''۔

---

1. سورۃ الاحزاب (6)
2. سورۃ النازعات (40)

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یَکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ. ۳

''کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے پیغام کے تابع نہ ہوجائیں''۔

یہی ایمان کامل ہے مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں بنادیا اور انھیں عزت و مقام رفیع عطا فرمایا اور مومنین پر ان کی تعظیم لازم کردی امہات المومنین کی اطاعت کرنا ان کا ادب اور حقوق کا خیال رکھنا اور یہ نظریہ وعقیدہ رکھنا کہ وہ امتیاز والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کے لیے منتخب شدہ ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ. ۴

''اور پاک دامن عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک (دامن) عورتوں کے لیے''۔

اس سلسلے میں دنیا کی کوئی عورت ان کی ہم پلہ نہیں ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ. ۵

''اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی اور عورت کی مانند''۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کا ادب کریں اور دین اسلام کی خدمت کریں اور انھیں یوں حکم ہوا۔

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوتِکُنَّ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ

---

۳ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔ مشکوۃ۔(1-59)

۴ سورہ نور(26)

۵ سورہ الاحزاب(32)

لَطِیْفًا خَبِیْرًا۔ ۶

''یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات سے باخبر ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر طرح سے بھلائی کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلاۃَ وَآتِیْنَ الزَّکاۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا۔ ۷

''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے''۔

یہ آیت مبارکہ اس بارے میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہر طرح کی نیکی کا مظاہرہ دیکھنا چاہتے ہیں اور ناپسندیدہ امر سے اجتناب کا حکم ارشاد فرماتے ہیں یہ الفاظ اس بات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد عورتیں ہیں حضرت عطا، عکرمہ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف آپ علیہ السلام کی ازواج مطہرات ہیں لیکن آیات کے آغاز سے آخر تک یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ عام اہل البیت کو بھی شامل ہے جس میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں۔

کیونکہ جو خاص لفظ ہے وہ ہے ''یُطَهِّرَکُمْ'' کیونکہ رسول اللہ ﷺ علی، حسن، حسینؓ بھی ان میں شامل ہیں اور جہاں عورتوں اور مردوں کو اکٹھا خطاب ہو تو اس وقت

---

۶ سورہ البقرہ.........آلایۃ (153) ۷ سورہ الاحزاب (۳۲)

مخاطب مرد ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حضور علیہ السلام کی صحبت طیبہ کے لیے منتخب فرمایا انھوں نے آپ علیہ السلام کے پاس کافی وقت گزارااور یہ مسلمان عورتوں میں سب سے زیادہ قناعت پسند اور عبادت گزار تھیں۔

مسلمان مردوں اور عورتوں کے ایمان کا حصہ ہے کہ وہ ان کا ادب کریں اور ان کے مقام رفیع اور آپ علیہ السلام کی صحبت طیبہ کے لیے ان کے انتخاب کو پیش نظر رکھیں۔

آل ﷺ کی محبت اور عزت

آل کا لفظ کبھی کبھی تمام امت اجابت [1] کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد لیکن نہ تو لغت اس کی تائید کرتی ہے اور نہ ہی عرف عام میں یہ معنی مراد لیا جاتا ہے بلکہ بعض جگہوں پر قرآن کی روشنی میں اسے استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں یہ مفہوم ہو سکتا ہے کبھی آل کا لفظ ہر متقی پرہیز گار کے لیے بھی بولا جاتا ہے یعنی امت اجابت میں ہر وہ شخص جو پرہیز گار ہو اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہو۔ یہ پہلے معنی سے زیادہ اخص ہے لیکن قرآن کی موجودگی ہی میں لغت اور عرف عام اس کی تائید کرتے ہیں اسی طرح آل کے لفظ سے بنو ہاشم، بنو مطلب اور عبد مناف کی اولاد مراد لی جاتی ہے۔

اور اس بات کی تائید بخاری شریف کی یہ حدیث مبارکہ کرتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رشتہ داروں میں خمس کا بھی پانچواں حصہ تقسیم فرمایا اور جب کہ آپ نے بنو نوفل اور بنو عبد الشمس کو مانگنے کے باوجود چھوڑ دیا اور فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتُ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّمَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ [2]

”بے شک یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہوتے ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں ہیں“۔

اور آل کا لفظ کبھی آپ کی نسل پاک اور قریبی قبیلے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور یہ سابقہ مذکورہ معانی سے زیادہ اخص ہے اس کی تائید حضرت زید بن ارقمؓ کی ہی حدیث طیبہ کرتی ہے کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْشُدُكُمْ اَهْلَ بَيْتِي۔ [3]

---

[1] امت اجابت سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ایمان لائے۔ اس کے مقابلے میں امت دعوت ہے یعنی وہ لوگ جن کو آپ نے دعوت دی خواہ انھوں نے قبول کی ہو یا نہ کی ہو۔ [2] شرح النووی فی ہامش القسطلانی (5-42) سنن نسائی (5-102) [3] الترمذی بلفظ احبوا اہل بیتی......حدیث نمبر ۳۷۸۹)

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے میرے اہل بیت کے بارے میں پوچھے گا آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا"۔

ہم نے زید بن ارقم سے آپ کے اہل بیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا آل علی آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس یہ اہل بیت ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب ہاشم بن عبدالمناف کی اولاد ہیں اور ان میں آپ کے بھائی مطلب کی آل میں سے کوئی بھی شامل نہیں۔

احادیث صحیحہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی آل کا احترام کریں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے دین سے مخلص ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ضرور ہوتی ہے اور وہ ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جس کی نسبت حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ہو وہ آپ علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کا خصوصی احترام کرتا ہے اور آپ کی آل سے محبت کرتا ہے۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس "سنہری لڑی" کا ادب واحترام کے لحاظ سے خصوصی خیال رکھیں جس نے کتاب وسنت کی خدمت کرنے میں اور تبلیغ اسلام میں اپنی زندگیاں صرف کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور حدود میں تمام مسلمان برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے لیکن آل رسول کا ادب واحترام حضور علیہ السالم کی نسبت کی وجہ سے ہے ورنہ احکامات شریعت کی پیروی میں سب برابر ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ آپ علیہ السلام کی آل آپ کی اولاد میں سے نہیں ہے کیونکہ آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی۔ آپ کی آل تو قریبی رشتہ دار اور آپ علیہ السلام کی بیٹی فاطمۃ الزہراءؓ کی اولاد ہیں یہ وہ بات ہے جو مومن صادق کو تکلیف دیتی ہے۔

کیونکہ یہ مقام وراثت نہیں ہے اور نہ ہی معروف اصول کے مطابق نسب بندی

بلکہ یہ مقام تو اس نسلی رشتے کا ہے جو حضور علیہ السلام اور ان لوگوں کے درمیان تھا اگرچہ وہ رشتہ آپ علیہ السلام کی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرہؓ کی نسبت سے ہو یا آپ کے آباؤ اجداد سے آپ کے تعلق کی بنیاد پر ہو۔

جیسا کہ عبدالمطلب کی اولاد کے بارے میں وضاحت گزر چکی ہے۔ اور ان سے اوپر کی اہل علم نے حد بندی کی ہے۔

آقا علیہ السلام سے یہ ایسا رشتہ اور تعلق ہے جسکا کوئی نعم البدل نہیں پس ایک وفادار مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق ادا کرے اور حضور علیہ السلام کے تصدق سے جو ایمان اور ہدایت وراہنمائی کی نعمت عظمیٰ ملی ہے اس کا شکر ادا کرے ہدایت وہ وسیلہ ہے جس سے لوگ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آئے۔ کفر سے ایمان کی طرف آئے جہالت سے علم کی طرف آئے خالی دل فضائل علمی و عملی سے مزین ہو گئے اور اسی طرح مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر اس آدمی کا خیال رکھے جس کا حضور علیہ السلام سے تعلق ہے تو وہ محسوس کرے گا کہ اسکے درمیان اور حضور علیہ السلام کے درمیان ایک قلبی نورانی رشتہ قائم ہو گیا ہے یہی وہ ادب ہے جو مسلمانوں میں نسل در نسل چلا آرہا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس پر استقامت کا سوال کرتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی محبت

صحابہ کرامؓ کی محبت یہ ہے کہ آدمی ان کا حق پہچانے اور ان کی پیروی کرے ان کے کردار عالی کی تعریف کرے اور ان سے بغض نہ رکھے۔ صحابہ کرامؓ کے مقام مرتبہ کی حفاظت اور ان کے آپس کے اختلافات پر زبان درازی نہ کرنا لازم ہے ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مورخین کی معلومات اور جاہل راویوں کی روایات پر اعتماد نہ کرے۔

---

۱۷ سورہ البقرہ (269)

۱۸ سورہ یونس (62)

اس بات میں شک نہیں کہ ہر امت کا ایک تسلیم شدہ دین ہوتا ہے اور وہ اپنے عقائد، احکام اور اہم معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں امت محمدیہ کا مرجع قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہے سنت میں کچھ متواتر ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں متواتر احادیث کے علاوہ مشہور احادیث ہیں اور اس کے علاوہ بھی صحاح ستہ اور دیگر کتب میں مختلف قسم کی احادیث موجود ہیں۔

ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کی نصوص اور متواتر احادیث کے سامنے سر تسلیم خم کرے ورنہ پھر ماضی سے نسبت کا کوئی فائدہ نہیں ضعیف روایات کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہوتا رہتا ہے لیکن قرآن پاک اور احادیث متواترہ اور وہ احادیث جن کی صحت اور عمدگی پر کسی کو شک نہیں ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔

یہ بات جان لینے کے بعد ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ حضور علیہ السلام کے دور کے لوگوں کی قرآن مجید کس انداز میں تعریف فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔[1]

"تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں وہ آپ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آپ کے انوار سے اپنے دلوں کو منور کرتے اور آپ علیہ السلام سے راہنمائی پاتے ہوئے اعمال واحوال اور اخلاق میں ان کی پیروی کرتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔[2]

---

[1] سورہ آل عمران (۱۱۰)   [2] سورہ الفتح ۲۹)

''(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلے میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اسکی رضا کے ان (کے ایمان وعبادت)۔

اس آیت طیبہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفات جمیلہ کو بہت احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔آپ علیہ السلام کی صحبت اور معیت نے صحابہ کرام کے ظاہر وباطن پر گہرا اثر ڈالا۔مثلاً وہ کفار کے مقابلے میں شدت پسند، مضبوط اور بہادر تھے اور باہمی الفت ومحبت کے اعتبار سے بڑے نرم دل تھے۔خیر خواہی میں سب سے ممتاز تھے پھر ان کے مسلسل عبادت کا ذکر ہوا تو افضل ترین عبادت یعنی نماز کو بیان فرمایا گیا اور پھر نماز کے اہم ترین ارکان کا تذکرہ ہوا تعریف کا انداز یہ کہ رب کریم خود فرما رہے ہیں کہ ان کی یہ عبادت وریاضت میری رضا کے لیے ہے اور ان کا امتیاز یہ ہے۔

کہ ان کے چہرے رب کریم کے سامنے جھکنے کی وجہ سے روشن ومنور ہیں اس کے بعد فرمایا کہ ان مقدس ہستیوں کا ذکر جمیل تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتابوں میں بھی کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو ایک کھیتی سے تشبیہ دی ہے کہ وہ اپنا تنا اور شاخیں نکالتی ہے مضبوط ہو کر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے اور بونے والے کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس آیت مبارکہ کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی تائید ہو تا کہ کفار غیظ وغضب میں جل جائیں پھر آخر میں ایک وعدہ فرمایا یہ لوگ ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔اس سورہ مبارکہ میں ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُومِنِیْنَ اِذْیُبَا یِعُونَکَ تَحتَ الشَجرۃِ فَعلِمَ مَا فِی قُلوبِھِم فَاَنزَلَ السَکِینَةَ عَلَیھِمْ وَ آتَابَھُمْ فَتحاً قَرِیْبًا وَمَغَانِمَ کَثِیْرَۃَ

يَاخُذُوْنَهَا. ۳

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کر لیں گے''۔

یہ آیت طیبہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہے جنہوں نے صلح حدیبہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شمولیت کی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور مکہ المکرّمہ کچھ عرصہ بعد فتح ہو گیا۔ اور مسلمان کو ہوازن سے کثیر مال غنیمت ملا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں جس سے طالب حق کی روح سکون پاتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذَالِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. ۴

''اور سب سے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانیوالے مہاجرین اور انصار سے اور جنھوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

ہر انصاف پسند جاننے والا جانتا ہے کہ ''السابقون الاولون'' مہاجرین میں سے کون ہیں؟ انصار کون ہیں کن لوگوں نے عمدگی سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اسی طرح ہر

---

۳ سورہ فتح (۲۹) ۴ سورہ التوبہ (۱۰۰)

جاننے والا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ان نفوس قدسیہ کے سینوں پر یہ تمغہ بھی سجایا ہے کہ ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں بلند درجے تیار کرر کھے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے وعدے کا مستحق حق ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات کا سچا کون ہے؟

اسی طرح اللہ رب العزت نے یہ خبر بھی دی کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کے بدلے میں ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں معاملہ طے پا گیا بات متحقق ہوگئی۔ جان ومال کی قربانیاں بھی دے دیں گئیں اور بات واضح ہوگئی کیونکہ غزوہ بدر وحنین اور احد میں صحابہ کرام نے قربانیاں پیش کیں۔ اور جنت کے بلند درجات کے حقدار بنے۔

اِذَا وَقَعَتِ الوَاقِعَه لَيس لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۵

''جب قیامت برپا ہوجائے گی نہیں ہوگا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا''۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور معاملہ ہوا تبادلہ بھی ہوا مراد یہ ہے کہ جان ومال کی قربانی دی گئی اور اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے بلند درجات عطا فرمائے گئے۔

ہر عقلمند اور انصاف پسند آدمی جو کتاب اللہ کو عربی زبان سے واقفیت کے ساتھ پڑھتا ہے اور ان آیات بینات کے مضبوط دلائل اور غیر مبہم انداز بیان کو ملاحظہ کرتا ہے تو اس پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جو آپ علیہ السلام پر ایمان لائے اقتداء کی اور کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہوئے اپنے آپ کو اخلاق رسول ﷺ سے مزین کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ امت اسلامیہ کا سب سے اولین اور سب سے بہترین حصہ ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوئے اور یہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان اور مال کے بدلے میں جنت کو خریدا اور جنت الفردوس اور دیدار الٰہی کے حقدار ٹھہرے۔

۵ واقعہ الواقعہ (۱۔۲)

اور ہر ذی شعور آدمی یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی ہے اور صحابہ کرامؓ کی سعادت سب سے افضل سعادت ہے کسی قیل وقال اور کسی روایت کی کیا حیثیت ہے جبکہ اس کے مدمقابل اللہ تعالیٰ کا فرمان ذی شان ہو۔

جب ہم سنت رسول اعظم ﷺ اور احادیث طیبہ کو دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ حدیث طیبہ نے آیات مبارکہ کی تشریح کر دی ہے اور آیات مبارکہ کا مقصد واضح ہو گیا۔ احادیث مبارکہ کا مقصود بھی یہی ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ.[6]

''اور ہم نے نازل کیا آپ پر ہی ذکر تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا''۔

احادیث طیبہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعزاز اور عظمت کو واضح فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے اس ہمیشہ رہنے والی امت کے فضائل بیان فرمائے ہیں کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد بھیجتا ہے جو دین اسلام کی تجدید کرتا ہے اور اس کے نور کو پھیلا کر اسے مضبوط کرتا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

خیر امتی قرنی ثم الذی یلونھم ثم الذی یلونھم .[7]

''میری صدی میری امت کی بہترین صدی ہے۔ پھر جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے پھر جو اس کے بعد ہے حضرت عمران فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایک صدی دو صدیاں یا تین صدیاں فرمایا۔ حضرت عبداللہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں

خیر الناس قرنی ثم الذی یلونھم ثم الذی یلونھم ثم یجی قوم تسبق شھادۃ احدھم یمینہ ویمینہ شھادتہ.[8]

---

[6] سورہ النحل (۴۴)   [7] البخاری شرح القسطلانی (۹-۶-۴۴) مسلم شریف)   [8] ایضاً

''بہترین لوگ میری صدی کے ہیں پھر جو ان کے بعد ہوں گے پھر جو ان کے بعد ہوں گے پھر ایک قوم آئے گی۔ ان میں سے کسی کی گواہی قسم سے پہلے ہوگی اور ان کی قسم گواہی سے پہلے ہوگی''۔

ان دونوں احادیث کو چار راویوں نے روایت کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی یہ آخری حدیث کا مطلب ہے کہ وہ لوگ شہادت کے دینے میں جلدی کریں گے یعنی اس کے طلب کرنے سے پہلے ہی شہادت دے دیں گے اور قسم کے طلب کرنے سے پہلے قسم اٹھالیں گے یہ پرہیزگاری نہ کرنے سے کنایہ ہے۔

ابو سعیدؓ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ جب وہ جہاد کریں گے۔ تو ایک لشکر سے انکا سامنا ہوگا کہا جائے گا کہ کیا تم میں حضور علیہ السلام کا تابعی ہے یہ جواب دیں گے ''ہاں'' پس وہ ان کے لیے دروازے کھول دیں گے۔ [9]

حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر کیا کرم فرمایا ارشاد ہوا اپنی مرضی کے اعمال کرو تمہارے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ [10]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت حاطبؓ کا ایک غلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضرت حاطبؓ کی شکایت کی اور کہا کہ یارسول اللہ حاطب جہنم میں داخل ہوگا حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

كَذِبتَ لا يَدخُلُهَا فِانّه' شَهِد بَدرًا و الحُديبية. [11]

''تم نے جھوٹ بولا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ غزوہ بدر اور حدیبیہ (بیعت رضوان) کے وقت حاضر تھا''۔

حضرت جابر سے ہی روایت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

---

9 بخاری شریف شرح القسطلانی (۵۔۹۶) مسلم شریف شرح النووی (۹۔۴۱۷) ۱۰ بخاری شریف شرح القسطلانی (۹۔۳۹۰) ۱۱۔ ترمذی حدیث (۳۹۶۵)

لاتَمَس النَارُ مُسلِمًا رآنِیُ اَوُ رَایٰ مَنُ رَاٰنِیُ. [۱۲]

''اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے یا میرے صحابی کو دیکھ لیا''۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَا مِنُ احد مِن اصحابی یموتُ بارضٍ الا بَعثَ قائدًا ونورًا لَهم یوم القیامة. [۱۳]

''کوئی بھی میرا صحابی جس جگہ فوت ہوگا تو قیامت کے دن وہ اس علاقے کے لوگوں کے لیے بطور قائد اور نور ہوگا''۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِنّ اللّٰہَ لا یَجمَعُ اُمتِی اَوُ قَالَ اُمةُ محمد ﷺ علٰی ضَلالةٍ وید الله مَعَ الجَماعَةِ. [۱۴]

''بے شک میری امت یا فرمایا امت محمد ﷺ گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے''۔

یہ تو صحابہ کرامؓ کے عمومی مناقب ہیں مزید احادیث طیبہ بھی ہیں جن میں ان نفوس قدسیہ کی تعریف کی گئی ہے مثلاً آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ۔

اَصحَابِیُ کَا لنُجوم بِاَیِّهِمُ اِقُتَدیتُمُ اِهتَدَیتُمُ. [۱۵]

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے''۔

اسی طرح عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اللہ اللہ، میرے صحابہ کے بارے اللہ سے ڈرتے رہو اور میرے بعد انہیں اپنی اغراض کا نشانہ نہ بنانا جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور

---

[۱۲] ایضاً [۱۳] ترمذی حدیث (۳۹۴۹) [۱۴] ترمذی..... حدیث (۲۲۵۶) [۱۵] دار قطنی

جوان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ ١٦

اس کے علاوہ بہت سی احادیث طیبہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں بیان کی گئیں۔ اسی طرح خلفاء راشدین اور دیگر صحابہؓ کے بارے میں انفرادی طور پر بھی احادیث موجود ہیں جن میں ان کے خصائص بیان فرمائے گئے ہیں پس ایسے افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے سامنے سر جھکانے والے ہوں کتاب اللہ سے ہدایت پانے والے ہوں اور اخلاق رسول ﷺ سے مزین ہوں اور اہم امور میں کتاب اللہ کے حکم کے مطابق مشاورت کرنے والے ہوں مثلاً خلیفہ کا مقرر کرنا مرتدین کے ساتھ جنگ اور قرآن پاک کو جمع کرنا وغیرہ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وامر هم شوری بینهم. ١٧

''اوران کے سارے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں''۔

جب وہ مشورہ کریں یا اکثریت کی رائے ایک ہو تو اسی پر عمل کیا جائے تو پس انھوں نے اس امر میں اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کی اور وہ کام سب کے قبول کرنے سے واجب ہو گیا اور قیامت تک ان کی اتباع ضروری ہے۔

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور جن کے مطابق خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیاں بسر کیں اصل میں یہی دین متین ہے اور اس کی اتباع لازم ہے۔

کسی کو ان پر زبان طعن دراز کرنے کی مجال نہیں اور ان کے مقرر کردہ اصولوں سے مفر نہیں ہے اور صحابہ کرام ﷺ کی مقدس زندگیوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا ضروری ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

---

١٦ صواعق محرقہ ۵ ‏ ١٧ سورۃ الشوری (۳۸)

علماء اسلام کی محبت

آقا دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام کی وجہ سے وہ لوگ بھی محبت کے قابل ہیں جو دین اسلام کو مضبوط کرنے اور پھیلانے میں ہر وقت مصروف عمل رہتے ہیں۔ان میں قراء حضرات، حفاظ کرام محدثین عظام، آئمہ مجتہدین اور علمار بانی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔خواہ ان کا تعلق دین کے کسی بھی شعبہ سے ہو وہ قابل احترام ہیں قرأۃ وتجوید کا علم ،سنت نبویہ کی روایت، درایت کا علم، فقہی احکام، وہ علوم جن پر علوم دینیہ کا سمجھنا موقوف ہو مثلاً نحو، صرف، مفردات ومرکبات کا بنانا، بلاغت، اصول دین، اصول فقہ اور یا وہ علوم جن پر حق بات کی وضاحت کرنا موقوف ہو یعنی تعریفات اور دلائل مثلاً علم منطق، آداب بحث ومناظرہ وغیرہ جن کی تعلیم مدارس دینیہ میں دی جاتی ہے ۔ان تمام شعبہ جات کے ماہرین قابل صداحترام ہیں۔

علماء کرام کی محبت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عزت وتکریم کی جائے، ان کی تائید کی جائے اور ان کے معاملات میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے وہ ضروری علوم دینیہ جن پر دین متین کی سمجھ موقوف ہے ان علوم کے علماء کرام ہی تو وارث ہیں۔اس لیے ان کا ادب واحترام بھی لازم ہوا جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ علم اور اہل علم کے بارے میں کثیر آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ موجود ہیں طوالت کے خوف سے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مسلمان اجتہاد اور مجتہدین کے بارے میں غور وفکر کریں ۔اور ان کی اتباع کریں ۔اس موضورع پر ہم تھوڑا سا وضاحت کے ساتھ لکھیں گے۔

اجتہاد کی لغوی تعریف:۔ کسی کام میں انتہا درجے کی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔

اصطلاحی تعریف:۔ احکام شریعت کو سمجھنے کے لیے انتہائی کوشش کرنا اور احکام شرعیہ کو

قرآن وسنت اور اجماع سے مستنبط کرنے کی صلاحیت کا نام اجتہاد ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ احکام شریعت میں اجتہاد فرض کفایہ ہے اور جب کسی مخصوص انسان میں مجتہد کی شرائط پوری ہوں تو اس کے لیے اجتہاد کرنا فرض عین ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل دلائل دیئے جاسکتے ہیں۔

پہلی دلیل:۔ احکام شریعت بے شمار اور بہت وسیع ہیں۔ اگر اجتہاد نہ کیا جائے تو احکام دینیہ معطل ہو کر رہ جائیں۔ جبکہ شرع اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ احکام دین تو محدود ہیں جو کتاب وسنت سے منصوص ہیں پھر اجتہاد اور مجتہد کی کیا ضرورت ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک ابدی دین ہے جسے خاتم النبین و خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین جیسا عظیم پیغمبر لے کر آیا ہے باقی امتوں کی طرح امت محمد یہ بھی مختلف حالات سے گذرتی ہے اس کی ضروریات و حاجات اور بھلائیون کے اہداف تبدیل ہوتے رہتے ہیں ایسے واقعات بھی وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن وسنت سے واضح راہنمائی نہیں ملتی ہر وہ آدمی جو عقل وشعور کے زیور سے آراستہ ہے وہ ایسے امور کا حل ضروری خیال کرتا ہے۔

جب ایک ایسا گروہ موجود ہو جو اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لیے اجتہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر اجتہاد کرنے کی اہلیت صرف ایک آدمی میں ہو تو اس کے لیے اجتہاد کرنا فرض عین ہے۔

دلیل ثانی:۔ احکام شریعت کے لیے کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں قولی ،فعلی اور تقریری حدیث طیبہ سے دلیل پکڑی جاتی ہے اور دلیل لفظی جب قطعی الثبوت ہو مثلاً کتاب وسنت متواتر ہو تو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ لفظ خاص ہے تو اس سے خاص معنی مراد لیا جائے یا وہ لفظ عام ہے اس سے عام معنی مراد لیا جائے یا خاص ہے تو عام معنی مراد رکھتا ہے یا

عام ہے تو خاص معنی مراد کا متحمل ہے یہ بات بھی قابل غور ہوتی ہے کہ اس لفظ کو جس انداز میں بو

تمام امور میں اجتہاد ضروری ہے۔

کبھی کبھی کتاب وسنت کے الفاظ میں اشتراک لفظی ہوتا ہے بعض دفعہ یہ اشتراک مفرد الفاظ میں ہوتا ہے مثلاً لفظ ''قرء'' یہ حیض اور طہارت کے دونوں مفہوم رکھتا ہے اور امر کا صیغہ وجوب اور مستحب میں مشترک ہے اور بعض دفعہ اشتراک مرکبات میں ہوتا ہے مثلاً جب استثنا جملہ کے بعد واقع ہو تو وہ بعض جملے کو لوٹے گی یا تمام جملے کی طرف لوٹے گی۔

بعض دفعہ ایک لفظ حقیقت اور مجاز کے مفہوم کا متحمل ہوتا ہے مجاز کی کئی اقسام ہیں لفظ بعض دفعہ مطلق ہوتا ہے اور بعض دفعہ مقید، مثلاً کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا مسئلہ، بعض دفعہ دو دلیلوں کے الفاظ میں اشتراک ہو جاتا ہے جس سے کئی احکامات ثابت ہوتے ہیں۔

پس ٹھوس شرعی حکم کو ثابت کرنے کے لیے مزید علم اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں خصوصیات صرف مجتہد میں پائی جاتیں ہیں یہ بات تو حدیث متواتر کی ہے اور غیر متواتر میں سند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ پیچیدگی پائی جاتی ہے۔

جب دلیل کوئی حضور علیہ السلام کا فعل مبارک ہو تو تنازع اس بات میں ہو جاتا ہے کہ یہ فعل حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے یا نہیں یا پھر یہ فعل واجب ہے یا مستحب اور بعض دفعہ احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کے افعال میں تعارض نظر آتا ہے یا آپ علیہ السلام کا کوئی فعل قیاس جلی کے مخالف ہوتا ہے۔ ان تمام مشکلات سے نکلنے کے لیے ایک مجتہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب دلیل حضور علیہ السلام کی حدیث تقریری ہو اور اس کی کئی وجوہات بیان کی جاسکتیں ہوں تو اس صورت میں مقصود کو متعین کرنا مجتہد کا ہی کام ہے۔

دلیل ثالث:۔ ایک ماہر عربی بولنے والا قرآن کریم کی تمام آیات کے احتمالات اور ان کی وسعتوں سے واقف نہیں ہوتا بلکہ اسے مزید پڑھنے، علم سیکھنے، اور سخت محنت کی ضرورت ہے

اس سے ظاہر ہوا کہ مسلمان اجتہاد اور مجتہد کے محتاج ہیں اور اجتہاد پہلی اسلامی صدی سے لے کر آج تک ہو رہا ہے۔

دلیل رابع :۔ قرآن کریم سے اجتہاد کے ضروری ہونے کے لیے یہ آیت مبارکہ بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔

وَاِذَا جَاۤءَ هُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا اعوا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.[1]

''اور جب آئی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اسکا اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول ﷺ کی طرف اور بااقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت)'' اس آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشکل معاملات اور خوفناک امور میں اہل استنباط کی طرف رجوع کیا جائے مسائل ومشکلات کا حل کرنا علماء ربانی اور مسلم قائدین کی ذمہ داری ہے۔

اجتہاد اور پیچیدہ احکام شرعیہ کا استنباط کتاب اللہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی روشنی میں کیا جاتا ہے فرمان الٰہی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۤفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۤئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.[2]

''اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلے سے چند آدمی تا کہ تفقہ حاصل کریں۔ دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں''۔

اہل علم جانتے ہیں کہ تفقہ مصدر ہے اور اس کا باب تفعل ہے جو اعتماد، قوت کا بھرپور استعمال اور کسی مشکل کام کو جدوجہد سے حل کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[1] سورہ النساء.............. آیت (۸۳)

اور یہ بات احکام شریعت کے اس مکمل فہم پر دلالت کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو کسی مسئلے کا واضح یا پیچیدہ ہونا منطوق یا مفہوم مسائل کا ہونا دلالت النص، اشارۃ النص یا اقتضاء النص کا عبارت میں ہونا ان تمام مذکورہ امور کے سمجھنے کے لیے انتہا درجے کی کوشش کرنے کا نام اجتہاد ہے آیت مبارکہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علوم شرعیہ کا سیکھنا اور اجتہاد کرنا یہ فرض کفایہ میں سے ہے یہ بات ضروری ہے کہ طالب علم کا مقصود علم کا حصول اور دین کی نصرت و تائید ہوتا ہے کہ دین اسلام پھیلے۔ یہ غرض نہ ہو کہ ہم عصروں پر برتری حاصل ہو۔

اس طرح یہ بھی فرمان الٰہی ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِكْرِ اِن كُنْتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ. [۳]

''اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو''۔

آیت طیبہ سے معلوم ہوا کہ نہ جاننے والوں پر لازم ہے کہ وہ جاننے والوں سے سوال کریں خواہ وہ لغوص کا متن ہو اس کے معانی ہوں اور ان آیات سے مسائل کا استنباط ہو ان تمام امور سے سوال کرنا درست ہوا کیونکہ آیت مطلق ہے اور آیت طیبہ سے بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت اور فرشتے کو نبی بنا کر نہیں بھیجا کہ عام لوگوں کو دین کی تبلیغ کریں بلکہ یوں ارشاد ہوا۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِن قَبلِكَ اِلَّا رِجَالاً نُوْحِیْ اِلَيهِمْ [۴]

''اور ہم نے رسول بنا کر نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی''۔

راہنمائی کے لیے اہل علم سے سوال کرنا ضروری ہے سوال جتنا پیچیدہ ہوگا اس کا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا اور جواب کا ثواب اس سے بھی زیادہ ملے گا اجتہاد کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[۲] سورہ التوبہ..........آیت (۱۲۱) [۳] سورہ النحل.....آیت (۴۳)

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الهُدٰی وَ يَتَّبِع غَيرَ سَبِيلِ المُؤمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰی وَنُصلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَت مَصِيرًا۔ ۵

''اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھیر دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اجماع کی مخالفت کرنا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو شدید وعید سنائی ہے جو دین اسلام پیغمبر اسلام کی مخالفت کریں اور مسلمانوں کے راستے پر نہ چلیں مذکورہ آیت سے یہ ثابت ہوا۔

۱۔ مذکور بالا میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت حرام ہے۔

۲۔ یا دونوں میں سے کسی ایک مخالفت حرام ہوگی۔

۳۔ یا دونوں امور کی مخالفت کو جمع کرنا حرام ہے۔

دوسری بات یعنی کسی ایک کی مخالفت کی حرمت تو یہ سراسر غلط ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ جس نے شراب پی لیا اور روٹی کھالی وہ حد کا مستحق ہے اسی طرح تیسری بات بھی درست نہیں کیونکہ مخالفت رسولؐ حرام ہے اس کے ساتھ کوئی اور مخالفت ملائی جائے یا نہ ملائی جائے جب اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت اور مسلمانوں کی مخالفت حرام ہوئی تو ثابت ہوا ان کے راستہ پر چلنا واجب ہے اور ان کے معروف راستے پر نہ چلنا بھی ان کے راستے کی مخالفت کے مترادف ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ مسلمانوں کا راستہ تو اجتہاد اور ان احکام شرعیہ کا استنباط ہے جن کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے اور ان کے مصروف راستے پر نہ چلنا بھی ان کے راستے کی مخالفت ہی شمار ہوگی۔

---

۵ سورہ النساء (۱۱۴)

اعتراض:۔ یہ آیت مبارکہ اجماع کے لیے حجت نہیں بن سکتی کیونکہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ جمع پر یہ الف لام استغراق اور عموم کے لیے آیا ہے بلکہ یہ الف لام جنس کا ہے اگر یہ بات درست بھی ہو کہ یہ عموم کے لیے ہے تو ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ''سبیل'' کی اضافت عموم کے لیے ہے۔ کیونکہ صرف عہد کے لیے یہ اضافت جائز ہے اور اس سے مراد سبیل معہود ہے جو کہ ایمان ہے۔

جواب:۔ سب سے پہلے یہ کہ جمع کو معرفہ ذکر کیا گیا ہے اور سبیل کی اس طرف اضافت کو جنس پر محمول کریں گے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ مومنین میں سے کسی فرد کی بھی مخالفت جہنم کی طرف لے جائے گی لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ دونوں کو عموم اور استغراق پر محمول کریں گے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔

''جو بھی آدمی تمام مسلمانوں سے ہٹ کر کسی راستے پر چلا تو ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف بھی وہ پھرا اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے''۔ یہ بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ عمومی مسلمانوں کے راستے پر چلنا ایک پسندیدہ امر ہے اور اس سے انحراف کرنا وعید کا مستحق ٹھہرنا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اول صدی سے مسلمانوں نے غیر منصوص احکام شرعیہ میں اجتہاد کرنا شروع کیا تھا۔

جب مسلمانوں کے راستہ پر چلنا بھلائی ہے تو اس سے انحراف یقیناً برائی ہے اور یہ بھی ضروری ہے مومنین سے یہاں مراد علماء لیے جائیں نہ کہ جہلا، علماء بھی وہ جو احکام شریعت کے پابند ہوں کہ اور وہ لوگ جو علم میں کامل دسترس رکھتے ہوں ناقص العلم اس میں شامل نہیں۔

مجتہد کے لئے شرائط:۔ اہل بصیرت نے ایک مجتہد کے لیے درج ذیل شرائط رکھی ہیں۔

۱۔ عاقل بالغ ہونا۔

۲۔ ذہین فطین ہونا۔

۳۔لغت عرب اور اصول بلاغت سے واقفیت رکھنا۔

۴۔کتاب وسنت کے حکمی دلائل کا عالم ہونا۔

۵۔اجماع کے مواقع ناسخ منسوخ، اسباب نزول، خبر متواتر اور خبر واحد کی شروط کا علم، صحیح ضعیف اور حسن احادیث کا علم ان تمام امور کا علم ہونا ایک مجتہد کے لیے بہت ضروری ہے۔

ہمارے زمانے میں یہی کافی ہے کہ معتبر کتابوں کے ذریعے آئمہ کرام سے راہنمائی لی جائے ان بات کا بھی ہم اعتبار کریں کہ وہ احکام شریعت میں ثقہ تھے عادل تھے بدعتی نہ تھے اور وحدت کی طرف بلانے والے تھے اور مجتہد دین کی طرف بلانے والا مستقل مزاج اور ریا کاری سے پاک ہوتا ہے یہ تو مجتہد مطلق کی تعریف تھی۔ جب کہ مجتہد مقید کسی نہ کسی مشہور امام کا مقلد ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے امام کی قائم کردہ نصوص کو دیکھے گا اور ان میں خوب غور وفکر کرے گا جیسا کہ مجتہد نے اصول شرع میں غور وفکر کیا تھا۔ اگر وہ اپنے امام سے کسی مسئلے میں نص نہ پائے تو اسکے اصول کے مطابق قیاس سے کام لے گا اور اس مسئلے کا حل نکالے گا۔ جیسا کہ آئمہ اربعہ کے اصحاب وغیرہ کرتے ہیں اور یہ اپنے امام کی نصوص سے تجاوز نہیں کرتے۔

مجتہد مقید کی دو اقسام ہیں۔

۱۔مجتہد المذہب ۲۔مجتہد الفتوی

۱۔ مجتہد المذہب :۔اس سے مراد وہ عظیم علمی شخصیت ہے جو کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور اس نے اپنے آپ کو قرآن وسنت سے استنباط کے لیے مخصوص کرلیا ہو اسکے ساتھ ساتھ وہ اصول وضوابط میں اپنے امام کے پیروکار ہوں۔

مجتہد مطلق تو اپنے رائے کا اظہار آزادانہ کرسکتا ہے لیکن مجتہد فی المذہب کے لیے حدود ہیں۔

۲۔مجتہد الفتویٰ :۔اس سے مراد وہ عالم ہے جو اپنے امام کے مذہب سے خوب واقف ہو

اور وہ اپنے امام کے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور یا اپنے امام کے نامور شاگردوں کے اقوال میں ترجیح دینے کی اسے صلاحیت حاصل ہو اس سے بات بھی واضح ہو گئی کہ پہلا مقام و مرتبہ کے لحاظ سے دوسرے سے بلند ہے۔

☆ اصولین کا جزوی اجتہاد کے جواز میں اختلاف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اکثریت نے تین اقسام میں جزوی اجتہاد کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ آدمی کو ان اقسام میں انفرادی طور پر عبور حاصل ہو۔ وہ اقسام یہ ہیں۔

۱۔ عدالتی فیصلے

۲۔ نکاح اور تجارت کے مسائل

۳۔ علم وراثت

مذکورہ امور میں اگر کوئی انسان عبور حاصل کرے۔ اور کسی دوسرے فن میں اس کو مہارت حاصل نہ ہو تو یہ اس کے لیے عیب نہیں ہے مثلاً علم نحو وغیرہ۔ اسی طرح ایک آدمی صرف عدالتی امور میں رتبہ اجتہاد تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لیے اجتہاد جائز ہے جیسا کہ ابن قاسم وغیرہ نے چند امور میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انفرادی فنون میں اجتہاد درست نہیں کیونکہ علوم و مسائل کا آپس میں گہرا ربط ہے اور یہ ممکن ہے کہ جن مسائل تک ایک کامل ماہر علوم پہنچ چکا ہو ان تک انفرادی علوم کا ماہر نہ پہنچا ہو۔

☆ اصولین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جن امور میں نص موجود نہ ہو تو کیا حضور علیہ السلام ان امور میں اجتہاد کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آپ علیہ السلام سے اجتہاد کا صدور جائز بھی ہے یا نہیں، جواز کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔

۱۔ پہلی رائے:۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا اجتہاد جائز ہے اور ابن حاجب

سبکی قرافی نے اس کی حمایت کی ہے۔

۲۔دوسری رائے:۔آپ علیہ السلام کا اجتہاد درست نہیں یہ بعض شافعی علماء کا قول ہے۔

تیسری رائے:۔آپ علیہ السلام کا آراء اور جنگوں میں اجتہاد کرنا درست ہے۔۔

۴۔چوتھی رائے:۔اس میں توقف کیا گیا ہے۔

آپ علیہ السلام سے اجتہاد کے وقوع کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ان میں ایک رائے جیسے آلامدی، ابن حاجب اور ابن سبکی نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام سے اجتہاد واقع ہوا ہے۔

☆ جب نبی کریم ﷺ نے اجتہاد فرمایا تو وہ درست اجتہاد تھا۔کیونکہ غلطی کرنا آپ علیہ السلام کے منصب جلیلہ کے شایاں شان نہیں اور یہی رائے محققین کے نزدیک درست ہے۔

☆ حضور علیہ السلام کے زمانے مبارک میں اجتہاد کے جواز میں دو آراء ہیں۔

ا۔مطلقا جائز ۲۔غائب کے لیے مطلقا جائز

مطلقا جائز قرار دینے والوں نے کوئی شرط نہیں رکھی جب کہ غائب کے لیے مطلق اجتہاد کے جواز کے قائلین نے کہا ہے کہ وہ آدمی تین دن کی مسافت پر ہو اور اس کے لیے بارگاہ رسالت میں فورا حاضر ہونا ممکن نہ ہو اجتہاد کے وقوع میں مختلف آرا ہیں۔

پہلی رائے:۔آپ علیہ السلام کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں اجتہاد واقع ہوا ہے اس سلسلے میں بہت سی احادیث موجود ہیں اور ان کی تعداد معنوی تواتر کے زمرے میں آتی ہے۔جو حدیث قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ان میں ایک حدیث مبارکہ جو کہ امام بخاریؒ نے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ۔

حضرت ابو قتادہ الانصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ حنین کے سال حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے۔جب جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے کفار پر پلٹ کر حملہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک کافر نے مسلمانوں میں سے ایک آدمی کو گرا رکھا ہے میں نے اس کے پیچھے

سے آ کر حملہ کیا اس سے اس کی ڈھال پھٹ گئی وہ میری طرف بڑھا میرے حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ مر گیا۔ اس مذکورہ مسلمان نے مجھے وہاں سے بھیج دیا میں واپسی پر حضرت عمرؓ سے ملا اور صورتحال سے آگاہ کیا آپؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم فرمایا ہے جب لوگ واپس آئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کسی نے جنگ میں کسی کو مارا اس مقتول کے سامان کا مالک قاتل ہے۔ ابو قتادہ فرماتے ہیں میں کھڑا ہوا اور کہا کون ہے جو میرے واقعہ کی گواہی دے حضور علیہ السلام دوبارہ یہی فرمایا میں نے دوبارہ لوگوں سے شہادت طلب ایسا تین مرتبہ ہوا حضور علیہ السلام نے فرمایا قتادہ تمہیں کیا ہو گیا ہے میں نے تمام صورتحال سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ سامعین میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور میری تصدیق کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ابو قتادہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور ان کے قتل کردہ آدمی کا سامان میرے پاس ہے میری غلطی معاف فرما دیں اور مجھ سے راضی ہو جایئے۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا ''خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور اس کے رسول کے شیر کا مسلوبہ مال تجھے دے دیا جائے'' حضور علیہ السلام نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے وہ سامان حقدار کو دیا جائے چنانچہ ابو قتادہ فرماتے ہیں وہ سامان مجھے دے دیا گیا۔

ایک اور روایت امام بخاریؒ نے بیان کی ہے جس میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا ہے۔

لا يُصَلِّيَنَ اَحَد'' العَصرَ اِلاَّ فِيْ بَنِيْ قُرِيْظَه. ے

''تمام لوگ بنو قریظہ میں آج عصر کی نماز ادا کریں''۔

جب وقت نماز شروع ہو گیا بعض صحابہؓ نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی۔ بعض نے بنو قریظہ میں جا کر عصر کی نماز ادا کی پس بعض صحابہ کرامؓ نے اس فرمان سے تیزی مراد لی اور آخری وقت میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بعض نے الفاظ کو ملحوظ خاطر رکھا اور ان میں کوئی بھی سرکش نہ تھا۔

ے البخاری شرح القسطلانی (٦۔٤٠٦۔٤٠٧)

ایک حدیث طیبہ جیسے مسلم شریف اور مسند امام احمدؒ شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا گیا ہے آپؓ فرماتے ہیں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ علیہ السلام نے مجھے اپنے نعلین مبارک عطا فرمائے اور یہ فرمایا میرے یہ جوتے لے جاؤ جو بھی دیوار کے پیچھے تجھے ملے اور یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور اسے اس گواہی پر یقین بھی ہو تو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جو آدمی مجھے ملا حضرت عمرؓ تھے آپ نے پوچھا اے ابو ہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں میں نے کہا یہ آقا دو جہاں ﷺ کے نعلین مبارک ہیں آپ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے اور فرمایا ہے جو بھی آدمی تجھے ملے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اس کو اس پر یقین بھی ہو اسے جنت کی خوشخبری سنا دو آپؓ نے میری چھاتی پر ہاتھ سے مارا اور میں گر پڑا۔ اور فرمایا ابو ہریرہ لوٹ جاؤ میں حضور علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور حضور علیہ السلام کے پاس آکر رونے لگا جبکہ حضرت عمرؓ بھی میرے پیچھے تھے میں نے آقا علیہ السلام سے عرض کی کہ حضرت عمرؓ سے ملا اور آپ کا پیغام سنایا انھوں نے مجھے مارا اور گرا دیا اور کہا کہ واپس چلے جاؤ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا ہے حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر بھیجا تھا۔ کہ جو کلمہ گو ملے اور اسے یقین بھی ہو تو اسے جنت کی خوشخبری سنا دو۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا "ہاں" اسے میں نے ہی بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی بات پر توکل کریں گے اور عمل ترک کریں گے انہیں عمل کرنے دیں۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا وہ عمل کریں۔8

مسلم شریف۔ شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۔۳۰۱۔۳۰۶)

اس حدیث طیبہ میں حضرت عمرؓ کے قول کو حضور علیہ السلام نے برقرار رکھا کیونکہ ان کی رائے اور اجتہاد درست تھا اس لیے حضرت عمرؓ کی بات کو آپ علیہ السلام نے رد نہ کیا۔

ابو داؤدؒ نے سنن ابی داؤد میں ایک باب لکھا جس کا عنوان ہے ''کسی فرض نماز کے بعد اسی جگہ نفل پڑھنا''۔

اس میں ابو رمثہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضو علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی ایک اور آدمی بھی اس نماز کی تکبیر اولیٰ میں شامل ہوا۔ آپ علیہ السلام جب نماز پڑھ چکے تو وہ آدمی جس نے تکبیر اولی پائی تھی۔ اس نے نفل شروع کر دیئے۔ حضرت عمرؓ اس کی طرف گئے اور اس کا کندھا پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور فرمایا بیٹھ جا اہل کتاب صرف اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نماز میں وقفہ نہیں کرتے تھے۔ آقا دو جہاں ﷺ نے آپؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

اَصَابَ اللّٰہ بِکَ یَا اِبْنَ اَلْخَطَاب. ۹

''اے عمر بن خطابؓ اللہ تعالیٰ نے تیری راہنمائی فرمائی''۔

اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے ایک حدیث مبارکہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس ایک قیافہ شناس آیا حضور علیہ السلام اسے دیکھ رہے تھے حضرت اسامہ بن زید اور ان کے والد گرامی زید دونوں لیٹے ہوئے تھے اس نے کہا۔

ھذہِ الا قدام بَعْضُھا مِن بَعْضٍ.

حضرت محمد ﷺ اس بات سے بڑے خوش ہوئے اور پسند فرمایا آپ علیہ السلام اتنے خوش ہوئے کہ خوشی کے آثار آپ کی پیشانی مبارک پر واضح نظر آنے لگے کیونکہ اس کا یہ قیاس بڑا مناسب اور شرع کے موافق تھا۔ ۱۰ حضرت زیدؓ سفید رنگ کے تھے اور آپ کے بیٹے حضرت اسامہ کا رنگ کالا تھا۔ تو قیافہ شناس نے اس فرعی بات کو اسکی اصل سے ملا

---

۹ سنن ابی داؤد (۱۔۳۲۱)

دیا۔ حکم کے اعتبار سے سفید اور کالے رنگ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کی موافقات اور بھی بہت سی ہیں چند ایک یہ ہیں۔

☆ اس روایت کو امام بخاریؒ اور امام مسلمہؒ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے رب نے تین مقامات پر میری تائید فرمائی۔

ا۔ جب میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو مصلی بنالیں تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَاتَخِذُوْ مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْم مُصَلّٰی۔[11]

''مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ''۔

۲۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کے گھر اچھے برے، لوگ آتے ہیں اگر آپ اپنی ازواج کو حکم فرمائیں گے کہ وہ پردہ کیا کریں تو یہ بہتر ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم نازل فرمایا۔

۳۔ جب ازواج مطہراتؓ نے مختلف مطالبات پیش کیے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا

عَسٰی رَبُّه' اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُبْدِلَه' اَزْوَاجاً خیراً مِنکُنَّ۔

''کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرمادے جو تم سے بہتر ہونگی''۔

اللہ تعالیٰ بالکل انہیں الفاظ کے ساتھ وحی نازل فرمائی۔ [12]

حضرت عمرؓ کی موافقات بہت ہیں جن پر بعض علماء نے کتب تصنیف فرمائیں بعض کہتے ہیں کہ آپ کی امام احمد بن حنبلؒ ابو حاتم اور امام ترمذیؒ نے ایک حدیث روایت

---

[10] بخاری شریف شرح القسطلانی (9-390) [11] ترمذی حدیث (3956)

[12] البخاری۔ شرح القسطلانی (۵۔۱۵)

کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَ عَلٰی لِسَانِ عُمَر وَقَلْبِہٖ. [13]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق کو جاری کر دیا ہے"۔

یہ حدیث طیبہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپؓ مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد میں صحیح بات تک پہنچنے والے تھے ورنہ اس حدیث پاک کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہ جاتا اور وحی تو صرف پیغمبر پر آتی ہے تو اس صورت میں اجتہاد کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

شیخینؒ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُم مِنَ الاُمَمِ مُحدِّثُونَ فَاِنْ یَکُنْ فِی اُمَّتِی اَحد" فَاِنَّہٗ عُمَر. [14]

"تم سے پہلے امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے میری امت کا محدث عمر ہے"۔

تو ربشتی فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک محدث وہ ہے جو صادق الظن ہو اور اصل یہ ہے کہ ملاء الاعلیٰ کی طرف سے اس کے دل میں کوئی بات ڈالی جاتی ہے پس گویا وہ اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جس سے خفیہ کوئی بات کی جائے یہ حدیث مبارکہ اس بات کی طرف راہنمائی کرتی کہ مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد میں حقیقت تک پہنچنے والے تھے۔

اور وہ اجتہاد جو کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کی عدم موجودگی میں کیا تو یہ اس آدمی کی دلیل ہے جو آپ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں اجتہاد کو درست اور جائز مانتا ہے۔

ایک حدیث طیبہ جس کا امام بخاریؒ نے کچھ حصہ روایت کیا ہے اور امام ابو داؤدؒ نے اسے مکمل روایت کیا وہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کے موقعہ پر ایک ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہو گیا مجھے یقین تھا کہ اگر میں غسل کرتا تو مر جاتا پس میں نے تیمم کیا اور صبح کی نماز صحابہ کرام کو پڑھائی۔ صحابہ کرام نے یہ

[13] ترمذی......حدیث (3949) [14] ترمذی......حدیث (2256)

بات حضور علیہ السلام کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ "اے عمرو تم نے جنبی حالت میں صحابہ کرام کو نماز پڑھائی" میں نے وجہ بیان کی اور ساتھ ہی یہ آیت مبارکہ سنائی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا. ۱۵

"اور نہ ہلاک کرواپنے آپ کو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کے اجتہاد کو رد نہیں کیا بلکہ اسے برقرار رکھا۔ ۱۶

اسی طرح ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے آپ فرماتے ہیں مجھے حضور علیہ السلام نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے بھیج رہے ہیں اور میری عمر کم ہے اور مجھے قضاء کے سلسلے میں کچھ علم نہیں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِىْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضَى اِلَيْكَ رُجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخِرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ.

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دل کی راہنمائی فرمائے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا جب دو آدمی تجھ سے فیصلہ کروانے آئیں تو پہلے کی بات سن کر مت فیصلہ کرنا یہاں تک کہ دوسرے کی بھی بات سنے اس طرح تیرے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوگا"۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے فیصلہ کرنے میں کبھی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ۱۷

مرقات میں کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب آپ کو یمن کا قاضی بنایا گیا آپ قرآن وسنت کے عالم تھے جیسا کہ معاذ بن جنبل والی حدیث طیبہ ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ میں کم عمر ہوں۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ تفکر اور اجتہاد میں آپ کو ابھی تجربہ کم تھا اس وجہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی راہنمائی فرمائے گا۔ یعنی رائے کو استعمال کرنے اور

---

۱۵ سورہ النساء (۲۹) ۱۶ البخاری۔ شرح القسطلانی (۱۔۳۷۸) ۱۷ الترمذی حدیث ۱۳۳۱

قیاس کرنے میں اللہ تعالیٰ راہنمائی فرمائیگا۔ تیری زبان کو مضبوط رکھے گا اور تو درست فیصلے کرے گا اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے مناقب میں حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے پاس تین آدمی آئے تینوں نے ایک لونڈی سے وطی کی تھی جس سے ایک بچہ پیدا ہوا اب ہر ایک اس کا دعوی کر رہا ہے۔ کہ یہ میرا ہے حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک کو فرمایا کہ کیا اپنے آپ کو تم اس بچے کے سلسلے میں پاک دامن سمجھتے ہو اس نے جواب دیا نہیں آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک دوسرے کا مخالف محسوس کرتا ہوں میں تمہارے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہوں جس کا نام نکل آیا اس کو بچے کی قیمت کے دو تہائی حصے دینا پڑیں گے اور بچہ اس کا ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام کے سامنے اس بات کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا علیؓ نے درست فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح آپؓ کے مناقب میں جمیل بن عبداللہ بن یزید المدنی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؓ کے فیصلوں میں سے ایک کا ذکر حضور علیہ السلام کے سامنے کیا گیا آپ علیہ السلام نے اس فیصلے کو پسند فرمایا اور یوں ارشاد ہوا۔

اَلْحمدِ لِلّٰہِ الَّذِی جَعَل فِیْنَا الحِکْمَۃَ اَھَل الْبِیْت. (الترمذی)

''تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہم اہل بیت میں حکمت کو رکھ دیا''۔

حضرت علیؓ کے مناقب میں ایک یہ واقعہ بھی مذکور ہے جب حضور ﷺ نے آپ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو آپ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک کنواں جسے شیر کے شکار کے لیے کھودا گیا تھا۔ اس میں چار آدمی گر پڑے ہوا یوں کہ جب پہلا آدمی گرنے لگا تو اس نے دوسرے کو پکڑ لیا اس دوسرے نے تیسرے کو گرتے ہوئے پکڑا اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا اس طرح چاروں کنوئیں میں گر گئے کنوئیں کے اندر شیر نے ان کو زخمی کر دیا جس سے چاروں مر گئے اولیاء یعنی ورثاء کا آپس میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ تلواریں نکل آئیں حضرت علیؓ نے فرمایا اگر تم راضی ہو تو میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں ورنہ میں

تمہیں ایک دوسرے کے بدلے میں قید کردوں گا یہاں تک کہ تم حضور اکرم ﷺ کے پاس جاؤ گے اور وہ تمہارے درمیاں فیصلہ کریں گے۔مختلف قبائل میں سے جو بھی کنواں کھودنے میں شریک ہوئے ہیں ان پر دیت کا چوتھائی حصہ تیسرا حصہ اور نصف حصہ اور مکمل دیت لازم ہو گی پہلے گرنے والے کے لیئے دیت کا چوتھائی حصہ کیونکہ اس نے اپنے سے اوپر والے کو پکڑ کر کنویں کے اندر گرادیا اس کے بعد والے کیلیئے دیت کا تیسرا حصہ کیونکہ اس نے اپنے سے اوپر والے کو پکڑ کر گرایا تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے آدمی کے لیے مکمل دیت ہے انھوں نے حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ ماننے سے انکار کردیا اور یہ سب نبی کریم ﷺ کے پاس آئے مقام ابراہیم پہان کی آپ سے ملاقات ہوئی انھوں نے اپنا قصہ سنایا آپ نے فرمایا میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں یہاں تک آپ نے چادر مبارک اوڑھ لی۔اتنے میں ایک آدمی نے عرض کی جناب اس مقدمے کا فیصلہ حضرت علیؓ بھی فرما چکے ہیں اور ان کا فیصلہ بھی آپ علیہ السلام کو سنادیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے فیصلے کو برقرار رکھا اسی طرح امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں لکھا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے انھیں یمن کی طرف بطور قاضی روانہ فرمایا تو آپ علیہ السلام نے پوچھا معاذ!لوگوں میں کیسے فیصلہ کرو گے آپؓ نے عرض کی قرآن کی رو سے حضور علیہ نے فرمایا اگر اس میں تجھے بات نہ ملی تو پھر معاذؓ نے عرض کی رسول اللہ ﷺ کی سنت کیمطابق فیصلہ کروں گا۔آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر سنت میں تجھے مسئلہ نہ ملا تو چپر کیا کرو گے عرض کی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور سستی ہرگز نہ کروں گا آپ علیہ السلام نے فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کی جس نے اللہ کے رسول کے نمائندے کو وہ توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

علامہ زقانی نے اس حدیث مبارکہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور اسے ایک جماعت نے شعبہؓ سے روایت کیا ہے اس کے بارے میں اہل علم سے میں نے سوال کیا لیکن اس سند کے سوا مجھے اور کوئی سند نہیں ملی۔اس سند میں حرث بن عمرو مجہول ہے اور اصحاب

معاذ جن کا تعلق حمص شہر سے ہے ان کا مکمل تعارف بھی نہیں ہے کیونکہ سند کچھ یوں ہے۔

رواہ شعبہ عن ابی عون عن الحرث بن عمرو ابن اخی المغیر ہ بن شعبہ عن اناس من اہل حمص ، اصحاب معاذ بن جبل ان رسول اللہ ﷺ لما اراد۔ الحدیث

ابن قیم نے ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' میں لکھا ہے اس حدیث میں اصحاب معاذ بن جبلؓ کا نام نہیں لیا گیا تو اس سے حدیث کی حیثیت کم نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات تو اس کی شہرت پر دلالت کر رہی ہے اور حرث بن عمرو ایک جماعت سے روایت کر رہے ہیں ایک فرد سے نہیں اور یہ بات نام لینے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ معاذ بن جبلؓ کے ساتھیوں کو علم و فضل میں جو شہرت حاصل تھی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے آپ کے کسی ساتھی پر کوئی تہمت اور الزام وغیرہ نہیں ہے بلکہ وہ سب سے بہتر اور اہل علم تھے۔ ابو بکر خطیبؒ فرماتے ہیں کہ عبادۃ بن السنی نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن غنم سے اور انھوں نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد متصل اور اس کے راوی معروف اور ثقہ ہیں تدریب الراوی میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب ایک حدیث کو لوگ قبول کر لیں اور وہ حدیث مشہور ہو جائے تو اگر اس کی اسناد صحیح نہ بھی ہوں تو بھی وہ حدیث صحیح ہے۔ ابوالحسن الحصار فرماتے ہیں بحوالہ ''تقریب المدرک علی موطا مالک'' کہ فقیہ اس حدیث کو درست جانتا ہے جو قرآن وسنت اور اصول شریعت کے مخالف نہ ہو اگرچہ اس حدیث کی اسناد کمزور ہوں پس اس کو قبول کیا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا۔

امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اسے ضعیف نہیں کہا ہے اور ابن الصلاح کے نزدیک جس حدیث پر امام ابوداؤدؒ خاموش ہو جائیں وہ حدیث حسن ہوتی ہے اس باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے اجتہاد کا تذکرہ کیا گیا کہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا اس سلسلے میں مزید انشاءاللہ اگلے ابواب میں اس بات کا تذکرہ ہوگا۔

اہلیت والے پر اجتہاد کا لزوم

گذشتہ ابواب میں اجتہاد کے بارے میں کافی بحث ہوئی ہے قرافی نے اپنی کتاب ''التنقیح'' میں لکھا ہے کہ ہے امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد اجتہاد لازم ہے اور یہ واجب کفایہ کے حکم میں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [1]

''اللہ تعالیٰ سے حسب استطاعت ڈرو''۔

یعنی انتہائی کوشش کرو کہ تمہارا رب تم سے ناراض نہ ہو۔ اور بصیرت کی بنیاد پر عمل کرنا اور رب کریم کی معرفت کے لیے کوشش کرنا ہی تقویٰ ہے اجتہاد کے لیے بھی راہیں متعین ہیں مثلاً۔

۱۔ جس کا حافظہ مضبوط ہو۔

۲۔ شعور و فہم کے لحاظ سے مضبوط ہو۔

۳۔ ظاہر و باطن پاکیزہ ہو۔

اور جس میں یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ اجتہاد کے قابل نہیں ہے۔ اور جس میں یہ شرائط ہوں تو اس کے لیے اجتہاد کرنا لازم ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجتہد درست فیصلہ کرے یا غلط دونوں صورتوں میں اس کے لیے ثواب ہے۔

شیخین، ابوداؤد، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذَا حَکَمَ الحَاکِم فَاجتهد فَأصَابَ فَلَه' اَجْرانِ وِاِذَا حَکم اجْتَهَدَ فاخطأفله' اَجْر'' وَاحِد''. [2]

---

[1] سورہ التغابن (۱۶)　　[2] البخاری۔ شرح القسطلانی (۱۰۔۳۴۳)

جب حکم لگانے والا حکم لگائے او اور اس میں انتہائی کوشش کرے تو اگر اس نے درست راہ پائی تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اس سے غلطی ہو گئی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ خطابی فرماتے ہیں کہ "غلطی کرنے والے مجتہد کو ثواب اس کی کوشش کا دیا جاتا ہے۔ جس میں اس نے حق بات کی تلاش کے لیے وقت اور محنت صرف کی تھی۔ کیونکہ اس کا اجتہاد عبادت ہے اور ثواب غلطی پر نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو تو سزا کا حقدار ٹھہرایا جاتا ہے اور یہ بات اس کے لیے ہے جو اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور پھر بھی اجتہاد کرتا ہے اس کا عذر قبول نہ ہوگا اور ممکن ہے اسے سزا دی جائے۔

اس سلسلے میں حضرت بریدؓ کی یہ روایت راہنما کا کام دیتی ہے جسے چاروں آئمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِیْ الْجَنَةِ وَاِثْنَانِ فِیْ النَّارِ فَاَمَّا الَّذِی فِیْ الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ اَلْحَقَ فَقَضٰی بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَ فَجَارَ فِیْ الْحُكِمِ فَهُوَ فِیْ النَارِ وَرَجُلٌ قَضٰی لِلنَاسِ عَلٰی جَهْلٍ فَهُوَ فِیْ النَارِ۔ [۳]

"فیصلہ کرنے والے تین قسم کے ہیں ایک قسم جنتی ہے اور باقی دو اقسام جہنمی ہیں پس جنتی وہ ہے جس آدمی نے حق کو پہچان لیا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور ایک وہ آدمی جس نے حق کو پہچان لیا اور حکم لگانے میں ظلم کیا پس وہ جہنمی ہے اور وہ آدمی جو لوگوں کے لیے فیصلہ کرتا ہے لیکن وہ خود جاہل ہوتا ہے تو وہ بھی جہنمی ہے"۔

اجتہاد کے وجوب پر اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اُوْلِی الْاَ مْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیءٍ فَرُدُوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ [۴]

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی

---

[۳] سنن ابی داؤد (۲۔(۲۹۶) الترمذی.....حدیث نمبر (۱۳۲۲) [۴] سورہ النساء (۵۹)

شان) رسول کی اور حاکموں کی جوتم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑا کرنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ تعالیٰ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر"۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نصوص پر عمل کیا جائے۔ اور اطاعت رسول کا مفہوم یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے منصوص کلام کی اطاعت کی جائے اور اولی الامر کی اطاعت یہ ہے کہ اگر وہ قرآن وسنت کے موافق حکم دیں تو ان کی بات مانی جائے

اور اگر اولی الامر سے مراد علماء و آئمہ لیے جائیں تو قرآن وسنت کی نصوص سے جو وہ مفہوم اخذ کریں ان پر عمل کرنا اور ان کے اجتہاد کے احکامات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف تنازع کو لوٹانے کا مفہوم یہ ہے کہ اصحاب علوم اور قیاس کے ماہرین دین کے علم کی روشنی میں ان تنازعات کو اپنی رائے سے حل کریں۔ اور اشباہ ونظائر کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جیسا کہ سابقہ دور میں مسلمانوں کا طریق رہا ہے۔

بے شک خلفاء راشدین، علماء صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہاد نے دنیا والوں کے لیے اسلامی احکام کی وضاحت کا حق ادا کر دیا پس انھوں نے روشنی حاصل کی اور اسے پھیلایا، دنیا والوں کے لیے مفید بنے اور عمدہ کام کئے اور مسلمانوں کے لیے ایک ایسی روشنی کا اہتمام کیا جو ان کے لیے اور ان کے ایمان کے لیے چراغ راہ کی طرح ہے۔

پس اسلام اور دین سے روشنی پانے والے دل روشن منور اور مطمئن ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

"آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے"۔

جو رتبہ اجتہاد پر فائز نہ ہو اس کے لیے تقلید کا لزوم

مستقل دلیل معلوم کئے بغیر آئمہ دین میں سے کسی کے قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے اور یہ عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ ایسے عالم کی تقلید کرے جو کتاب وسنت اور پہلی تین صدیوں کے اجماع سے مسائل اخذ کرنا جانتا ہو جن صدیوں کے بہترین ہونے کی گواہی خود نبی کریم ﷺ دے کر گئے ہیں اور اس کے بعد کا معروف اجماع بھی اس عالم کے پیش نظر ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

فَلَو لاَ نَفَرَمِنْ كُلِ فِرْقَةٍ مِنهُمْ طَائِفة" لِيَتَفَقَّهُوْا فِيْ الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْن[1]

''تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلے سے چند آدمی تا کہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کیطرف تا کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ تفقہ فی الدین کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ وہ پختہ علم جو نصوص شرعیہ کے سمجھنے اور ان کی تفسیر میں مسلمانوں کے لیے مفید ہو اور مسائل کے استنباط میں ممد ومعاون ہو اور علم ایسا ہو کہ جو مسلمانوں کی تمام امور میں کفایت کرتا ہو۔

اور جب وہ طالب علم فقیہی بن کر اپنے علاقے میں واپس آئے تو اس علاقے کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے۔ اور نیکوکاروں کو خوشخبریاں سنائے لیکن اس آیت مبارکہ میں صرف ڈرانے کا ہی ذکر ہے کیونکہ گناہوں سے ڈرانا ہی آخرت کے لیے مفید ہے ''نفع کمانے سے بہتر ہے کہ نقصان والی چیز کو دور کر دیا جائے''۔ اس آیت طیبہ سے امید کی گئی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں گے اور مجتہدین وعلماء دین جو قرآن کریم کے اسلوب سے واقف ہیں ان کی مخالفت نہیں کریں گے۔

---

[1] سورہ التوبہ (۱۲۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذی شان بھی ہے۔

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ.[۲]

''اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکم لوگوں کی جو تم میں سے ہوں''۔

اکثر مفسرین کے نزدیک ''اولی الامر'' سے مراد عظیم الشان آئمہ کرام ہیں اور قرآن وسنت کی نصوص سے جو وہ احکامات اخذ کریں ان کی اتباع لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ.[۳]

''پس دریافت کرلو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے''۔

اس آیت طیبہ کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جاہل کو عالم سے سوال کرنا چاہیے ہر وہ چیز جو مفید ہو اس کے بارے میں سوال کرنا قیامت تک یہ حکم لازم ہے کیونکہ حکم علت سے مفید ہے جب علت کا تکرار ہو گا تو حکم بھی لوٹ آئے گا اور یہ بات اہل عقل سے مخفی نہیں سنت طیبہ میں اس سلسلے مین کافی احکامات موجود ہیں ان میں سے ایک قول ابن ماجہؒ، امام احمد، ابوداؤد اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے ۔ کہ امام احمد اور ابوداؤدؒ کی روایت میں (صلی بنا) کے الفاظ ہیں جب کہ ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ کی روایت میں (صلی بنا) کے الفاظ نہیں ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور آپ نے اس خوبصورت انداز میں وعظ ونصیحت فرمائی کہ دل اس سے مسرور ہو گئے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے عرض کی یارسول اللہ آپ نے رلانے والا وعظ فرمایا ہے آپ ہم سے کوئی حلف لے لیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو احکام سنو اور امیر کی

---

[۲] سورۃ النساء (۵۹)   [۳] سورۃ النحل (۴۳)

اطاعت کرو اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میرے بعد تم شدید اختلاف کو دیکھو گے تم پر لازم ہے کہ میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور ان پر مضبوطی سے قائم رہو نئے امور سے بچو بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔ ۴

ایک اور روایت میں ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ آنسو بہہ نکلے اور دل مسرور ہو گئے ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ تو آنسو بہا دینے والا وعظ تھا آپ ہم سے کیا عہد لیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں ایسی روشنی میں چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح ہے۔ اس راہ سے جو بھی ہٹے گا وہ ہلاک ہو گا۔ جو تم میں زندہ رہا تو وہ دیکھے گا کہ اختلاف بہت زیادہ ہو گئے ہیں پس تم میں سے جو جانتے ہو تم پر میری سنت اور اور خلفا راشدین المہدیین کی سنت لازم ہے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو تم پر اطاعت امیر لازم ہے اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیونکہ نہ ہو بندہ مومن تو ایسے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے نکیل ڈالی گئی ہو تو جہاں اس کو لے جائیں وہ چلا جائے''۔

خلفاء راشدین سے مراد ابو بکر، عمر، عثمان اور علیؓ ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کا فرمان ذی شان ہے۔

اَلْخِلاَفَةُ'' بَعْدِیْ ثَلاَثُوْنَ سَنَةً''۔ ۵

''میرے بعد تیس سال تک خلافت ہے''۔

اور خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی جس میں حضرت امام حسنؓ کے چھ مہینے بھی شامل ہیں کیونکہ یہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے افضل ترین ہیں۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ بالا مقدس نفوس کے نقش قدم پر چلنے والے آئمہ اسلام مجتہدین فی الاحکام بھی اس حکم میں شامل ہیں کیونکہ احیاء حق میں یہ لوگ بھی نبی علیہ

---

۴ ترمذی.......حدیث نمبر (۲۶۷۸) ۵ ابن ماجہ.......حدیث نمبر (۶۳)

السلام کے خلفاء ہیں اسی طرح مخلوق کی راہنمائی دین کی سر بلندی اور اسلام کی عزت بڑھانے میں یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے ساتھ مہدیین یعنی ہدایت یافتہ کی بھی صفت لگائی کیونکہ جب وہ خود ہدایت یافتہ نہ ہوں گے تو دوسروں کی راہنمائی کیسے کریں گے اور وہ مخلوق کے گمراہ ہونے کا اندازہ کس طرح لگا سکیں گے۔

اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت کے مقابلے میں خلفاء راشدین کی سنت کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ آپ کو علم تھا کہ وہ سنت نبویہ سے شرعی احکام کے استخراج میں غلطی نہیں کریں گے یا اس سے مراد وہ بعض سنتیں ہیں جو ان کے زمانے میں مشہور ہوں گی۔

خلفاء راشدین کی ایک سنت اہم امور میں باہمی مشاورت ہے اور جس بات پر مجلس شوریٰ اتفاق کرے اس پر عمل کرنا بھی انہیں کی سنت ہے اور کتاب وسنت کی نصوص کی پیروی کرنا اور جن امور میں نص نہ ہو ان میں اجتہاد اور مسائل کا استنباط کرنا۔

گذشتہ ابواب میں خلفاء راشدین کے اجتہاد اور مسلمانوں کا ان کی اقتدار کرنا بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح لوگوں نے ان کی اقتداء کی اور ان کے بیان کردہ مسائل پر عمل کیا خلفاء راشدین کے بعد تابعین اعلام اور مجتہدین عظام کا ہی دور ہے جس میں انھوں نے شرعی احکام کو مستنبط کیا ہے اور احکامات کو اخذ کرنے کے قواعد بنا کر اسلامی نظام کی حفاظت کی۔حدیث مبارکہ میں موجود لفظ ''محدثات'' کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی اصل دین میں نہ ہو پس وہ امور جو اصول دین کے موافق ہوں وہ اس میں شامل نہیں ہیں اگر چہ وہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد پیش آئیں۔اور اس بات کی دلیل خلفاء راشدین کی سنت ہے اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ان مقدس نفوس کی سنت وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے بعد واقع ہو جیسا کہ قرآن پاک کا جمع کرنا وغیرہ حضور علیہ السلام نے ان کے تمام امور کو سنت قرار دیا ہے۔اسی وجہ سے امام النووی فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی حدیث کے یہ الفاظ

(کل بدعة ضلالة) یہ عام مخصوص ہے شیخ عزالدین بن عبدالسلام "کتاب القواعد" کے آخر میں فرماتے ہیں کہ بدعت کی کئی اقسام ہیں۔

ا۔ بدعت واجبہ:۔ مثلاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کے لیے صرف ونحو کا پڑھنا ضروری ہے اصول فقہ اور کلام میں جرح وتعدیل۔

۲۔ بدعت حرام:۔ جبریہ، قدریہ، مرجبہ اور مجسیمة وغیرہ فرقوں کے عقائد بدعت حرام ہیں اور اس بدعت کا رد واجب ہے کیونکہ شریعت کو اس قسم کی بدعتوں سے بچانا فرض کفایہ ہے۔

۳۔ بدعت مستحب:۔ مثلاً سرا خانے اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ تمام امور ابتداء اسلام میں نہ تھے۔ اسی طرح تراویح کا باجماعت ادا کرنا۔

۴۔ بدعت مکروہ:۔ مساجد وغیرہ کو مزین کرنا اور قرآن پاک پر تزین وآرائش کا کام کرنا یہ شافعیہ کے نزدیک ہے جبکہ احناف کے نزدیک ایسا کرنا مباح ہے۔

۵۔ بدعت مباح:۔ عمدہ قسم کے کھانے کھانا، مشروبات سے لطف اندوز ہونا۔ اعلیٰ قسم کی رہائش گاہیں بنانا۔ اس سلسلے میں بعض چیزوں کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت کا مفہوم:۔ ہر وہ نیا کام جو کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے اور وہ نیا کام جس میں بھلائی ہو اور وہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہو تو وہ بدعت مذمومہ نہیں ہے اور حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا تھا۔

"نعمت البدعة" کتنی اچھی بدعت ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیات مبارکہ میں اہل عقل کو خطاب فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمایا ہے کہ راہنمائی صرف اس آدمی کے لیے ہے۔

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ" اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ" ۔[۶]

---

۶ سورہ ق .... (۳۷)

''جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر'' بے شک عقل آیات مبارکہ اور سنت نبویہ کی روشنی میں ہر بھلائی اور نیکی کے کام کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور ہر اس گمراہی اور شر کے کام سے بچاتی ہے جو اسلام سے نفرت اور دوری کا سبب بنتا ہو۔

اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ

۱۔ ہر وہ کام جس پر اسلام کی بنیاد ہو اور وہ اعلاء کلمہ الحق کا سبب بنتا ہو تو وہ ''امر واجب'' ہے۔

۲۔ ہر وہ کام جس سے خدمت دین کا کام لیا جائے اور وہ کوئی زیادہ اہم کام نہ ہو تو یہ ''امر مستحب'' ہے۔

۳۔ ہر وہ کام جو اسلام کے مخالف ہو اور اس کی تعلیمات سے متصادم ہو تو وہ ''امر حرام'' ہے۔

۴۔ ہر وہ کام جو اسلام سے مناسبت نہ رکھتا ہو اور باعث فخر بھی نہ ہو تو اسے ''امر مکروہ'' کہتے ہیں۔

۵۔ اور وہ کام جو مذکورہ آخری دو امور کے درمیان ہو تو اسے ''مباح'' کہتے ہیں۔

جب مسلمانوں سے کوئی ''آدمی'' تیرا دل دکھائے اور تیرے نظریئے اور عقیدے کے خلاف بات کرے تو آپ اسے کہہ دیں کہ آپ کے علماء کرام کی تالیفات، فتاویٰ اور دنیا میں پھیلے ان کے مختلف رسائل اور وہ تمام امور جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھے یہ سب بدعات و گمراہی ہیں۔ تو آپ پر سب سے زیادہ لازم ہے کہ ان بدعات کو ترک کریں یا پھر اپنے قول سے رجوع کریں۔ اس کے بعد ہماری ہدایت کا سوچیں۔

ہم اپنے بھائیوں سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انصاف سے کام لیں گے اور اعتدال

---

۶ البخاری۔ شرح القسطلانی (6-406-407) ۷ ایضاً (6-328)

کی راہ اختیار کریں گے اور صحابہ کرام کے اعمال کو پیش نظر رکھیں گے۔ جو انھوں نے دوران سفر حضور علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سرانجام دیئے تھے آپ کے بعد خلفاء راشدین کے اعمال کو بھی ملاحظہ کریں گے جن پر آئمہ کرام اور علماء عظام عمل پیرا رہے ہیں ہمارے ان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ جمہور کی اقتدار کریں اور انسان کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ وہ حقائق سے چشم پوشی نہ کریں اور خصوصاً ایک معتدل اور انصاف پسند عالم کو اس چیز کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی اتباع ضروری ہے

دوئم:۔ سنت رسول اکرم ﷺ کی پیروی۔

سوئم:۔ مسلمانوں کے اجماع پر عمل پیرا ہونا۔

چہارم:۔ اگر اجماع میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو مسلمانوں کی اکثریت کی پیروی کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین واضح ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہماری راہنمائی کرتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ ؎

"اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو"

اور ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحمت فرمائے۔

اور حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ذی شان بھی ہے کہ۔

لَا تَجْمَعُ اُمَتِیْ عَلٰی ضَلَالَة.

"میرے امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی"۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنی رحمت فرمائے اور اپنی نعمتوں سے ہمیں متمتع فرمائے۔ اور ہمیں دین اسلام اور اس کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

؎ سورہ آل عمران (۱۰۳)

امت مسلمہ سے محبت

نبی کریم روف الرحیم ﷺ کی محبت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی امت سے محبت وخلوص کا اظہار کیا جائے۔اور حسب استطاعت ان کی خدمت اور مدد کی جائے اور یہ بڑا اہم کام ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ جو امت کی ہدایت وراہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں وہ اس محبت کے خصوصی حقدار ہیں۔

اسی طرح امت مسلمہ کے وہ افراد جو علم وفضل کے زیور سے آراستہ ہیں اور ان کے چہرے انوار الٰہی سے دمکتے ہیں اور وہ کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہیں اور امت محمدیہ کے لئے ان کا مبارک وجود نفع بخش ہوتا ہے وہ نیکی کی دعوت دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں وہ انسان سے بدبختی اور نفاق کی علامات کو دور کرتے ہیں اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں ایسے نفوس قدسیہ کو ''اولیاءاللہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہدات کیے اور مشقتیں اٹھائیں دوسروں کے لیے خیر خواہی کا اظہار کی اور ان کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

یہ ایک ایسا گروہ ہے جن کا ہمنشین بد بخت نہیں رہ سکتا ان کا صحبت یافتہ خوش بخت ہو جاتا ہے جو بھی ان کی بارگاہ سے اٹھا اس پر ان کی صحبت اور محبت کے آثار نمایاں ہو گئے انسان ان کے در سے محبت سیکھتا ہے اور بری عادات کو ترک کر کے عمدہ اخلاق سے مزین ہو جاتا ہے اور اسے کتاب وسنت پر استقامت نصیب ہوتی ہے۔یہی لوگ ''الصادق المقصود'' ہیں کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ[1]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک امت میں سے کسی گروہ یا جماعت کو مختص کرنا

---

[1] سورہ التوبہ (۱۱۹)

درست نہیں تمام مسلمانوں برابر ہیں تمام لوگ برابر ہیں کسی کو الگ مقام ومرتبہ دینا درست نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مومنین برابر ہیں لیکن جب آپ انصاف کو پیش نظر رکھ کر بات کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مسلمان اعتقاد عمل صالح اور تقویٰ کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف درجے ہیں اسی وجہ سے فرمان الٰہی ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ.[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"۔

میں اسم تفصیل کا صیغہ کیوں استعمال ہوتا، جس طرح تقویٰ کے درجات میں تنوع ہے اسی طرح اعمال صالحہ کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَآخَرُوْنَ اِعْتَرَفُوْا بِذُنُوْ بِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحا وَآخَرُ سیاءَ.[3]

"کچھ اور لوگ جنہوں نے اعتراف کر لیا اپنے گناہوں کا۔ انھوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل"۔

اسی طرح مزید فرمایا۔

لاَ یَسْتَوِی القَاعِدُوْنَ مِنَ الْمومِنِیْنَ غیر اُوْلِی الضَرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ.[4]

"نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے سوائے معذوروں اور جہاد کرنے والوں کے"

ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوا۔

لاَ یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الفَتْحِ وَقَاتَلَ اُوْلٰئِکَ اَعْظَمُ

---

[2] سورہ الحجرات (۱۳) [3] سورہ التوبہ (۱۰۲)

دَرجَةً مِنَ الذِیْنَ اَنفَقُوْ مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا.۵

''تم میں سے کوئی برابری نہیں کرسکتا انکی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی ان کا درجہ بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی''

اس کے علاوہ بھی کئی آیات مبارکہ اس بات کی وضاحت کرتیں ہیں، کہ مسلمانوں میں قوت ایمان، استقامت اعمال حسن اخلاق اور احوال کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ بات واضح ہے کہ تمام مسلمان آقاء دو جہاں ﷺ کی امت اجابت ہونے کے لحاظ سے بہتر ہیں لیکن درجات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

مِنَ الْمومِنِیْنَ رِجَالٌ'' صَدَقُوْ مَا عَاھَدُوْ اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْ ھُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنھُمْ مَنْ یَنْتَظِرُ.۶

''اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالی سے کیا تھا۔ اور ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید) کا انتظار کررہے ہیں۔''

اسی طرح ایک اور جگہ پر یوں ارشاد ہوا۔

وَالَذِّیْ جَاءَ بِالْصِدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰئکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْن.۷

''اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں''۔

استقامت کی راہ پر چلنے والوں کو یوں عزت بخشی ہے۔

اِنَّ الذِیْنَ قَالُوْ رَبُّنَا اللّٰہَ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ المَلائِکَۃُ اَلاَّ تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیَاؤُکُمْ فِیْ

۵ سورہ الحدید (۱۰) ۶ سورہ الاحزاب (۲۳) ۷ سورہ الزمر (۳۳)

الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ.وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ.۸

"بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس قول پر ہمیشگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو۔اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمارہے کہ ان پر رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں تاکہ ان کے دل خوف اور حزن سے محفوظ رہیں یہی لوگ اولیاء اللہ، اللہ کے دین کے مددگار اور اس کے محبوب بندے ہیں ان پر اس انعام کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایمان پر استقامت کا عملی نمونہ پیش کیا۔

اللہ رب العزت نے مومنین میں سے اولیاء اللہ کا الگ ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ.۹

"اس کے متولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ولایت کو متقین کے ساتھ خاص کر دیا اور تقویٰ کو اولیاء کرام کی نشانی قرار دیا۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا مفہوم بیان کر دیا جائے۔

تقویٰ کا لفظ وقایۃ سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے ڈر، خوف اور بہت زیادہ کسی چیز سے بچ کے رہنا اس معنیٰ کی تائید یہ آیت طیبہ کرتی ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ.۱۰

---

۸ سورہ حم السجدہ (۳۰) ۹ سورہ الانفال (۳۴) ۱۰ سورہ النساء (۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو''۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوح اَلاَ تَتَّقُوْن. ال

''جب کہا ان کے بھائی نوح نے انہیں کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو''۔

اور یہی بات حضرت ھودؑ، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب سلام اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی قوم سے کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یوں فرمایا۔

وَاِبْرَاهِيمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاتَّقُوْه'. ١٢

''اور جب ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو''۔

وَاتَّقُوْ اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ. ١٣

اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے''

''اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان غالی شان کہ۔

وَاتَّقُو يَوْمًاا لاَ تَجْزِىْ نَفْس'' عَنْ نَفْسٍ شَيْاءً. ١٤

''اور ڈرو اس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی''۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوىٰ. ١٥

''اور انہیں استقامت بخشی تقوی کے کلمہ پر''۔

یعنی توحید اور ایمان مراد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ۔

اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوىٰ. ١٦

''یہی لوگ ہیں مختص کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے''۔

اور تقوىٰ اطاعت کے مفہوم میں بھی آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ال سورہ الشعراء (١٠٦) ١٢ سورہ العنکبوت (١٦) ١٥ سورہ الفتح (٢٦) ١٦ سورہ الحجرات (٣)

اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّہٗ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اَنَا فَاتَّقُوْنِ. ۱۷

’’خبردار کرو (لوگوں کو) کہ نہیں کوئی بھی معبود سوائے میرے پس مجھ سے ہی ڈرا کرو‘‘۔

اسی طرح یہ فرمان بھی ہے کہ۔

أفَغَیْرَ اللّٰہِ تَتَّقُوْنِ. ۱۸

’’تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو‘‘۔

اَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْن. ۱۹

’’میں تمہارا رب ہوں مجھ سے ڈرو‘‘۔

تقوی گناہوں کو ترک کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

وَأتُوْ الْبُیُوتَ مِنْ اَبْوَابِھَا وَاتَّقُوْا اللّٰہَ. ۲۰

’’اور آیا کرو گھروں میں ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے یعنی اس کی نافرمانی نہ کرو۔

تقوی، توبہ کے مفہوم کے ساتھ بھی آیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی آمَنُوْا وَاتَّقَوْا. ۲۱

’’اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے۔

اس آیت میں تقوی توبہ کے معنی میں ہے۔

اسی طرح تقوی اخلاص کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ. ۲۲

’’(اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا) تو یہ احترام اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقوی ہے‘‘۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرنا اخلاص کی علامت ہے اسی طرح فرمایا۔

---

۱۸ سورہ المومنون (۵۲) ۱۹ سورہ المومنون (۵۲) ۲۰ سورہ البقرہ (۱۹۸)

۲۱ سورہ الاعراف (۹۶) ۲۲ سورہ حج (۳۲)

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۔ ۲۳؎

''اور میرے ہی سے ڈرا کرو''۔

یعنی میرے بارے میں اخلاص کا مظاہرہ کرو۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ کا بہترین مفہوم یہ کہ ہر اس کام سے بچا جائے جائے جو رضا الٰہی کے خلاف ہو۔

اور تقویٰ کا معنی یہ ہوا کہ کفر سے بچا جائے یہاں تک کہ آدمی ایک متقی مسلمان بن جائے۔ محرمات سے پرہیز کیا جائے اور واجبات کی ادائیگی میں سستی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تا کہ صاحب ایمان میں استقامت اور عدل جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوں۔ اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جو بروز قیامت لوگوں پر گواہی دیں گے۔

حب دنیا اور گھٹیا کاموں میں مشغول ہونے سے بچنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ عمدہ اعمال کو پسند فرماتے ہیں او گھٹیا امور اس کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں گویا کہ تقویٰ کے تین درجے ہوئے۔

۱۔ کفر سے پرہیز۔

۲۔ دین اسلام کی مخالفت سے پرہیز۔

۳۔ شہوت پرستی اور گھٹیا امور سے پرہیز۔

تقوی کا معنی اور مفہوم تو واضح ہو گیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے قول سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے آپ فرماتے ہیں بے شک متقی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اس وجہ سے ڈرتے ہیں کہ اگر خواہش نفسانی کی طرف مائل ہو گئے تو وہ سزا دے گا اور جو کچھ حضور علیہ السلام لے کر تشریف لائے رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا تقوی ہے۔

۲۳؎ سورۃ البقرۃ (۴۱)

یہاں تک کہا گیا ہے کہ صغیرہ گناہوں کے مرتکب افراد بھی متقین کی صفوں میں شامل نہیں ہیں کیوں حضور علیہ السلام کا فرمان عالی شان ہے۔

لا یَبْلُغَ الْعَبْدُ دَرَجَةَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدْعُ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَزَرًا عَمَّابِهِ الْبَاسُ. ۲۴

"بندہ اس وقت تک متقین کے زمرے میں شمار نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان امور کو ترک نہ کردے جو اس کے شایان شان نہ ہوں اس ڈر سے کہ وہ اس کی عادت ہی نہ بن جائے"۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اولیاء تقوی کی اعلیٰ صفات سے متصف ہوتے ہیں اور متقین وہ افراد ہیں جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہیں۔

اولیاء اللہ امت مسلمہ کا وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں انتہائی پر خلوص ہوتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

آلا اِنَّ اَوْلِیَاء اللّٰهِ لَا خَوْف عَلَیهم ولَا هُم یَحزنُون. ۲۵

"خبردار بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ حزن"۔

یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی پناہ میں رکھا ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی ہوتے ہیں اور ان کی خواہشات اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات کے مطابق ہوتیں ہیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اولیاء کے دشمنوں سے دشمنی کرتا ہے اور ان کے دوستوں سے دوستی کرتا ہے اس سلسلے میں ایک حدیث طیبہ بخاری شریف میں آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

"جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ بندے کو جو سب سے زیادہ کوئی چیز میرے قریب کرتی وہ یہ ہے کہ میری طرف سے عائد

---

۲۴ الترمذی.........حدیث (۲۴۵۳) ۲۵ سورۃ یونس (۶۲)

فرائض کو ادا کرے میرا بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے اتنا قریب ہو جاتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاؤں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جنسے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ ٢٦

امام احمد بن حنبلؒ اور امام البیہقیؒ نے عبدالواحد بن میمون سے اور انھوں نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ (اس مذکورہ بالا حدیث میں ایک اور روایت کے حوالے سے اضافہ ہے) ''زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔ ٢٧

وَمَنْ اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا وَیَدًا۔

''میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کے کان آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہوں''۔

یہ مجازاً اور کنایۃً الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی تائید و نصرت فرماتے ہیں۔

یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے کے جواس پر خصوصی رحمت نازل فرماتا ہے جن کی مدد سے وہ امور سرانجام دیتا ہے۔

اس حدیث قدسی کی علماء کرام نے تفسیر کی ہے کہ کثرت نوافل سے آدمی کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ان نوافل کی ادائیگی اس تسلسل سے کرتا ہے کہ وہ ان کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے لیکن اس محنت کا مقصد محض تقرب الٰہی ہوتا ہے اس طرح یہ بندہ ایک خاص عنایت اور لطیف رابطے کا مستحق بن جاتا ہے اس وقت سوائے ذکر الٰہی اور وہ کچھ نہیں سنتا اس کے پاک کلام ہی سے لطف اندوز ہوتا ہے اسی کی کتاب پڑھتا ہے اور اس کی

---

٢٦ البخاری شرح القسطلانی (٩۔ ٢٨٩۔ ٢٩٠ ٢٧ الطبرانی۔ شرح الاتحاف السنیہ بالاحادیث القدسیہ ١٦٦

مناجات میں مشغول رہتا ہے۔اس کی مملکت کے عجائب کو دیکھنا بھی اس کی عبادت بن جاتا ہے۔جس وقت بندے کو اس کی جناب میں ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اسے ایک خصوصی تعلق سے نوازا جاتا ہے پھر جب کوئی اس بندے کی طرف محبت و الفت کا ہاتھ بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر احسانات کی بارش فرماتے ہیں اور جب اللہ کے خصوصی بندے کی طرف کوئی دشمن ہاتھ بڑھاتا ہے تو اللہ رب العزت اس ہاتھ کو توڑ دیتے ہیں۔

اے انصاف پسند مسلمان! ذرا غور تو کر کہ شریعت کے احکام تو ہر عاقل بالغ پر لازم ہیں جو ان احکامات کو پورا کریں گے جنت کے حقدار ٹھہریں گے اس درجہ سے اوپر بھی کئی درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ مختص کر رکھا ہے وہ خاص اور کامل بندے اس روز اللہ تعالیٰ کی جناب میں خصوصی مقام پائیں گے اور رب العزت انہیں اپنی خاص الخاص رحمت سے نوازے گا اور وہ بڑے فضل و کرم کا مالک ہے۔

کتاب وسنت کی ان واضح دلیلوں سے ثابت ہوا کہ سب مسلمانوں میں قدر مشترک ہونے کے باوجود ان کے درجات میں تفاوت ہے۔اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ پہلی تین صدیاں سب سے بہتر ہیں جن میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور شامل ہے تین صدیوں کے اختتام پر آپ کی بات پوری ہوگئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ

اِنَّ مِثْلَ اُمتِیْ مَثَلَ اَلْمَطَرِ لَا یَدْرِیْ اَوَّلُه' خَیر اَمْ آخِرُہ'. [۲۸]

"بے شک میری امت کی مثال بارش جیسی ہے کہ نہیں پتہ چلتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر"۔

معلوم ہوا رحمت کا دروازہ کھلا ہے جو آدمی اس میں اپنے اعمال کی بنیاد پر داخل ہونا چاہتا ہے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔واللہ الموفق۔

---

۲۸ مجمع الزوائد (۲۔۱۹۷۔۸۹)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ رب العزت تمام جہانوں سے غنی ہے اس نے جن وانس اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمائے ہیں تا کہ وہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی عبادت کریں تا کہ انھیں اس کی معرفت حاصل ہو جب سے اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو وجود بخشا ہے انھیں بے آسرا نہیں چھوڑا بلکہ اپنی رحمت سے رسالت کو اپنی معرفت کا وسیلہ بنایا اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ دکھایا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَاِنْ مِنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْر''. ۲۹

''کوئی ایسی امت نہیں گزری کہ جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو''۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا۔

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃ'' بَعْدَ الرُّسُلِ. ۳۰

''(رسول خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے بھیجے) تا کہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد''۔

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلاً. ۳۱

''ہم (کسی کو) عذاب نہیں دیتے جب تک ہم ان میں رسول نہ بھیج دیں''۔

پھر فرمایا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰی. ۳۲

''پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے''۔

یعنی رسولوں کی آمد کا تسلسل ٹوٹا نہیں پے در پے ہم نے رسولوں کو لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

انبیاء ورسل کے مبعوث کرنے کا انداز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنے فضل اور وسیع رحمت سے مختص کر دیتا ہے اور نبوت ورسالت کے منصب جلیلہ پر

---

۲۹ سورہ فاطر (۲۴) ۳۰ سورہ النساء (۱۶۵) ۳۱ سورہ الاسرار (۱۵) ۳۲ سورہ المومنون (۴۴)

ایسے بندے کو فائز کرتا ہے جو اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ. ۳۳؎

''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''۔

اللہ تعالیٰ انہیں فیوض ربانیہ کا مظہر، وحی الٰہی کے نزول کا محل اور انوار و برکات کا سر چشمہ بنا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ نورانی سلسلہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا ہے یہ نفوس قدسیہ معبود و عبد کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کر کے لوگوں کی راہنمائی فرماتے ہیں بارگاہ الٰہی سے استفادہ کر کے لوگوں کو مستفید کرتے ہیں۔

جب کسی کو رسالت کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو انوار الٰہی سے اس کے سینے کو بھر دیا جاتا ہے اور اس کی زبان، اعضا اور حواس بھی تجلیات الٰہی سے مستفید ہوتے ہیں بلکہ اس کے جسم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی مقدس عنایات سے منور ہو جاتا ہے اور وہ ذات اعتقاد عمل، اخلاق اور انوار کے لحاظ سے بھلائیوں کا سر چشمہ بن جاتی ہے۔

پس اللہ رب العزت کا رسول اپنے اقوال، افعال، تقریر اور انوار سے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلاتا ہے اور ہر عاقل بالغ کے لیے اس کا فیض عام ہوتا ہے اب مکلفین (عاقل، بالغ) کی صورت حال کیا ہے کہ ان میں سے جس نے سرکشی کی کافروں میں سے ہو گیا اور جس نے دعوت حق کو قبول کیا اسکا شمار مسلمانوں میں ہو گیا اور جس نے دعوت حق تو قبول کی مگر اچھے اور برے اعمال کرتا رہا تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔

ان میں سے بعض نے اطاعت کا حق ادا کر دیا اور اپنی طاقت کے مطابق خوب اطاعت کی ان عظیم المرتبت لوگوں کا شمار ان لوگوں میں ہوا جو ہر وقت مساجد میں ذکر الٰہی

۳۳؎ سورہ الانعام (۱۲۴)

کرتے ہیں۔

اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔ ۳۴

"کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے نفس کی تربیت کی اور سنت نبوی کی مسلسل پیروی، ہر مسئلے میں آپ کی اقتداء اور آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی محبت کے حصول کے لیے کوشش کی اور بندگی کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو گئے پس وہ نبی کریم ﷺ کی محبت کے حقدار بن گئے۔ اور ان کی روح، دل اور جسم نے آپ علیہ السلام کی عمدہ صفات سے اپنے آپ کو سیراب کیا اور ان کے جسم کا ذرہ ذرہ آپ علیہ السلام کے جمال جہاں آراء سے روشن ہو گیا۔ انوار رسالت سے انھوں نے روشنی پائی اور ان کا سینہ منور ہو گیا اور اب حقیقت کو تسلیم کرنے میں انھیں کوئی تردد نہ رہا۔ گویا اب اس کا وجود حضور علیہ السلام کا عکس بن گیا اور اس کی صحبت وصول الی الحق کا ذریعہ بن گئی اور یہ تمام فیضان آقا علیہ السلام کی محبت اور صحبت کا ہے۔

پس ایسے نفوس قدسیہ کے سینے انوار و اسرار کا خزینہ بن جاتے ہیں اور یہی چیز انہیں سلوک کی طرف لے جاتی ہے جو حضور علیہ السلام کے مجاہدات کا راستہ ہے خواہ وہ راستہ جہاد بالنفس کا ہو یا جہاد بالجسم والمال کا ہو جس سے اسلام کو سربلندی ملتی ہے۔ یا پھر وہ اشاعت، تبلیغ دین کا رستہ ہو یا روحانی و جسمانی تفکیر کا راستہ ہو جس میں وہ اللہ رب العزت کے احسانات انعام و اکرام پر غور و فکر کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ ایسے مقامات تک پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں حضور علیہ السلام کی خلافت کا حقدار بنا دیتے ہیں۔

کیونکہ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ اور یہ مقام

---

۳۴ سورہ النور (۳۶)

انہیں علم وعمل سے نہیں بلکہ حقیقت کو تسلیم کرنے اور آپ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کو اپنانے سے ملتا ہے۔ (مگر نبوت ورسالت کا مقام رفیع وہبی ہے کسبی نہیں ہے) اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دین کی تبلیغ اور دین حق کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے آقا دو جہاں ﷺ کی سیرت طیبہ سے اکتساب فیض کرتے رہتے ہیں۔

اہل علم مسلمانوں پر ابتدائی مسلمانوں (خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجرین) اور خصوصاً خلفاء راشدین کے حالات مخفی نہیں ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے حالات سب کو معلوم ہیں کہ آپ نے یادالٰہی کو اپنے دل میں جگہ دی اور اپنے پیارے نبی ﷺ کے دین متین پر اپنا تن، من، دھن قربان کر دیا۔

آپ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے زیادہ انوار نبوت سے فیض حاصل کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کہ آپ نے کھلے عام عبادت کا آغاز کیا اور دن رات حق بات میں غور و فکر کیا اور علماء جانتے ہیں کہ آپ کے پاک دل اور مضبوط رائے کی وجہ سے کئی مواقع پر وحی آپ کی رائے کے مطابق اتاری گئی۔ اور حضور علیہ السلام نے آپ کی خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ آپ کو الہام ہوتا ہے اور آپ کی اعلیٰ صفات اور دین حق کی خدمت کی وجہ سے حق آپ کے ساتھ ہے اور شیطان آپ سے ڈرتا ہے اور جس راستے پر آپ چل رہے ہوں وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ آپ نے اپنا مال دین اسلام کے لیے قربان کیا اور آپ کو دو مرتبہ جنت کی خوشخبری سنائی گئی یعنی آپ کی خدمات جلیلہ کے بدلے آپ کو جنت کا مستحق ٹھہرایا گیا اور یہی وہ مقدس ذات ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نورانی فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا حال بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آپ اپنی صفات، ذہانت، علم

اور فیصلوں میں یکتا تھے اسی طرح اپنے رب سے تعلق اس کی خوشنودی کے حصول اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔

مقصد یہ ہے کہ جو بھی تقرب الٰہی، اتباع کتاب وسنت اور دعوت الی اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو اسے ان نفوس قدسیہ کے نقشِ قدم پر چلنا پڑے گا۔

کافی عرصہ تک مسلمان مذکورہ بالا طریقہ کار پر کاربند رہے۔ اور ہر دور میں متقی اور پرہیز گار بھی موجود رہے اور ان میں سے بعض کے احوال انہیں کے ساتھ خاص ہیں انھوں نے اپنے بعد آنے والوں کو وہی سبق سکھایا جو انھوں نے خود سیکھا تھا اور ایسے لوگوں کو اپنا جانشین بنایا جو اس کے اہل تھے۔ ہر ممکن طریقے سے دین کی خدمت کی اور اس فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کی۔ ان میں سے ہر ایک کا مسلمانوں کی تربیت و راہنمائی کرنے دلوں کو منور کر کے کدورتوں سے پاک کرنے اور سلف صالحین سے راہنمائی حاصل کرنے کا ایک مخصوص انداز تھا۔

تیسری صدی کے بعد یہی مخصوص انداز ایک مخصوص نام سے مشہور ہو گیا مثلاً یہ کہا جانے لگا کہ یہ جنید بن محمد کا انداز یا طریقہ ہے۔ یا یہ فلاں کا طریقہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ روایت حدیث میں امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک راوی اور مروی عنہ کا ہم عصر ہونا اور ملاقات شرط ہے جب کہ امام مسلمؒ کے نزدیک ہم عصر ہونا اور ملاقات کا ممکن ہونا شرط ہے۔ اسی طرح باقی حضرات کا روایت حدیث میں اپنا اپنا انداز ہے۔

اسی طرح ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ الکوفی کا مسائل کو اخذ کرنے کا اندازہ امام مالکؒ کا سنت کو بیان کرنے میں اہل مدینہ کے عمل کو دلیل بنانا اور اسی طرح امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا طرز استدلال۔

اور قرآن کریم کی قرأت میں حفصؒ کا اور ورش کا طریقہ وغیرہ۔

یہ نام اور اصطلاحات ابتدائے اسلام میں مشہور و مذکور نہ تھیں۔ لیکن یہ تمام امور

اسلام کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے لیے نفع بخش ہیں۔

جس آدمی کے نزدیک یہ بدعت ہیں تو اگر اسکا مقصد بدعت لغویہ ہے تو اس کا کلام واضح ہے لیکن یہاں پر لغت کو بیان کرنا بے محل ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَ سْمَاءَ كُلَّهَا. (سورہ بقرہ ۳۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اسما سکھا دیئے''۔

اور اگر اس کا مقصد و مدعا دین میں بدعت اور گمراہی ہے تو پھر اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل امور بھی بدعت کہلائیں گے۔

۱۔ قرآن کریم کا جمع کرنا۔

۲۔ قرآن مجید کو سات قرأتوں میں لکھنا اور مختلف اسلامی مما لک میں بھیجنا۔

۳۔ قرآن پاک پر نقطے اور اعراب لگانا۔

۴۔ احادیث مبارکہ کو مدون کرنا۔

۵۔ قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے مدارس کھولنا۔

یہ تمام اہم ترین امور جو اسلام کی بقا کے لیے سرانجام دیئے گئے بدعت و گمراہی کے زمرے میں شمار ہوں گے۔

اور کوئی بھی باہوش مسلمان اس قسم کی بات نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

اولیاءاللہ کی کرامات

گذشتہ باب کی بحث سے معلوم ہوا کہ ایمان راسخ، اعمال صالحہ اور مسلسل تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کے لیے اضافی درجات مختص فرمائے ہیں اور ان کی شان میں یوں فرمایا ہے۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[1]

"بے شک اولیاءاللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور یہ وہ غمگیں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیز گاری کرتے رہے انھیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں تبدیل ہوتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں "یہی بڑی کامیابی ہے"۔

بشارت سے مراد وہ خوشخبریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے اپنی کتاب اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمائیں ہیں کہ انھیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور مکاشفات عطا فرمائے جاتے ہیں اور نزع کے عالم میں ملائکہ خوشخبری سناتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی کئی عنایات فرمائی جاتیں ہیں۔ پس مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کرامات عطا فرماتے ہیں۔

کرامت کی تعریف:۔ کرامت سے مراد وہ خلاف عادت امر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایسے مخصوص بندوں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جو قرآن وسنت کے پیروکار ہوتے ہیں۔ اور یہ اعزاز اس وجہ سے بخشا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ومرتبہ بلند ہوتا ہے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

اول:۔ جب معجزہ وقوع پذیر ہوتا ہے اس کے ساتھ دعویٰ رسالت بھی کیا جاتا ہے اور اس

---

[1] سورہ یونس ۶۲۔۶۸۔۶۴

کی مثال لانے کے لیے چیلنج کیا جاتا ہے جب کہ کرامت ایک امتی سے سرزد ہوتی ہے اور اس میں چیلنج نہیں کیا جاتا۔

دوئم :۔ معجزہ کی مثل و مثال لانا ناممکن ہوتا ہے جب کہ کرامت کی مثال لانا جائز اور ممکن ہے یا یوں کہہ لیں کہ معجزہ خلاف عادت ہونے میں کرامت سے بہت بلند ہوتا ہے۔

سوئم :۔ انبیاء و رسل کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم ہوتا ہے جب کہ اولیاء کرام کی صورتحال ایسی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کرامت کو چھپانا زیادہ پسند کرتے ہیں ہاں مگر جب دین اسلام کی تائید اور اظہار شان مقصود ہو یا جب مخالفین اسلام میں سے کسی کو سزا دینا ہو تو اس وقت کرامت کا اظہار کرتے ہیں۔

کرامت کا ثبوت :۔ قرآن و سنت اور عقل کی روشنی میں کرامت کا وجود ثابت ہے پس قرآن کی رو سے حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بطور ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [۲]

''جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بے حساب''۔

اس آیت مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ''رزق'' کا آنا خلاف عادت امر تھا اور ہر وہ خلاف عادت کام جو کسی نیک شخصیت سے ظاہر ہو وہ کرامت کہلاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ''رزق'' کے خلاف عادت ہونے میں کون سی دلیل ہے۔

[۲] سورہ آل عمران

اس کے کئی جوابات ہیں۔

جواب الاوّل:۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ''رزق'' کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام ومرتبہ تھا۔ اس طرح کے خلاف عادت امر کے ظہور کو کرامت کہا جاتا ہے۔

جواب دوئم:۔ اس وقت حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام کی امید یقین میں تبدیل ہوگئی جب انھوں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس یہ ''رزق'' دیکھا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اسی وقت دعا کی جب ان کی حالت بقول قرآن مجید یہ تھی۔

وَهُوَ شَيْخٌ هَرَمٌ وَاَهْلُهٗ عُجُوْزٌ.

''وہ بہت بوڑھے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بوڑھی تھیں''۔

اے اللہ مجھے بچہ عطا فرما جو میرے لیے خلیفہ بنے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس موجود ''رزق'' کو اللہ تعالیٰ کا انھوں نے ایک اضافی احسان جانا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم عظیم دیکھ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔

جواب سوئم:۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ''رزق'' کو نکرہ بیان فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ''رزق'' خلاف معمول اور خلاف عادت تھا۔

جواب چہارم:۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھے تھے یعنی موسم گرما میں موسم سرما کے پھل دیکھے اور موسم سرما میں موسم گرما کے پھل دیکھے جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت مریم سے سوال کیا۔

اعتراض:۔ آپ کا یہ کہنا کہ اس طرح کا ہر کام کرامت ہوتا ہے درست نہیں کیا یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ نہیں ہوسکتا؟۔

جواب:۔ اگر یہ آپ کا معجزہ ہوتا تو آپ اسے جانتے ہوتے اور اس طرح رزق کے حصول

اور اس کی کیفیت پر تعجب کا اظہار کرتے اور سوال نہ پوچھتے آیت مبارکہ کا سیاق بتا رہا ہے کہ حضرت زکریا کو اس کے بارے میں معلوم نہ تھا اسی وجہ سے آپ حیران و پریشان ہوئے اور آپ علیہا السلام کا جواب سن کر ان کا دل مطمئن ہو گیا اسی وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھتے ہوئے اپنے لیے بچے کی دعا مانگی۔

اعتراض :۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں یہ پھل بطور تحفہ پیش کیے ہوں؟۔

جواب :۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ان پھلوں کو دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اگر یہ کسی نیک آدمی کی طرف سے تحفہ تھا تو اس میں پھر تعجب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

قرآن پاک کی رو سے کرامت کے ثبوت کے لیے دوسری دلیل

بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل سے مختص کر دیا ہوتا ہے جیسا کہ اصحاب۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کو دو سو نو سال تک بغیر کسی نقص اور خرابی کے محفوظ رکھا۔ حالانکہ عمومی طور پر انسانی جسم کا اتنی دیر تک محفوظ رہنا ناممکن ہے۔

جب کہ وہ رسول بھی نہ تھے اور نہ ہی اس کام میں انھوں نے چیلنج کیا یہ محض اس کا فضل اور احسان تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا کہ اہل بصیرت عبرت پکڑیں اور اہل اعتبار کے لیے ایک دلیل بن جائے۔

تیسری دلیل :۔ قرآن پاک میں مذکور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی کا قصہ بھی کرامت کے ثبوت کے لیے ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تخت بلقیس جس کا کافی حجم تھا اس کو آنکھ جھپکنے میں لے آئے اور یہ اس شخص کی کرامت تھی جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کچھ علم تھا وہ اس تخت کو ہزاروں میل دور سے چند لمحوں میں لے آئے اس سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس معروف مادی علم نہ تھا کہ وہ اسے کھینچ کر لے آئے ہوں۔ اور نہ ہی اس زمانے

میں یہ ممکن تھا اور نہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے کیونکہ اُس جگہ پر آپ علیہ السلام نے اس کا دعویٰ نہیں کیا اور اگر یہ آپ کا معجزہ ہوتا تو تخت منگوانے کے لیے بات کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اور آیت مبارکہ کا سیاق بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ آپ کا عمل نہ تھا پس معلوم ہوا کہ یہ آپ کے صحابی کی کرامت تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کا کچھ علم دے کر اپنے فضل سے مختص فرما لیا تھا۔ اور ایک ایسی روحانی شان عطا فرمائی جو ابدی ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں کرامات کا ثبوت

پہلی دلیل :۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مبارکہ روایت کی گئی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

صرف تین نومولود بچوں نے گفتگو کی ہے ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، دوسرا بچہ جریج ناسک کے زمانے کا ہے اور ایک تیسرا بچہ بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو جبکہ جریج بنی اسرائیل کا ایک عبادت گزار شخص تھا۔ اس کی ایک بوڑھی والدہ تھی ایک دن جب جریج عبادت کر رہا تھا۔ اس کی والدہ نے اسے بلانا چاہا اس نے آواز دی ''اے جریج'' جریج نے دل میں کہا یا الٰہی نماز بہتر ہے یا ماں کا دیدار؟ پھر اس نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ دوسری مرتبہ اس کی ماں نے اسے دوبارہ بلایا اس بار بھی یہی سوچا یہاں تک کہ تیسری بار اس کی ماں نے اسے بلایا۔ لیکن یہ نماز پڑھتا رہا اس پر اس کی ماں کو دکھ ہوا اور اس نے کہا۔

''یا الٰہی! اس کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک یہ کسی بدکارہ کا منہ نہ دیکھ لے''۔

اس علاقے میں ایک زانیہ عورت رہتی تھی اس نے دعوی کیا کہ میں جریج کو گمراہ کروں گی یہاں تک کہ وہ مجھ سے بدکاری کرے گا۔ پس وہ اس کے پاس آئی۔ لیکن

کامیاب نہ ہوسکی جریج کی عبادت گاہ میں ایک چرواہارات کوسویا کرتا تھا۔ پس اس بدکارہ نے اس چرواہے کواپنی طرف راغب کیااس نے اس سے بدکاری کی اس طرح بدکارہ نے ایک بچہ جنا۔اس نے دعوی کیا کہ یہ جریج کا بچہ ہے پس بنی اسرائیل کے لوگ آئے اور انھوں نے اس کی عبادت گاہ کوتوڑ دیااوراسے گالی گلوچ دیں اس وقت جریج نے نماز پڑھی اوردعامانگی پھر بچے پرانگلی رکھی۔

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں گویامیں دیکھ رہا ہوں جب کہ رسول اللہﷺ اپنے دست مبارک کے اشارے سے فرمارہے تھے''۔

یَا غُلَامُ مَنْ اَبُوْکَ.

''اے بچے تیراوالدکون ہے''۔

فقال الراعی .

''اس نے کہاچرواہا''۔

پس بنی اسرائیل اس بات پرشرمندہ ہوئے ،معذرت کی اور کہا کہ ہم آپ کی عبادت گاہ سونے سے بنوائیں گے جریج نے انکار کیااوراس کواسی طرح بنایا جس طرح پہلے تھی۔

جب کہ تیسرا بچہ وہ تھا کہ اس کی ماں اسے لے کر کھڑی تھی کہ سامنے سے ایک خوبصورت ،سروقدنوجوان گذرا۔اس کی ماں نے کہایاالٰہی میرے بچے کواس نوجوان کی طرح بنادے۔بچے نے کہایاالٰہی مجھےاس جیسانہ کرنا۔

پھرایک عورت گزری جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے چوری کی اورزنا کیااوراسے سزادی گئی ماں نے دعا کی یاالٰہی میرے بچےکواس عورت جیسانہ بنانا۔

بچہ بولا! یاالٰہی مجھےاس عورت جیسا کردے اس کی ماں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔گزرنے والانوجوان ایک ظالم انسان تھامیں نے اس جیسا بنناپسندنہیں کیا۔

اور یہ گزرنے والی عورت جس پر الزام ہے کہ اس نے زنا کیا ہے حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا اور یہ بھی اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس نے چوری کی حالانکہ اس نے چوری نہیں کی میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے اس جیسا بنا دے اور وہ کہتی ہے میرے لیے اللہ کافی ہے۔[۳]

دوسری دلیل :۔ یہ غار والوں کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے اور اس مشہور حدیث طیبہ کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

الزہری، سالم سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

گذشتہ زمانے کی بات ہے کہ تین آدمی ایک سفر پر روانہ ہوئے وہ دوران سفر رات گذارنے کے لیے ایک غار میں داخل ہو گئے اچانک پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑا پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم اس غار سے اس وقت تک نہیں نکل سکتے جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا نہ مانگ لیں۔

چنانچہ پہلا آدمی بولا میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے دودھ نہیں پیتا تھا پس ایک دن وہ ایک درخت کے سائے میں سو گئے میں نے ان کے لیے دودھ دوھا اور ان کے پاس آیا تو وہ ابھی تک سو رہے تھے میں نے ان کو جگانا مناسب خیال نہیں کیا اور اس بات کو بھی ناپسند کیا کہ ان سے پہلے دودھ پی لوں پس میں ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑا رہا اور ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ فجر ہو گئی اب وہ دونوں جاگے اور انھوں نے اپنا دودھ پی لیا اے اللہ رب العزت! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس غار سے نکال لے۔

پس اس کی دعا سے پتھر تھوڑا سا سرکا لیکن ابھی نکل نہیں سکتے تھے۔

---

[۳] بخاری شریف۔ شرح القسطلانی (۵۔۴۱۱۔۴۱۲) مسلم شریف شرح النوی ۹۔۴۴۱)

دوسرے آدمی نے کہا میری ایک چچا کی بیٹی تھی اور وہ مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی میں نے اسے بدکاری کی دعوت دی لیکن اس نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ کافی عرصہ گزر گیا تو وہ میرے پاس آئی میں نے اسے بہت سا مال دیا، کہ مجھے خلوت میں موقع فراہم کرے چنانچہ جب مجھے اس پر قدرت حاصل ہوگئی تو وہ بولی تیرے لیے بغیر حق کے ازار بند کھولنا جائز نہیں ہے" پس میں نے بدکاری کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ مال بھی اسی کے پاس رہنے دیا۔ یا الٰہی اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس غار سے نکال لے پس چٹان تھوڑی سی اپنی جگہ سے ہٹ گئی لیکن وہ اب بھی نکل نہیں سکتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تیسرے آدمی نے یوں کہا کہ یا الٰہی! میں نے ایک دن کئی مزدور کام پر لگائے ان تمام کو مزدوری دی لیکن ایک آدمی کو مزدوری نہ دے سکا وہ چلا گیا پس میں نے اس کی مزدوری کو تجارت میں لگا دیا جس سے مجھے بہت زیادہ مال ملا کافی عرصہ بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے بندے مجھے میری مزدوری دو میں نے اس سے کہا یہ اونٹ، بکریاں اور غلام سب تیری مزدوری ہیں اس نے کہا کہ کیوں مذاق کرتے ہو میں نے کہا کہ میں تیرے سے مذاق نہیں کرتا بلکہ یہ تمام اشیاء تیری ہی ہیں اے اللہ تعالیٰ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس غار سے نکال لے۔ پس چٹان اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔[۴۲]

تیسری دلیل:۔ حضرت سعید بن مسیبؓ، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

ایک آدمی گائے لے کر جا رہا تھا اور اس پر اس نے بوجھ لادا ہوا تھا۔ گائے اس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا کہ میں اس کام کے لیے نہیں پیدا کی گئی میں تو ہل چلانے کے لیے

---

[۴۲] البخاری۔ شرح القسطلانی ۹۔۵) المسلم شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۰۔۱۹۹)

تخلیق کی گئی ہوں لوگوں نے کہا سبحان اللہ! گائے باتیں کر رہی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "اس بات پر ابو بکر اور عمر ایمان لے آئے"۔ ۵

چوتھی دلیل:۔ نبی کریم روف الرحیم ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ۔

"تم سے پہلے لوگوں میں محدث ہوا کرتے تھے میری امت کا محدث عمرؓ ہے"۔

المحدثون "مشدد دال کے فتح کے ساتھ" اس سے مراد وہ افراد ہیں جن کی طرف الہام ہوتا ہو اور ان کی کہی ہوئی بات کے بارے میں گمان ہے کہ شائد انھیں کسی نے بتایا ہو۔

پانچویں دلیل:۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا دوران سفر ایک آدمی نے بجلی کی کڑک سنی اور ساتھ ہی آسمان سے یہ آواز بھی سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو وہ آدمی کہتا ہے کہ میں اس باغ کی طرف روانہ ہوا وہاں پر ایک آدمی کھڑا تھا میں نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے اپنا نام بتایا، میں نے اس سے کہا کہ جب باغ خشک ہو جائے تو کیا کرتے ہیں اس نے کہا اس سلسلے میں نہ پوچھیے تو بہتر ہے میں نے اس سے کہا کہ بادلوں میں ایک آواز سنی ہے کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو اس آدمی نے کہا کہ اگر تیرا اصرار ہے تو سن کہ اس باغ کی آمدن کے میں تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں ایک حصہ غرباء و مساکین کو دے دیتا ہوں اور ایک حصہ اسی باغ پر لگا دیتا ہوں۔ ۶

چھٹی دلیل:۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ۔

رُبَّ اَشْعَثٍ لَا یُوبَہ لَہ' لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَا بَرَّہ'. ۷

"بہت سے پراگندہ حال غبار آلود پھٹے کپڑوں والے جن کا (عام طور پر کوئی

۵ المسلم۔ شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۰۔۱۹۹) ۶ صحیح المسلم۔ شرح النووی ہامش القسطلانی (۱۰۔۴۴۲)
۷ صحیح مسلم، شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۱۰۔۵۴)

خیال نہیں کرتا)۔ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کسی کام کے ہونے پر قسم کہہ بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا فرماتے ہیں''۔حضور علیہ السلام نے معمولی یا بڑے کام میں کوئی فرق نہیں کیا۔

ساتویں دلیل:۔ امام بخاریؒ علامات نبوت میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

دو صحابہؓ رات کے اندھیرے میں حضور علیہ السلام کی بارگاہ سے نکلے ان دونوں کے سامنے چراغوں کی طرح کوئی چیز تھی۔جب دونوں جدا ہوئے تو وہ روشنی دونوں کے ساتھ چل پڑی ''یہاں تک کہ دونوں اپنے اپنے گھر پہنچ گئے''۔ ۸

یہ ان صحابہ کرام کی عزت وتوقیر کی خاطر تھا اور یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا ان دونوں صحابہ کے نام یہ ہیں۔

حضرت اسید بن حضیر اور حضر عباد بن بشیر رضی اللہ عنہما۔

عقلی دلائل:۔ جب ایک آدمی ولایت کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنا دوست بنالیتا ہے اور جب عبد ومعبود کے درمیان دوستی پختہ ہو جاتی ہے تو پھر یہ یقین کامل رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوست کی عزت وعظمت کے لیے وہ کام کرتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اسے سرخروی حاصل ہو جاتی ہے۔

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بندہ اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

اَلاَ اِنَّ اَوْلِیاءَ اللّٰهِ لاَ خوْف'' عَلَیْهِمْ وَلاَ هُمْ یَحْزَنُوْن. ۹

''سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگیں ہوگے''۔

اور یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی بندے کا دوست ہوتا ہے فرمایا۔

---

۸ صحیح المسلم۔شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۶۔۱۵۹،۱۶۰) ۹ سورہ یونس ۶۲

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوا.۱۰

''اللہ ان کا دوست ہے جو (صدق دل سے) ایمان لائے''۔

مزید فرمایا

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا.۱۱

''یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے''۔

ایک اور جگہ پر یوں فرمان ہوا۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا.۱۲

''تمہارا مددگار تو صرف اللہ اور اس کا رسولؐ (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا یہ طریقہ بتایا کہ یوں کہو۔

اَنْتَ مَوْلَانَا.۱۳

اے اللہ! تو ہمارا آقا ہے''۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کے لیے حبیب ہوتے ہیں اور بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے حبیب ہوتا ہے اور محب اپنے محبوب کے لیے وہی کام کرتا ہے جس سے محبوب کی عزت اور عظمت میں اضافہ ہو فرمان الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا حبیب ہوتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ.۱۴

''اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے''۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بندہ خاص بھی محبوبیت کے درجے پر فائز ہوتا ہے فرمان ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ.۱۵

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ.۱۶

۱۰۔سورہ بقرہ (۲۵۷) ۱۱سورہ محمد (۱۱) ۱۲ سورہ المائدہ (۵۵) ۱۳سورہ بقرہ (۲۸۶)

۱۴سورہ البقرہ (۱۶۵) ۱۵سورہ البقرہ (۲۲) ۱۶سورہ المائدہ (۵۴)

''یہ محبت جانبین سے ہوتی ہے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

''وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے''۔

اس جگہ یہ بھی دلیل دی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ

لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. ۱۷

''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا کام کرنے پر قادر ہے اور کوئی اسے عاجز نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو توفیق اطاعت اور ادائیگی فرض پر استقامت عطا فرما رکھی ہوتی ہے اور یہ توفیق اصل میں اس نے مطیع اور فرمان بردار بندوں کی عزت وعظمت کے اظہار کے لیے دی ہوتی ہے اور توفیق کے مطابق ان بندوں کی عزت وشان کے لیے انھیں کرامت کی نعمت عطا فرمائی جاتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے تمام امور کا متولی ہوتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے

وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ. ۱۸

''اور وہ (اللہ) حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی''۔

یہاں ایک اور بھی دلیل دی جاسکتی ہے کہ افعال کی متولی تو روح ہے بدن نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تمام ارواح کی روح ہے۔یعنی جب بھی ارواح اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں ترقی کرتیں ہیں۔تو اسی مناسبت سے اطاعت اور اخلاص میں بھی ترقی کرتے ہیں اور جب بھی نسبت اور ربط الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے اسے اتنا ہی بارگاہ الٰہی سے نور اور فیض ملتا ہے اور جب روح فیوض الہیہ کا مظہر بن جائے تو

---

۱۷ سورہ الشوریٰ (۱۲)　　۱۸ سورہ الاعراف (۱۹۶)

صاحب روح سے امداد غیبیہ اور کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پہلے بھی اس نعمت غیر مترقبہ سے نوازتا رہا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ ۱۹

''اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار کو ہرگز تبدیل نہ پاؤ گے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کو دوام ہے اور جب آدمی عالم ارواح میں چلا جائے تو بھی یہ فنا نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اہل معرفت ارواح کے طبعی اثرات ملاحظہ کرتے ہیں اور اہل صفاء زیارت کے وقت ارواح کے انوار کا ادراک کر لیتے ہیں جب کہ عقل ان انوار و فیوض کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔

۱۹۔ سورہ فاطر (۶۲)

کرامات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

کرامات ابو بکرؓ

ا۔ چشم بینا:۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جنابہ عائشہ صدیقہؓ کو بیس وسق کھوریں، جو درختوں پر لگی ہوئیں تھی ہبہ فرما دیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا بیٹی بے شک میں نے تجھے بیس وسق کھجور جو ہبہ کی تھیں اگر تم ان کو توڑ کر ان پر قبضہ کر لیتیں تو وہ تمہاری ہو جاتیں مگر آج تو اس میں میراث جاری ہیں اور وارث تمہارے دونوں بھائی اور دونوں بہنیں ہیں بس اب اس کو احکام قرآن مجید کے موافق تقسیم کرنا اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی ابا جان! اگر اس سے زیادہ بھی ہوتیں تو میں ہبہ کر دیتی لیکن یہ تو فرمائیے کہ میری تو ایک بہن اسماء ہے دوسری کون ہے آپ نے فرمایا بنت خارجہ (آپ کی بیوی کا نام) کے پیٹ میں مجھے لڑکی نظر آ رہی ہے۔

خیال رہے کہ جناب صدیق اکبرؓ کی اس میں دو کرامتیں ہیں ایک تو یہ خبر دینا کہ اس مرض میں میرا وصال ہو جائے گا دوسری یہ کہ ام حبیبہؓ بنت خارجہ کے ہاں جو اولاد بعد از وفات پیدا ہونی تھی وہ لڑکی ہے اور پھر ایسا ہی ہوا۔

۲۔ کھانے میں برکت:۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز شام کو حضرت ابو بکرؓ نے تین مہمانوں کی دعوت کی ان کو گھر بیٹھا کر خود سرکار علیہ السلام کی خدمت میں بغرض حاضری چلے گئے کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہے جب گھر واپس آئے تو مہمانوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا اور جب آپ کے فرمان پر مہمانوں نے کھانا شروع کیا تو ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ بلکہ مشاہدہ میں آ رہا تھا کہ ہر لقمہ اٹھانے کے بعد کھانا پہلے سے زیادہ ہو جاتا۔ جناب صدیق اکبرؓ نے

اپنی بیوی سے (جن کا تعلق قبیلہ بن فراس سے تھا) فرمایا بنی فراس ماھذا؟۔
اے بنی فراس کی بہن یہ کیا معاملہ ہے۔تو انھوں نے جواباً عرض کیا۔

قالت قُرۃ عینی اِنّھا الآ ن لَا کثرُ مِنھا قبل ذلک بِثلثِ مُرَّاتٍ.

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک اس وقت تو یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔
پس اس میں سے حضرت ابوبکرؓ نے بھی کھایا۔ [۲۰]

یہ تو وہ کرامات تھیں جن کا ظہور حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں ہوا اس کے علاوہ بھی آپ کی کرامات کثرت سے منقول ہیں۔

حضرت عمرؓ کی کرامت یا ''ساریہ الجبل''

حضرت عمر فاروقؓ نے ساریہ بن زنیم الخلجی کو ایک لشکر کا سالار بنا کر فارس بھیجا۔نھاوندک مقام پر دشمن نے مسلمانوں کے لشکر محاصرہ کر لیا۔ان کے تعداد بھی زیادہ تھی۔قریب تھا کہ مسلمان شکست سے دو چار ہوتے اس وقت مدینہ طیبہ میں حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے اور خطبہ ارشاد فرمایا اور دوران خطبہ آپنے بلند آواز سے فرمایا۔

یا سارية الجبل یا سارية الجبل .

''اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر،اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر''۔

یہ آواز اللہ تعالیٰ نے ساریہ اور لشکر اسلام کو سنا دی اس وقت وہ نھاوند میں تھے ان سب نے کہا یہ کہ تو امیر المومنین حضرت عمرؓ کی آواز ہے چنانچہ انھوں نے پہاڑ کی طرف سے دشمن کو دیکھ لیا اور اس پر غلبہ پا لیا۔

روایت میں ہے اس وقت حضرت علیؓ بھی وہاں موجود تھے۔

جب حاضرین نے حضرت عمرؓ کی گفتگو سنی تو کہا یہ امیر المومنین کو کیا ہو گیا ہے ''ہمارے میں ساریہ موجود نہیں ہے۔حضرت علیؓ نے فرمایا اس بات کا علم تمہیں بعد میں ہو جائے گا۔

فراستِ عثمانیؓ

حضرت عثمانؓ کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا۔ جب وہ گھر سے آپ کی ملاقات کی نیت سے چلا تو راستے میں اسے ایک عورت ملی اسنے اسے خوب غور سے دیکھا جب وہ آپؓ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا۔

''تم میں سے کچھ لوگ آتے ہیں اوران کی آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں''۔

اس آدمی نے کہا کہ کیا حضور نبی کریم ﷺ کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ فراست ہے حضرت عثمانؓ نے اس آدمی کی تربیت اور تعلیم کے لیے ایسا فرمایا۔

حضرت علیؓ کی کرامت

روایت کی جاتی ہے کہ ایک رات حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ نے ایک آدمی کو یوں کہتے ہوئے سنا اے وہ ذات پاک جو مظلوم اور پریشان حال آدمی کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

اے وہ ذات جو بیمار سے تکلیف اور مصیبت کو دور کردیتی ہے۔ تیرے پاک گھر کے اردگرد لوگ گروہ در گروہ جمع ہیں اور اس بات سے آگاہ ہیں کہ تیری سخاوت کی آنکھ سوتی نہیں ہے اے ازل سے قائم ذات!

مجھے اپنے کرم کے صدقے معاف فرما کیونکہ مخلوق محرومی کی صورت میں تیری ہی طرف دیکھتی ہے۔

اگر تیرا عفوودرگزر گناہ گاروں کے لیے نہ ہو تو پھر خطا کاروں پر کون نعمتوں کی بارش برسائے گا

حضرت علیؓ نے فرمایا اے بیٹا اس آدمی کو بلاؤ۔ وہ اسے آپ کے پاس لے کر آئے اور اسے کہا امیر المومنین کو جواب دو اور وہ اپنا جسم کا ایک حصہ گھسیٹے ہوئے آگے بڑھا

اور آپ کے سامنے کھڑا ہوگا آپؑ نے فرمایا میں نے تیری بات سنی تیری کہانی کیا ہے اس نے کہا میں عیش وعشرت اور گناہ کی زندگی گزارتا تھا میری اس حالت کو دیکھ کر میرے والد صاحب نے مجھے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب سے بچو اور کوئی اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن میں نے اس کیا س وعظ ونصیحت کو درخوار اعتنا نہ سمجھا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ میں تیرے لیے بددعا کروں گا وہ مکہ المکرّمہ آیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور میرے لیے بد دعا یک اس کی دعا ابھی ختم بھی نہ ہوئی کہ مجھے دائیں طرف فالج کا حملہ ہو گیا میں بہت شرمندہ ہوا میں نے اپنے والد صاحب کی منت سماجت کی اور اسے راضی کر لیا اور عرض کی کہ جہاں آپ نے میرے لیے بددعا کی ہے اسی جگہ جا کر میرے لیے دعا کریں۔ میں نیا نھیں اونٹنی پیش کیوہ اس پر سوار ہوئے وہ اونٹنی دوڑ پڑی اور میرے والد صاحب اس سے گر پڑے پتھروں پر گرنے کی وجہ سیان کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تیرے والد صاحب تجھ سے راضی تھے کیونکہ فرمان الٰہی ہے

رَضِیتُ عَمَنْ رَضِی عَنَہٗ اَبُوہٗ.

''میں اس سے راضی ہوتا ہوں جس سے اس کا والد راضی ہو''۔

اس نے عرض کی جی ہاں وہ راضی تھے۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور دو رکعات نماز نفل ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے اس سلسلے میں دعا کی پھر فرمایا۔

قم یا مبارک!

''اے خوش بخت کھڑا ہو جا''۔

پس وہ کھڑا ہوا اور چلنے لگا اور ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ بیمار تھا ہی نہیں، پھر فرمایا کہ اگر تو قسم اٹھا کر مجھے یقین نہ دلاتا تو میں تیرے لیے ہرگز دعا نہ کرتا۔

حضرت علیؓ کا ایک فالج زدہ کو یوں فرمانا کہ اے خوش بخت اٹھ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے نماز پڑھ کر جو دعا کی تھی آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اب ٹھیک ہو گیا ہے اسی لیے آپ

نے سائے کھڑا ہونے کے لیے فرمایا اور اللہ نے آپ کے یقین کو حقیقت کا رنگ دے دیا۔

سیدنا حضرت عباسؓ کی کرامت

حضرت عباسؓ نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے دور میں ان کو بارش کی دعا کے لیے کہا تھا۔

اسی انتہائی خشک سالی میں آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بارش نازل فرمائی اس میں کوئی شک نہیں کہ قربت ورشتہ داری دعا قبول ہونے کے لیے ایک وسیلہ ہے اسی لیے آپ کی عزت افزائی کے لیے بارش برسائی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی کرامت

آپ جنگ قادسیہ میں زخمی ہو گئے اور میدان جنگ میں جانے اور گھوڑے پر سوار ہونے کی بھی طاقت نہ رہی۔

کسی شاعر کا کلام آپ تک پہنچا جس سے آپ رنجیدہ خاطر ہوئے اور اس کے لیے بدعا کی عرض کی یاالٰہی اس کی زبان اور ہاتھ کو ہم سے روک یدے۔ پس وہ شاعر گونگا ہو گیا اور اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی کہ

اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ سَهْمَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ.[۲۱]

"اے اللہ رب العزت سعد کا نشانہ درست فرما اور اس کی دعا قبول فرما"۔

پس جو بھی وہ دعا مانگتے تھے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتے تھے۔ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا علم تھا حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ کا والی بنایا تو آپ نے تحقیق کے لیے ایک آدمی بھی ساتھ روانہ کیا اس نے جس مسجد میں جا کر ان کے بارے میں پوچھا سب نے ان

---

[۲۱] البخاری۔ شرح القسطلانی (۲۔۱۸۵۸۳) المسلم شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۳۔۹۸۔۹۹)

کی تعریف کی مگر جب وہ بنی علبس کی مسجد میں آیا تو ایک آدمی کھڑا ہو گیا اسے اسامہ بن قتادہ کہا جاتا تھا اور کنیت ابو سعدہ تھی کہنے لگا سفر سعدؓ خود لشکر میں نہیں چلتے برابر تقسیم نہیں کرتے فیصلے میں انصاف نہیں کرتے اس وقت حضرت سعدؓ نے اس کے لیے بددعا فرمائی۔

اے اللہ یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز فرما دیجئے اور اس کی تنگدستی دراز کر دیجئے اور اس کو فتنوں میں ڈال دیجئے۔ اس حدیث کے ایک راوی عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اس کی بھویں اس کی آنکھوں پر لٹک پڑی تھیں اور وہ فقیر ہو گیا تھا اس کے باوجود راہ گزرتی لڑکیوں کو وہ آنکھیں مارتا تھا جب اس سے اس حالت کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے اس کے بعد عمرؓ نے آپؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی بنانا چاہا مگر آپؓ نے انکار کر دیا،

ایک دفعہ حضرت سعدؓ جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بہت برا کہہ رہا تھا۔ حضرت سعدؓ نے اس سے فرمایا "اے بدبخت تو ایسے لوگوں کو برا کہہ رہا ہے جو تجھ سے کہیں بہتر ہیں ان کو برا کہنا چھوڑ دو ورنہ میں تیرے لیے بددعا کروں گا اس آدمی نے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں جو مجھے ڈرا رہے ہیں حضرت سعدؓ نے اسی وقت وضو کیا اور مسجد میں چلے گئے اور یوں دعا کی!

اے اللہ! اگر یہ شخص ان لوگوں کو برا کہتا ہے جن کے حق میں آپ کا وہ وعدہ آچکا ہے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس کو آج لوگوں کیلئے نشان عبرت بنا دے،

پس ایک بختی اونٹنی آئی لوگ اس کی وجہ سے ہٹ گئے اس نیا اس بدبخت آدمی کو روند ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کرامت

ایک شیر نے لوگوں کا رستہ روک رکھا تھا آپ نے اسے کھڑکا تو وہ دم ہلاتا وہاں سے چلا گیا اسی طرح حضرت سلمان اور ابوالدرداءؓ کے ہاتھوں میں پیالہ تھا اس پیالے نے تسبیح کرنا شروع کر دی دونوں نے اس کی تسبیح کو سنا۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ فرشتوں کی تسبیح کو سن لیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے داغ لگوایا تو یہ سلسلہ بند ہو گیا پھر (توبہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس سلسلے کو جاری فرما دیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سے کرامت کا ظہور ہوا کہ آپ نے زہر کا پیالہ پیا لیکن آپ پر اس نے اثر نہ کیا۔

اس کے علاوہ بھی کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کرامات کا ظہور ہوا تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اور گزشتہ دور کے نیک پرہیز گار مسلمانوں سے کرامات ظاہر ہوئیں اس تواتر سے ان کو بیان کیا گیا ہے کہ یقین کا گمان ہوتا ہے۔

سوال:۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں اگرچہ کرامات کثرت سے ظاہر ہوئیں لیکن ان کے بعد اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور پہلے کی بنسبت زیادہ ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب:۔ جب یہی سوال امام احمد بن حنبلؒ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس زمانے کے لوگوں کے ایمان بہت مضبوط تھے ان کو کسی ایسی بات کی بھی ضرورت نہ تھی کہ جس سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی۔ لیکن اس کے بعد لوگوں کے ایمانوں میں ضعف واقع ہو گیا۔ اس لیے ان کے ایمانوں کو قوی کرنے کے واسطے کرامتوں کے اظہار کی ضرورت بہت زیادہ ہو گئی۔

ایک ضروری وضاحت

اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ معجزہ صرف انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ خاص ہوتا ہے جب کہ کرامت، نیک، پرہیز گار اور سنت رسول کے پیروکار انسانوں سے واقع ہوتی ہے مثلاً صحابہ کرام، تابعین، تابع تابعین اور امت محمدیہ کے دیگر نیک و متقی افراد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

کسی فاسق، فاجر اور سرکش آدمی سے کرامت کا صدور قطعاً نہیں ہو سکتا اور ان سے اگر بعض دفعہ خلاف عادت امور کا ظہور ہو تو بھی اسے کرامت شمار نہیں کرتے وہ خاص علوم

میں مہارت کی وجہ سے یہ امور سرانجام دیتے ہیں مثلاً جادو، ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی وغیرہ۔ یا پھر علاج کے لیے مسلسل مشق کرتے ہیں۔

مثلاً ایک دن میں کئی مرتبہ زہریلے دانے چبا لینا یا بلندی سے پستی کی طرف چھلانگ لگانا وغیرہ۔

اسی طرح اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھ کر اور راتوں کو مسلسل جاگ کر بھی بعض لوگوں کو خفیہ رازوں سے آگاہی ہو جاتی ہے۔

اور ان میں زیادہ تر ظن وتخمین سے کام لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ تجربہ کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کر لیا جاتا ہے۔

بسا اوقات کسی نیک آدمی کی دعا اثر دکھاتی ہے اور انسان کو غیر معمولی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے اور دعا کے اثر کو آئندہ نسلوں میں بھی محسوس کیا گیا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے پیروکار افراد سے سرزد ہونے والے غیر معمولی افعال کو کرامت کہتے ہیں۔

دین اسلام کی خلاف ورزی کرنے والے اور سرکش افراد سے ایسے افعال کے وقوع کو ''استدراج'' کہتے ہیں۔ کیونکہ کرامت تو معجزہ رسول کی ایک کرن ہے اور یہ امداد الٰہی او فیوض ربانی کا ایک سنہری سلسلہ ہے۔ اور ان روحانی انوار کے حصول کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔

۱۔ اسلام کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے قبول کرنا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت وپیروی کرنا۔

صالح، متقی اور سچے لوگوں کی صحبت

قرآن حکیم اور سنت نبویہ کے قطعی دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صالح متقی اور سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے ارشاد ربانی ہوا۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا[1]

''اور روکے رکھیے اپنے آپکو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام، طلبگار ہیں اسکی رضا کے اور نہ ہٹیں آپکی نگاہیں ان سے کیا آپ دنیوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور نہ پیروی کرو اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہم نے جسکے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی۔ اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ آپ اپنی ذات مقدسہ کو ان مومنین کی صحبت میں رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کریم کی خوشنودی کے لیے دعا مانگتے ہیں اور ان قدسی صفات لوگوں کے علاوہ دنیا پرست لوگوں کی طرف توجہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ جو ذکر الٰہی سے غافل، خواہشات نفسانی کے غلام اور دین الٰہی سے شرکش ہیں ان کی اطاعت و پیروی سے روکا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے دین کی ترویج میں تعاون ہوتا ہے اور اس سے دل کو جلا ملتی ہے اور اہل مسق وکفر کے پاس بیٹھنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو جاتا ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

---

[1] سورہ الکھف (۲۸)

اول الذکر لوگوں کے پاس بیٹھنا عبادت اور سعادت ہے جب کہ آخر الذکر کی مجالس میں بیٹھنے سے آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور بدبختی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور کوئی بھی ذی شعور آدمی سعادت کو شقاوت میں تبدیل ہوتے نہیں دیکھ سکتا قرب الٰہی سے شقاوت دور ہو جاتی ہے اور یہ بات قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ اہل خیر کی مجالس سے بھلائی ہی حاصل ہوتی ہے اور اہل شر سے شر ہی ملتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صحبت صالح پر ابھارا ہے فرمایا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ. ؎۲

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

اس آیت مبارکہ میں ساتھ ہونے سے مراد سچے لوگوں یک صحبت اور محبت ہے اس سے دل حق بات پر ڈٹ جاتا ہے اور کفر و بے ایمانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ گویا کہ تقوی کے حصول کے لیے صالحین کی صحبت ایک وسیلہ ہے با الفاظ دیگر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرما رہے ہیں۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تمہیں اللہ سے ڈرنے کا طریقہ معلوم نہیں تو پھر جان لو وہ طریقہ تمہیں صالحین کی صحبت سے ملے گا''۔

کیونکہ انسان جب اہل خیر اور اہل علم کے پاس بیٹھتا ہے تو ان سے بھلائی اور علم ہی حاصل کرتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذی شان راہنمائی کرتا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. ؎۳

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے''۔

؎۲ سورہ التوبہ ۱۹۹) ؎۳ سورہ الکھف (۶۶)

؎۲ سورہ آل عمران (37)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم، احوال اور عمدہ صفات کے حصول کے لیے با صلاحیت لوگوں کی پیروی ضروری ہے اسی طرح نیک آدمی کا اہل خیر کے بارے میں معلومات دینا اور استفادہ کی کیفیت سے آگاہ کرنا ایک مرغوب و پسندیدہ امر ہے حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین کے لیے بھی اسی طرح ایک حدیث طیبہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحبت صالح کی دلکش انداز میں تشریح فرمائی ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تاجدار عرب و عجم نبی محتشم ﷺ نے فرمایا۔

''اچھے اور برے ہم نشیں کی مثال ایسے ہے جیسے عطر فروش یا بھٹی گرم کرنے والا پس جب آپ عطر فروش کے پاس بیٹھیں گے تو آپ اس سے خوشبو خریدیں یا نہ خریدیں اس کے پاس بیٹھنے سے آپ کو خوشبو ضرور آئے گی لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے سے یا تو آپ کے کپڑے جلیں گے یا پھر اس سے بدبو آئے گی''۔ ؁۴

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے بہت کم مدت میں بہت کچھ سیکھ لیتا ہے وہ باتیں جو تنہائی میں کافی جدوجہد کے بعد حاصل ہوتیں ہیں صحبت میں چند دنوں کے اندر حاصل ہو جاتیں ہیں یہاں تک کہ دونوں ساتھی ایک دوسرے کے مذہب اور دین کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

الرَّجل علی دِینِ خلِیلِهٖ فَلْیَنْظر اَحدُ کم مَنْ یُخالِلُ. ؁۵

''ہر آدمی اپنے ساتھی کے مذہب پر ہوتا ہے پس تم کو غور کرنا چاہیے کہ کس کو دوست بنا رہے ہو''۔

اس حدیث کو ابو داؤد اور امام الترمذی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام

؁۴ البخاری۔ شرح القسطلانی (۴۔۳۹) ؁۵ البخاری شرح القسطلانی (۴۔۳۸)

الترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے دنیاوی دوستی اور مصاحبت کے اثرات آخرت میں بھی دیکھنے ہوں گے۔ حدیث مبارکہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ.[٦]

''آدمی بروز قیامت اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی''۔

حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی کہ ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان لوگوں سے مل نہیں سکتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے فرمایا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ.

٦ البخاری (٨۔٤٩)

زیارت صالحین

جب دوانسانوں میں محبت والفت کا رشتہ قائم ہو جائے اور ان کی یہ محبت خالصتاً اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر ہو تو اگر وہ اکھٹے رہتے ہیں تو صورتحال واضح ہے اور اگر ان میں جدائی واقع ہو جائے تو وہ ان کے لیے تکلیف دہ امر ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک آدمی اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے اس کے گاؤں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بھیجا وہ فرشتہ اس آدمی سے آکر پوچھتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو اس نے کہا قریبی گاؤں میں میرا ایک بھائی رہتا ہے اس کی ملاقات کے لیے جا رہا ہوں فرشتے نے کہا کیا اس پر تو نے کوئی احسان کرنا ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ میں تو اس سے محبت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہوں فرشتہ کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری طرف بھیجا گیا ہوں اور تیرے لیے یہ خوشخبری لایا ہوں کہ جس طرح تو اس سے محبت کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ [1]

اس حدیث طیبہ سے ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ایک امر مستحب ہے اگر چہ وہ ایک ہی گاؤں میں رہتے ہوں یا الگ الگ علاقوں میں رہتے ہوں اور اگر اس ملاقات کا مقصد دین کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو کہ اس کے سوا کوئی نہ بتا سکتا ہو یا کسی روحانی مرض مثلاً حسد و کینہ وغیرہ کے علاج کے لیے اس کے پاس جانا ضروری ہو تو ایسی ملاقات مزید ضروری ہوتی ہے کیونکہ جس چیز پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے بے شک اپنے نفس کو رزائل اور امراض نفسانیہ سے بچانا کامیابی اور نجات کا سبب ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے۔

---

[1] مسلم شریف۔ من الجاہرۃ شرح النووی بہامش القسطلانی (۹۔۳۶۱)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا [۲]

''یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے کی بارگاہ میں بیٹھنے سے دل کے امراض ختم ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی آدمی صالحین کی زیارت سے روکتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ۔

لاَ تَشُدُّ الرِّحَالَ اِلاَّ اِلٰی ثَلاَثَۃِ مَسَاجِدَ۔ [۳]

''کہ سفر نہ کرو مگر تین مساجد کی طرف''۔ تو اس کا جواب یہ ہے اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ زیادہ ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ بعض احادیث میں مذکورہ مساجد میں اضافی ثواب کے بارے میں فرمایا گیا ہے جب کہ اولیاء، صالحین اور عارفین کی زیارت اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ ان سے ادب، علم، اخلاق حسنہ اور فضائل سیکھے جائیں اور کوئی بھی ذی شعور انسان کسی پر فقہ، عقائد، حکمت اور لغت عرب کو سیکھنے کے دروازے بند نہیں کر سکتا۔ اور حق کی ہدایت طلب کرنے والوں کی جن چیزوں کی طرف راہنمائی کی جاتی ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان علوم کے طبہ جو دلوں کی امراض کو دور کرنے والے ہیں متقی اور صوفی لوگوں کی پیروی کریں کیونکہ یہ لوگ دلوں کی بیماری کا نور سے علاج کرتے ہیں اور پاکی کے راستہ کی طرف اچھی راہنمائی کرتے ہیں اور دوسری یہ کہ وہ طلبہ بدنی امراض کے علاج کے لیے حاذق اطباء کی طرف رجوع کریں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دین انسانی زندگی کی روح ہے اور اس کے عمدہ تصورات، زکاوت نفس اور اس کی عمدگی اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے تمام روکاوٹوں سے چھٹکارا پانا یہ دین کی روح ہے۔

---

[۲] سورہ الشمس (۹-۱۰)   [۳] مسلم شریف۔ عن بریدہ من ابیہ شرح النووی فی ہامش القسطلانی ۴-۳۱۵

انسان جب بدنی امراض کی وجہ سے مرجاتا ہے تو اس کا مادی اشیاء سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں رہتا۔ اور جب آدمی روحانی امراض کی وجہ سے مرتا ہے تو اس کی سعادت ابدی کا اختتام ہو جاتا ہے اور ابدی شقاوت اس کا مقدر بن جاتی ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔

عقل مند آدمی کے لیے ضروری ہے کہ صالحین کی اتباع کر کے نفس کے امراض کا علاج کرے کیونکہ تزکیہ نفس ضروری ہے اور پھر ہر وہ امر جس پر فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے۔

اعتراض:۔ ہر کام کے لیے شریعت کی اتباع ہی کافی ہے کیونکہ جن سعادتوں کا انسان محتاج ہے وہ تمام امور دین کی اتباع میں ہیں پس کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں۔

جواب:۔ ہم آپ کے موقف کی مخالفت نہیں کرتے لیکن آپ نے اتباع شریعت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا کیونکہ شریعت تو عبادت اور اخلاص کا حکم دیتی ہے عبادت کا علم تو دینی تعلیمات سے حاصل ہوتا ہے جب کہ اخلاص جس کا دارومدار نیت پر ہے اس پر عمل کرنا اسوقت تک ممکن نہیں جب تک اخلاق محمدیہ کو نہ اپنایا جائے اور اخلاق محمدیہ صرف اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب دین، اہل دین اور ان کی صحبت سے محبت کی جائے اور ان سے وہ آداب سیکھے جائیں جو قرب رسول ﷺ کا باعث ہوں۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ.[۲]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان یاد نہیں[۳] جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان حکایتاً بیان فرمایا گیا۔

---

[۲] سورۃ التوبہ (۱۱۹)

---

[۳] بخاری شریف۔ شرح القسطلانی (5-411-412) مسلم شریف۔ شرح النوی (9-441)

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ ۵

''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا''۔

اور حضرت خضر علیہ السلام کا جواب یہ تھا کہ

اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَ کَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا۔ ۶

''(اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں''۔

آپکو معلوم ہوگا کہ وہ بندہ خاص (حضرت خضر علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام کا حامل تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدنی سے نوازا تھا۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے تو اس کا معنٰی یہ ہوا کہ ایک رسول کا کسی نبی سے بعض مخصوص علوم میں استفادہ کرنا جائز ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ولی تھے تو بھی بات واضح ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عظیم مرتبہ کے باوجود وہ خاص راز جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص تھے ان کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے جناب خضر علیہ السلام سے استفادہ کیا تو بات واضح ہوگئی کہ تمام لوگوں کے لیے اولیاء و علماء حق سے استفادہ کرنا اور بھی ضروری ہے اگرچہ یہ سابقہ شریعتوں کا واقعہ ہے لیکن اسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تقریراً اور ارتضاءً بیان فرمایا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں سے استفادہ کی اجازت دی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ ہے کہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مختص فرما دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔

۵ سورۃ الکھف (٦٧۔٦٨) ۶ سورہ الزمر (٣)

''خبردار! صرف اللہ کیلئے ہے دین خالص''۔

جب اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ برے اعمال سے بچنے کی پرخلوص کوشش کی جائے تو دلوں میں صحیح عقائد راسخ ہو جاتے ہیں عقائد کی تعلیم سے ہی عقیدہ بنتا ہے اور فقہ کی تعلیم سے اعمال کرنے میں مدد ملتی ہے جب کہ خلوص صرف اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے حاصل ہوتا ہے اور یہ اس کی خاص عنایت ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام کی صحبت طیبہ، محبت اور پیروی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ تو صدر اول میں ممکن تھا دوسرے طبقہ میں آپکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور صحبت ہے اسی طرح آنے والے دور میں بھی نیک صحبت اور محبت کا سلسلہ جاری رہا اور جاری ہے۔

قبور صالحین (رحمہم اللہ علیہم) کی زیارت

مطلق فوت شدہ لوگوں کی قبور کی زیارت کا ایک جز فوت شدہ صالحین کے مقابر کی زیارت بھی ہے اسکی کئی وجوہات اور اقسام ہیں۔

پہلی وجہ :۔ فوت شدہ کوئی بھی ہو اسکی قبر کی زیارت کا حکم ہے اور یہ ایک پسندیدہ امر ہے کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ رہتی ہے انسان پر فریب لذتوں کے زوال میں غور وفکر کرتا ہے اور اسے عبرت حاصل ہوتی ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے اسے ایک دن مرنا ہے۔ حدیث طیبہ ہے۔

كُنتُ نَهيتُكُم عَنْ زِيَارَةِ القُبورِ فَزُورُوهَا فَاِنّهَا تذَكِّرَ آلاخِرَةَ۔[1]

"میں تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا کرتا تھا پس اب تم قبور کی زیارت کیا کرو اس سے آخرت کی یاد آتی ہے"۔

اور ایک روایت یوں بھی ہے۔

فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَزُوْرَ الْقُبُورَ فَلْيَزُرْ فَاِنَّهَا تُذَكِّرَة" بِاْ لاخِرةِ.

"پس تم میں سے جو قبروں پر جانا چاہے وہ ضرور جائے کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے"۔

دوسری وجہ :۔ آغاز اسلام میں زیارت قبور سے منع کیا گیا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت کے تصورات ابھی باقی تھے جب قواعد اسلام مکمل ہو گئے اور احکام شریعت واضح ہو گئے اور اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب اسلام کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی تو حضور علیہ السلام نے اپنے پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا کیونکہ ایک اصولی قاعدہ ہے کہ وہ حکم جو منع کرنے کے بعد دیا جائے وہ منسوخ شدہ حکم کے جواز پر دلالت کرتا ہے مزید برآں حضور علیہ السلام نے خود بھی کئی دفعہ قبور کی زیارت فرمائی۔

---

[1] مسلم شریف ...... شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۴۔۳۱۵)

اسی وجہ سے بدعت اور مذہبی نفسانی خواہشات کی آمد سے پہلے تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردوں کے لیے مسلمانوں کی قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے کیونکہ روح کا قبر کی جگہ سے یقیناً ایک تعلق رہتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں۔

"نبی کریم ﷺ جب بھی رات کے آخری پہر جنت البقیع کی طرف جاتے تو یوں فرماتے تھے۔

"اے مسلمان قوم کے فوت شدہ افراد جس موت کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ تم کو مل چکی ہے ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں"۔

اے اللہ، بقیع غرقد والوں کو معاف فرمادے۔[۲]

حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام انھیں اس بات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب تم لوگ قبرستان جاؤ تو یوں کہو۔

اَلسَّلامُ عَلیکُمْ اَھلَ الدِیَارِ مِنْ الموءمِنِیْنَ والمُسْلِمِینَ واِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لاَ حِقُونَ أسالُ اللّٰہَ لَنا وَلَکُمْ العَافِیَۃَ.[۳]

"اے مومنین و مسلمین اہل قبور! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتا ہوں"۔

والدین کی قبروں کی زیارت:۔ زیارت کی ایک قسم یہ ہے کہ حق والدین ادا کرنے کے لیے ان کی قبور کی زیارت کی جائے ابو نعیمی کی روایت کردہ ایک حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ

مَنْ زَارَ قَبر وَالِدَیْہِ اَوْ اَحَد ھِمَایوم الجُمعَۃِ کَانَ کَحَجَّۃٍ.

"جس نے بروز جمعہ والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کا شرف

---

۲ مسلم شریف۔ شرح النووی فی ہامش القسطلانی (۴۔۳۰۶) ۳ ایضاً ۴۔۳۱۲

حاصل کیا تو یہ اس کے لیے حج کی طرح ہے"۔

اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔

غُفِرَ لَهُ وَ كُتِبَ لَهُ بَرَائَةٌ".[۴]

"اس کو معاف کر دیا گیا اور اس کے لیے برأت کو لکھ دیا گیا۔

تصدیق اور پہچان:۔ قبر کی تصدیق یا پہچان کے لیے اس کے اوپر کوئی نشان لگانا ایک مستحب امر ہے اور یہ بات بھی حدیث طیبہ سے ثابت ہے کہ جب عثمان بن مظعونؓ کا انتقال ہوا اور جب ان کے دفن کرنے کا وقت آیا تو آقائے دو جہاں ﷺ بھی تشریف فرما تھے ایک پتھر لایا گیا اسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی قبر کے سرہانے لگا دیا جب اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبرَ أخِيْ عُثْمَان.[۵]

"تاکہ اس کی وجہ سے میں اپنے بھائی عثمان کی قبر کو پہچان سکوں۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ مستقبل میں جب بھی آپ زیارت کے لیے آئیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ عثمان کی قبر ہے۔

اس حدیث طیبہ کی رو سے لوگوں نے عورت کی قبر پر دو پتھر (سر اور دوسرا ایک پاؤں کی طرف) رکھنے شروع کر دیئے اسی طرح مذکر کے لیے تین پتھر ایک ایک سر اور پاؤں کی طرف اور ایک درمیان میں۔

حصول برکت کا سبب:۔ اہل خیر کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ حصول برکت کے لیے مقابر صالحین کی زیارت کرتے ہیں کیونکہ صالحین کی برزخی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ ان پر انوار و تجلیات کی بارش فرماتا ہے۔

سید البشر ﷺ اور دیگر انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم کی برزخی حیات کے بارے

---

[۴] مجمع الزوائد (۳۔۵۹۔۶۰)   [۵] سنن ابی داؤد (۲۔۱۸۹۔۱۹۰)

میں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ اولیاء وصالحین، علماء عاملین اور ان سب سے بڑھکر صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور شہداء اسلام کی قبور کی زیارت اولاً تو مسلمان ہونے کے ناطے ''مستحب مطلق'' ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ''مستحب مؤکد'' بھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی دین اسلام کے لیے قربانیاں بے مثال ہیں اور اس وجہ سے بھی ان کی قبور قابل زیارت ہیں کہ ان کی ارواح مقدسہ دنیا برزخ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انوار سے ہمیشہ منور رہتیں ہیں اور ان کا اپنے رب سے تعلق کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اور جمہور مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ روح لا فانی ہے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ مذکورہ افراد کی ارواح پر انوار و برکات کی ہمیشہ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔

پس ان کی پاک روح کی وجہ سے زیارت کرنے والا اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے اس سلسلے میں ایک حدیث طیبہ روایت کی گئی ہے۔

روی اَنَّہ صَلی اللّٰہ علیہ وَسلم قَالَ ''اَنَسَ مَا یَکُونُ المیّتُ فِیُ قَبرِہٖ اِذَا رَای مَنُ کَانَ یُحِبُّہ' فِیُ الدُنیا۔[1]

''جب قبر والا کسی ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا تو اسے سکون ملتا ہے''۔

یہ حدیث طیبہ دنیاوی دوستوں کی زیارت قبر کے سلسلے میں ہے اور ان نیک لوگوں کی زیارت کے بارے میں ہے جن کو وہ ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اور اس کے علاوہ جن لوگوں کو وہ ظاہری طور پر نہیں جانتا تھا۔ لیکن روحانی طور پر صاحب قبر سے ان کا ایک تعارف تھا۔

کیونکہ مادی زندگی میں بھی روحانی تعارف، ظاہری تعارف پر موقوف نہیں ہے۔ اور یہ بات تمام اہل علم ویقین سے مخفی نہیں۔

---

[1] مصنف فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی سند معلوم نہیں لیکن اس معنی ومفہوم کی اور بہت سی احادیث اس کی تائید کرتیں ہیں مثلاً ''یا من رکجل یمر (جامع الصغیر ۲۔۲۵۵)

بیانات اور وضاحتیں

گذشتہ باب سے متعلق کچھ ایسے وضاحت طالب اور جن کو بیان کرنا یقیناً مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔

الاول: کیا فوت شدہ افراد کو اس بات کا ادراک اور اطلاع ہوتی ہے کہ ان کی زیارت کے لئے آیا ہے اور کیا زائر کے احوال سے میت واقف ہوتا ہے؟

الثانی: کیا زیارت کے میت کو یا زائر کو فائدہ ہوتا ہے؟

الثالث: کیا بھلائی کے لئے حصول اور شر کو دور کرنے کے لئے زائر فوت شدہ افراد کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا سکتا ہے؟

پہلے سوال کی وضاحت

اگر فوت شدہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ہو۔ تو ان کو اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ زائر کون ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں کہ اور زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھا سکتی، جیسا کہ امام نسائی نے اوس بن اوسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ'' [1] (علیہم الصلوۃ والسلام)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے''

ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے امام بیہقیؒ نے کتاب الانبیاء میں روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ'' [2]

---

[1] النسائی (3/91-92) رواہ احمد فی المسند (8/4) ابن ماجہ: حدیث نمبر 1637 ابو داؤد فی سننہ...... (351/1) [2] البیہقی ...... کتاب حیاۃ الانبیاء ص 4: نیل الاوطار (108/5)

''انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں''۔

اسی طرح ابو یعلی اور بزار و ابن عدی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فضائل میں لکھا ہے جسے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

'' مَرَرْتُ عَلی مُوسٰی لَیْلَةَ اُسْرِیٰ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَر وَھُوَ قَائِم'' یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ ''[3]

''جس رات مجھے معراج کرائی گئی اس رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ ایک سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز ادا فرما رہے تھے''

ایک اور صحیح حدیث حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے فرمایا۔

'' حَیَاتِیْ خَیر'' لَکُمْ تُحِدِّثُوْنَ وَ یُحَدِّثُ لَکُمْ فَاِذَا رَأیْتُ خَیْراً حَمِدْتُ اللّٰہُ وَاِنْ رَأیْتُ شَراً اَسْتَغْفَرْتُ لَکُمْ [4]

''میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے۔ جو تم بیان کرتے ہو اور جو تمہارے لئے بیان کیا جاتا ہے پس جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہو گی مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اگر میں ان میں بھلائی دیکھوں تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اگر کوئی برائی دیکھوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

اسی طرح شہداء بھی اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں لیکن ان کی زندگیاں انبیاء کی طرح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

'' وَلَا تَقُوْلُوْ لِمَنْ یُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَات'' بَلْ اَحْیَاء'' وَلٰکِنْ لَا

---

[3] مسلم شریف...... شرح النووی فی ہامش القسطلانی (231/9)

[4] الحافظ الھیثمی عن عبداللہ بن مسعود، رواہ البزار و رجالہ رجال صحیح مجمع الزوائد.............. (24/9)

تَشْعُرُوْنَ"۵

اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے جائیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں ہے۔"

یعنی تمہیں ان کی زندگیوں کے بارے میں سمجھ نہیں ہے اور نہ ہی ان کی اس حالت کو ادراک اور حس سے محسوس کیا جاتا سکتا ہے کیونکہ یہ برزخ کے احوال ہیں جس پر مطلع ہونا مشکل ہے۔ صرف وحی اور الہام کی وجہ سے ان کے احوال کو معلوم کیا جاسکتا ہے لیکن بذریعہ علم ان کی زندگیوں کا شعور مشکل ہے اور نہ ہی ان معاملات میں عقل کو دخل ہے کیونکہ یہ امور اس کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔

جمہور سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہداء کی زندگی حقیقی زندگی ہے اور روح اور بدن مرکب ہے لیکن وہ جسم دنیوی نہیں بلکہ برزخی ہے۔ ہم دنیاوی ماحول میں اسے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بصیرت کی آنکھ سے اسے دیکھ سکتا ہے۔ اس موقف کی قائل درج ذیل عظیم ہستیاں ہیں۔

ابن عباس، قتادہ، مجاہد، الحسن، عمرو بن عبید، واصل بن عبید، واصل بن عطاء، الجبائی، رومانی اور مفسرین کی ایک جماعت (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

تمام فوت شدہ افراد کی ارواح کی عالم برزخ میں مصروفیات ہماری طرح نہیں ہوتی اور نہ ہی عالم محسوس کو عالم آخرت پر قیاس کیا جاسکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ مقام و مرتبہ کی رو سے ارواح کے ادراکات میں بھی فرق ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب "کتاب الروح" میں ایک باب لکھا جس کا موضوع ہے "فوت شدہ افراد زندہ لوگوں کے بارے میں آپس میں پوچھتے ہیں اور ان کے اقوال وافعال کو جانتے ہیں"

---

۵ سورۃ البقرۃ.........154

حافظ ابو محمد عبدالحق الاشبلی نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور اسی بات کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ ابو عمر بن عبدالبرؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

"مَا مِنَ رَجلٍ یَمُرُّ بِقبرِ اَخِیهِ الْمؤمن کَانَ یَعْرِفُهٗ فیسلم عَلَیهِ اِلَّا عَرفَهٗ وَرَدَّعلیه" ۶

"جب کوئی آدمی اپنے اس بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ جانتا تھا پس وہ اس پر سلام بھیجتا ہے تو اہل قبر اسے جانتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ "اگر قبر والا اسے نہ بھی جانتا ہو تو بھی وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

مزید بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتیں ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

" مَا مِنْ رَجل یَزُوْرُقَبْرَ اَخِیْهِ فَیَجْلِسُ عِندهٗ اِلَّا اِسْتَا نَسَ بِهٖ حَتّٰی یَقُوْمَ" ۷

جب کوئی آدمی اپنے بھائی کی قبر کے پاس جاتا ہے اور ہاں بیٹھتا ہے تو جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے قبر والے کا دل اس سے مانوس رہتا ہے۔"

حافظ ابو محمد نے اس سلسلے میں سنن ابوداؤد کی ایک حدیث نقل کی ہے۔

جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

" مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلٰی رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدُّ عَلَیْهِ السَّلَامَ " ۸

"جب کوئی بھی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس کر دیتے ہیں پھر میں

---

۶ الخطیب فی تاریخ بغداد......الجامع الصغیر (255/2)

۷ ابن ابی عبدالبر......التمہید......الاحیا (4-475)

۸ ابوداؤد فی سننہ (470/1) امام نووی اسے "الاذکار" اور ریاض الصالحین میں صحیح لکھا ہے۔

اس کا جواب دیتا ہوں"

حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کرام کو اس بات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو یوں کہا کرو۔

السلام علیکم اہل الدیار (الحدیث)

اس سے معلوم ہوا کہ میت سلام کرنے والے کو جانتی ہے اور اس کے لئے دعا بھی کرتی ہے جو اس کے لئے دعا کرے حضرت عمرو بن دینارؓ سے ایک صحیح حدیث مروی ہے فرماتے ہیں۔ مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ اِلَّا وَھُوَ یَعْلَمُ مَا یَکُوْنُ فِیْ اَھْلِہٖ بَعْدَہٗ وَاَنَّھُمْ یُغَسِّلُوْنَہٗ یُکَفِّنُوْنَہٗ وَاَنَّہٗ لَیَنْظُرُ اِلَیْھِمْ "۹

ترجمہ: جب کوئی مرتا ہے تو وہ اپنے بعد گھر والوں کو جانتا ہے۔

اور یہ بھی جانتا ہے وہ اسے غسل دے رہے ہیں کفن پہنا رہے ہیں اور ان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے" اور موتی کے سننے اور سنانے کے بارے اللہ تعالیٰ کے ارشادات واضح ہیں لیکن بعض لوگوں کو اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں۔ فرمان ہوا۔

فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ (سورہ روم)

"پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں۔ اپنی پکار، (خصوصا) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں" ایک اور فرمان عالی شان ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَالْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ)۱۰

اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں"

---

۹ مسند امام احمد بن حنبل ...... تخریج الاحادیث الاحیاء 482/4)

۱۰ سورہ فاطر 22

مذکورہ بالا ارشادات گرامی کی وضاحت ضروری ہے۔

الاول: بے شک سماع سے مراد میت کے جسم کا آلہ سماعت کی مدد سے سننا ہے اور یہ عادتاً ناممکن ہے۔ کیونکہ میت میں کسی شے کو محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کا سننا بھی ممکن نہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرمائے وہ سن بھی سکتا ہے۔

الثانی: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جائے کہ وہ انسان جو اپنی زندگی میں کفر پر ڈٹ جائے اس کو رسول کی وعظ، نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ وہ تو ایک جامد اور فنا پذیر میت کی طرح ہے۔ اس لئے اسے آپ کی ہدایت و راہنمائی مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو اس خالق کائنات کی ہی قدرت ہے جو ان جمادات کو بھی سننے اور حیوانات کو بھی بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں۔ مذکورہ آیتوں میں ارواح موتی کا روحانی طور پر بالقوت ادارک اور سننے کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ عالم برزخ میں ارواح کو اشیاء کا اور آوازوں کو سننے کا ادراک ہوتا ہے اور یہ بات دلائل سے ثابت ہے۔

مزید براں ارواح کا سننا برزخی انداز کا ہوتا ہے اس کو ہم عالم محسوس پر قیاس نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم میں سے کوئی خواب میں باتیں کرنے والے کو دیکھتا اور سنتا ہے۔

الثالث: اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد لوگوں کی راہنمائی کرنا، حقیقت میں انہیں فائدہ دینا اور وفات کے بعد مردوں کو سنانا یہ تمام امور زندگی کی مروجہ قانون سے ہٹ کر ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے کرنے ہوں وہ ہو کے رہتے ہیں اور جس چیز نے ختم ہونا ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور قدرت سے سر انجام پاتے ہیں اس میں کسی آدمی کی مروجہ محنت کا ہاتھ نہیں ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکتا اس وجہ سے یارسول اللہ ﷺ آپ فکر مند نہ ہوں اور ان کی غلط سوچ پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں آپ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ہیں اور آپ کا کام ہے کہ ارشادات الٰہیہ کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اور جہاں تک ہدایت کا تعلق

ہے تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے فرمایا۔

(اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ) [12]

بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں۔

مزید فرمایا

(وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) [13]

''بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔

مذکورہ آیات مبارکہ اور اس جیسی مزید آیات میں ارواح کے ادراک کی نفی نہیں ہے اور نہ ہی برزخی سماع کی نفی ہے کیونکہ اگر یہ معنی مراد لیا جائے تو کثیر صحیح احادیث کے مفہوم کی مخالفت ہو جائے گی۔

دلیل کے طور پر ایک متفق علیہ حدیث مبارکہ پیش کرتے ہیں جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام مقتولین بدر کے گڑھے پر کھڑے تھے تو آپ نے یوں فرمایا۔

(ھَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَکُمْ رَبُّکُمْ حَقًّا)

''کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا مردے سنتے ہیں آپ نے فرمایا۔

(وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ لِمَا اَقُوْلُ غَیْرَ اَنَّھُمْ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ اَنْ یَّرُدُّوْا عَلَیَّ شَیْئًا) [14]

''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ مگر یہ کہ وہ مجھے جواب دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔''

یعنی وہ مشرک تھے اور اپنی زندگی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی

---

[12] سورہ القصص...... 56 [13] سورہ الشوریٰ...... 52

[14] صحیح مسلم...... شرح النووی فی ہامش القسطلانی (223/10) صحیح بخاری...... شرح القسطلانی (254/25)

اَللّٰھُم اِنِی اَسْأَلُکَ بِحَقِ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ واَسْأَلُکَ بِحَقِ مَمْشَایَ ھٰذا اِلَیْکَ فَاِنِی لَمْ أخْرُجْ اَشْرًا ولاَ بَطَرًا ولاَ رِیَاء لاَ سُمْعَة خَرَجْتُ اِتِقَاءَ سُخْطِکَ واِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فاسألُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارَ واَنْ تَغْفِرلِیْ ذُنُوبِیْ فَاِنَّہٖ لاَ یَغْفِرُلَہٗ اِلاَّ انت اقبل اللّٰہُ بِوجھہٖ علیہ والستغفرلَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْف'' ملک. ۳؎

''یاالٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں میرا تیری طرف چل کے آنے کے صدقے، میرے نکلنے کا مقصد شر،غرور، ریاکاری یا شہرت نہیں میں صرف تیری ناراضگی سے ڈرتے ہوئے نکلا اور تیری رضا کا طلب گار رہا۔ میں تجھ سے آگ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرمادے تیرے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرسکتا''۔

''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس حدیث کو جلال الدین سیوطی نے جامع الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اسی حدیث کو ابن السنی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت بلالؓ (جو موذن رسول ﷺ تھے) سے روایت کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نماز کے لیے نکلا کرتے تو یوں فرماتے۔

بسم اللہ اٰمَنْتُ باللّٰہِ وتَوکلتُ عَلٰی اللّٰہ ولاَ حَوْلَ ولاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُم اِنّی اَسْأَلُکَ بِحَقِ السَائِلِیْنَ عَلَیْکَ وبِحَقِ مَخْرَجِیْ ھٰذا فَاِنّی لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا ولاَ شَراً وَلاَ رِیَا وَلاَ سُمْعَةً خَرَجْتُ اِبْتِغاء مَرْضَاتِکَ واِتقاء سُخْطِکَ اَسْأَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وتَدْخُلنِی الجَنَّةَ. ۴؎

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اللہ پر ایمان لایا میں نے اسی پر بھروسہ

۳؎ مسند امام احمد آلایة (۳۔۱۲۱ ۴؎ لاذکار میں نوری نے کیا روایت کیا اور اسے ضعیف کہا ہے ص ۳۲

ابن السنی۔ عمل الیوم واللیلة حدیث نمبر ۸۳

کیا اللہ کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے میرے اس نکلنے کے صدقے میں غرور، شر، ریا کاری یا شہرت کے لیے نہیں نکلا میں تیری رضا کے لیے نکلا ہوں۔ تیری ناراضگی سے ڈرتے ہوئے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ آگ سے مجھ بچا اور جنت میں مجھ داخل فرمادے۔

اس حدیث کو البیھقی نے کتاب الدعوات میں اس حدیث کو ابی سعید سے روایت کیا ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ذی شان ''بحق السائلین علیک'' اس بات پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والوں کے حق سے سوال کرنا جائز ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ اسی طرح متوسل کا اپنی ذات کے صدقے اور اعمال کے صدقے سے اپنے رب سے عرض کرنا جائز ہے۔

جیسا کہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔

اَسْئلکَ بِحقِ مَمْشِایَ ھٰذا اِلیکَ.

''یا الٰہی تیرے راستے میں اٹھتے ہوئے میں اپنے ان قدموں کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں''۔

جب حق بمعنٰی عزت، مقام اور مرتبہ ہوا تو ان سے توسل کرنا بھی جائز ہو گیا۔

مذکورہ حدیث مبارکہ کثیر طرق سے روایت کی گئی ہے جو زندہ وفوت اولیاء کرام کے حق عزت ومقام کے صدقے سے سوال کرنے کے جواز پر دلالت کر رہی ہے اسی طرح اپنے عمل سے بھی توسل جائز ہوا۔ تابعین تبع تابعین اور بعد میں آنے والے لوگ حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق نماز کے لیے نکلتے ہوئے اس دعا کو پڑھتے رہے ہیں۔

اسی طرح کے توسل کے بارے میں طبرانی نے ''الکبری اور الاوسط'' میں اور ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ان تمام نے اس کو صحیح حدیث فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے جب حضرت فاطمہ بنت اسدؓ وفات

چٹان ان کی غار سے دور کر دی اور وہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اس سے ثابت ہوا کہ نیک اعمال اور نیک لوگوں سے توسل کرنا ایک جائز عمل ہے کیونکہ اس توسل کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال صالحہ کے ذریعے اس کی اطاعت اللہ کو بڑی پسند ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ارشاد فرمایا کہ ''دو یتیم بچوں کی دیوار سیدھی کر دو جن کا باپ نیک تھا'' یہ اس کریم ذات کا اس نیک آدمی اور اس کی اولاد کے ساتھ کرم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا ذکر یوں کیا۔

وھو یتولی الصالحین۔[۲]

''اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی''۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ بندہ مومن کے لیے برکت اور عزت کا سبب ہیں یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب متوسل عرض کرتا ہے یاالٰہی میری حاجت کو حضور علیہ السلام کے اخلاص کے صدقے پورا فرما۔ یا اس شہید کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دی ہوئی قربانی کے صدقے کرم فرما۔ یا قرآن پاک کے پڑھنے والوں اور حفاظ کی کوششوں کے صدقے مہربانی فرما۔ یا احادیث طیبہ کی خدمت کرنے والوں کی برکت سے یا مجتہدین کی شرعی احکام کی وضاحت کے لیے کوشش کے صدقے یا ان سچے لوگوں کے صدقے جنہوں نے اپنے وعدے پورے کیے۔

اس قسم کے توسل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے کیا اس طرح کا وسیلہ پکڑنے والا خائب و خاسر رہتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ متوسل پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کی حاجت کو پورا فرما دیتے ہیں۔

یہ کوئی انوکھا طریقہ کار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی یہ سنت ہے اللہ تعالیٰ ہمارا حشر ایسی نیک ہستیوں کے ساتھ کرے اور ان کے نیک اعمال اور قوت اخلاص کے صدقے ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ آمین۔

---

[۲] سورہ الاعراف............ آلایۃ (۱۹۶)

توسل کی پانچویں صورت

اللہ تعالیٰ کے جناب میں انبیاء ومرسلین اور اولیاء کے "حق" سے توسل کرنا

توسل کی یہ قسم زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کے حق سے توسل کرنے اور ان کے حق سے شفاعت کے طلب کرنے پر مشتمل ہے۔ یاد رہے کہ یہاں حق اس مفہوم میں نہیں جو عموماً سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کے ذمہ کسی کا حق دینا واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے وہ ہر کام میں خود مختار ہے یہاں حق سے مراد وہ عزو عظمت ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل ومہربانی سے کسی کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ [1]

"لازم کرلیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا"۔

اس طرح فرمایا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ [2]

"اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا"۔

یہ توسل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اس کا حکم بھی ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْکَ.

"یا الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تجھ سے سوال کرنے والوں کے صدقے"۔

ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

جو گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور یوں کہا۔

---

[1] سورہ الانعام .... آلایۃ (۵۴) [2] سورہ الروم .... آلایۃ (۴۷)

ہیں اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اپنا چہرہ ان کی طرف پھیر اور انسے شفاعت کا طلب گار بن تب اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَلَو اَنَّھُم اِذ ظَلَمُوا اَنفُسھُم جَاؤُوکَ فَاستَغفَرُوا اللّٰہَ وَاستَغفَرَ لَھُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیمًا.

''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا پاتے''۔

اس واقعہ کو قاضی عیاض نے الشفا شریف میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام سبکی نے اسے اپنی کتاب ''شفاء السقام فی زیادۃ خیر الانام'' میں ذکر کیا ہے۔

السید السمہو دی نے ''خلاصہ الوفا'' میں روایت کیا ہے۔

علامہ القسطلانی اسے ''المواہب اللدنیہ'' میں بیان کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر نے ''تحفۃ الزوار'' اور الجوہر المنظم بالمنتظم'' میں اسے بیان فرمایا کہ یہ روایت امام مالکؒ سے روایات صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔ جس میں کوئی طعن نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے مواہب کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن فہد نے اس روایت کو عمدہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے قاضی عیاض نے الشفاء میں جن اسناد کے ساتھ اسے روایت کیا ہے وہ تمام راوی ثقہ ہیں اور ان میں کوئی جھوٹا نہیں ہے۔ اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اس آدمی کا رد کیا جائے جسے اس روایت پر یقین نہ ہو اور اس کا بھی رد ایت کیا جائے جس آدمی نے یہ کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک قبر انور کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے اس کی یہ بات بھی غلط ہے۔

توسل کی چھٹی صورت

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تبرکات کو وسیلہ بنانا

آپ ﷺ کے تبرکات کا وسیلہ جائز اور درست ہے کیونکہ آپ کے سامنے یہ عمل ہوا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا اور اسی طرح آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی نشانیوں کو مخصوص فرمادیا ہے۔ جس کو آپ نے چھولیا ازراہ کرم کسی کے ساتھ خاص برتاؤ کیا ان سے تبرک اور نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اسماء بنت ابو بکرؓ نے ایک طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا نبی کریم ﷺ یہ جبہ پہنا کرتے تھے پس ہم اس کو دھوتے ہیں اور اس کا دھون مریض کو پلاتے ہیں۔ جس سے وہ شفایاب ہو جاتے ہیں بعد میں ایسا ہی ہوتا رہا اور لوگ شفایاب ہوتے رہے''۔

قاسم بن مامون کے غلام کے پاس نبی کریم ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا وہ اس میں پانی ڈال کر مریضوں کو پلاتے جس سے وہ شفایاب ہو جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وضو فرماتے تو صحابہ کرامؓ وضو کے پانی پر چھپٹ پڑتے اور آپس میں ایک دوسرے سے پانی کے حصول کے لیے جھگڑتے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کا کوئی بال نیچے نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ اس کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے بلکہ حضور علیہ السلام نے خود صحابہ کرام میں سے حضرت ابو طلحہ کی ڈیوٹی لگادی کہ جب میں بال کٹوایا کروں تو میرے بال صحابہ کرام میں تقسیم کر دینا تاکہ وہ ان سے تبرک حاصل کریں۔ [1]

ابو جحیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بطحاء کی طرف نکلے آپ نے وہاں وضو فرمایا پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نماز ادا فرمائی لوگ کھڑے ہوئے اور آپ علیہ السلام سے ہاتھ ملا کر انھیں اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ملنے لگے ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے دست مبارک پر اپنا چہرہ رکھ دیا میں نے محسوس کیا کہ وہ

---

[1] صحیح البخاری...... شرح القسطلانی (۶۔۲۹)

پا گئیں انھوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پرورش کی تھی اور انہیں آپکی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا یہ حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ تھی۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے سر کے پاس بیٹھ گئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے میری ماں (آمنہ) کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کے محاسن بیان فرمائے اور کفن کے لیے اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور قبر کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا جب لحد تک پہنچ گئی تو اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے گڑھا کھودا۔ جب اس کام سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ اس قبر میں لیٹ گئے اور یہ فرمایا۔

اَللّٰہ الذِی یُحیِی وَیُمِیتُ وھُوَحَیّ" لا یَمُوتُ اِغفِرْ لامی فَاطِمَہ بِنتِ اَسَد وَسِعْ عَلَیْھَا مَدْ خَلَھَا بِحَقِ نَبِیک والانبِیَاءِ اَلذِیْنَ مِنْ قَبلِی فَاِنَّک اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ. ۵

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ خود زندہ ہے موت اس کے اوپر نہیں آئے گی یا الٰہی میری ماں فاطمہ بنت اسد کو معاف فرما۔ اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما اپنے نبی کے صدقے اور میرے سے پہلے انبیاء کے صدقے بے شک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اور ابن عبدالبر نے حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت کیا۔ اور ابو نعیم نے ''الحیلۃ'' میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ جسے جلال الدین سیوطیؒ نے جامع الکبیر میں بیان فرمایا ہے دلائل النبوت میں امام بیہقیؒ نے صحیح اسناد کے ساتھ ایک روایت بیان فرمائی ہے دلائل النبوت کے بارے میں حافظ ذہبی کا یہ قول پیش نظر رہے انھوں نے فرمایا اس میں ''ہدایت اور نور'' ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔

---

۵ اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر۔ دیکھئے مجمع الزوائد (۹۔۲۵۶۔۲۵۷) اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ (۳۔۱۲۱)

يَا رَبِّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا مَاغَفَرْتَ لِيْ.

''یارب العزت میں تجھ سے محمد ﷺ کے صدقے معافی کا طلب گار ہوں''۔

یَا آدَمُ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّداً وَلَمْ اَخْلُقْهُ.

''اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا جب کہ میں نے انھیں پیدا بھی نہیں کیا''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہی جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے اپنے سرکو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

میں نے جان لیا کہ جس نام کو تو نے اپنے نام سے لکھا ہے یقیناً وہ تیرا سب سے پسندیدہ بندہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ مجھے کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے جب تو نے اس کے صدقے سوال کیا ہے تو میں تجھے معاف کرتا ہوں اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ ٦

اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اسے صحیح حدیث کہا ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

وَهُوَ آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ.

''وہ تیری نسل میں آخری نبی ہوگا''۔

اور اسی قسم کے توسل کی طرف اشارہ کیا ہے امام مالکؒ نے بنو عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کو جب وہ حج کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے لیے آیا۔ اس نے امام مالک سے سوال کیا جب آپ مسجد نبوی میں حاضر تھے اے ابوعبداللہ یہ تو بتائیے میں قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا حضور علیہ السلام کی طرف منہ کر کے مانگوں امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے منہ کو مت پھیرو کیونکہ یہ تیرا وسیلہ

٦۔ المستدرک کم............(٢-٦١٥) تاریخ دمشق لابن عساکر

اور دوسری کتب احادیث سے اس بات کی طرف راہنمائی ملتی ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کو پڑھ کر دم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ دم کرنا جائز ہے اسی طرح سے ان دعائے ماثورہ کو بطور دم پڑھنا جائز ہے جو حضور علیہ السلام ﷺ سے منقول ہیں اس کے علاوہ وہ دعائیں اور دم جو صالحین امت سے منقول ہیں اگر وہ شرک سے پاک کلمات ہیں تو ان کا پڑھنا اور دم کرنا جائز ہے[1]

وہ حدیث طیبہ جو شرعی دم اور غیر شرعی دم کی وضاحت کرتی ہے۔ وہ خارجہ بن الصلت ؒ سے روایت ہے اور وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور جب واپس اپنے قبیلے کی طرف جا رہے تھے تو آپ ؓ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے کہ اس میں ایک پاگل آدمی تھا جسے انھوں نے لوہے کی زنجیروں سے باندھ رکھا تھا انھوں نے ان سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (حضرت محمد ﷺ) بھلائی کو پھیلانے والے ہیں کیا تمہارے پاس کوئی ایسی شے ہے جس سے اس پاگل کا علاج کیا جا سکے۔ یہ کہتے ہیں میں نے اسے سورہ فاتحہ کا دم کیا اور تین دن تک صبح شام اسے دم کرتا رہا پس وہ آدمی ٹھیک ہو گیا۔ قبیلے والوں نے مجھے دو سو بکریاں دیں میں ان بکریوں کو لے کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور تمام صورتحال سے آپ کو آگاہ کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

خُذْهَا فَلَعُمْرِیْ مَنْ اَکَلَ رُقْیَۃَ بَاطِلٍ" فَقَدْ اَکَلْتَ رُقْیَۃِ حقٍ.[2]

"اس معاوضے کو لے لو مجھے اپنی عمر کی قسم جس نے (باطل شرکیہ) کا معاوضہ کھایا وہ حرام ہے تو نے جو معاوضہ کھایا ہے وہ حلال دم کا کھایا ہے جو جائز ہے اس حدیث کو امام احمد بن حنبل ؒ اور ابوداؤد ؒ نے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد ؒ کے الفاظ کچھ یوں ہیں "تین دن اور رات صبح و شام جب بھی وہ دم

---

[1] نیل الاوطار.........(۸_۲۳۹) [2] ابوداؤد.........(۲_۳۳۹_۳۴۱)

کو ختم کرتا وہ اپنی تھوک اکٹھی کرتا پھر اس کے اوپر پھیلا دیتا'' ابن ابی حرہ نے کہا کہ تھوک کو دم کرنے کے بعد پھیلاتا تھا تا کہ اعضا میں بھی تلاوت کے مبارک اثرات سرایت کر جائیں۔

اور حضور علیہ السلام کا یہ قول کہ ''برقیۃ باطل'' اس کا مفہوم یہ ہے وہ کلام جس میں شرکیہ کلمات استعمال کیے گئے ہوں وہ حرام اور مکروہ ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ کلام جو شرکیہ کلمات سے پاک ہو اس سے دم کرنا جائز ہے۔

اسی بات کی تائید حضرت ابو سعید الخدریؓ کی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ سفر کی حالت میں تھے ہماری تعداد 30 کے قریب تھی جب وہ ایک عرب قبیلے کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اس قبیلے سے کھانے کو کچھ مانگا لیکن انھوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ جب رات ہوئی تو وادی میں پڑاؤ کرنا پڑا۔ رات کو اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انھوں نے اسے بہت سی ادویات دیں لیکن آفاقہ نہ ہوا ان میں سے کسی نے کہا کہ آج جو قبیلہ آیا ہے اس سے پوچھ لو ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی اس کا علاج کر سکے پس وہ آئے اور پوچھا کہ کیا تمہارے میں کوئی دم کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ہمارے میں دم کرنے والا ہے۔ لیکن یہ اس وقت تک نہ ہوگا جس وقت تک تم جرمانہ ادا نہ کرو۔ کیونکہ تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی ہے۔ پس انہوں نے 30 بھیڑیں ہمیں دیں۔ اور ہم آدمی بھی 30 ہی تھے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس ڈسے ہوئے سردار پر تین بار سورہ فاتحہ پڑھی وہ اس قدر ٹھیک ہو گیا گویا اس کے پاؤں کی بیڑی کھل گئی ہو۔

حضرت ابو سعیدؓ نے اس پر صرف سورہ فاتحہ پڑھی کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

فَاتِحَةُ الكِتَابِ شِفاءٌ مِن كُلِّ دَاءٍ. ۳؎

''سورہ فاتحہ میں ہر مرض کا علاج ہے''۔

مذکورہ صحابہ کرامؓ نے ان بھیڑوں کو نہیں کھایا اور کہا کہ ہم کتاب اللہ کے اوپر اجر

۳؎ جامع الصغیر (۲۔۱۲۲)

برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا اسے امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے حدیث کے الفاظ۔

یَمْسَحُوْنَ بِهَا وُجُوْهَهُمْ.

''کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھر لیا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضیلت بزرگ اور اولیاء کرام کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے ورنہ آپ منع فرمادیتے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آدمی کا علاج فرماتے جس کو پھوڑا یا زخم وغیرہ ہوتا۔ اس طرح کہ آپ علیہ السلام اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھ دیتے پھر اسے یوں ارشاد فرماتے ہوئے اٹھا لیتے تھے۔

بسم اللّٰہ تُرْبَة'' ارضِنَا بِرِيْقَة'' بَعْضُنَا يَشفى سَقيمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔ ۲

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں ہماری زمین کی مٹی، ہمارے بعض کے تھوک سے ہمارے بیماروں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاء ہوتی ہے''۔

یعنی ہماری زمین کی مٹی ہم سے بعض کے تھوک سے گوندھی ہوئی ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی انگلی مبارک پر تھوک مبارک لگاتے پھر اسے زمین پر رکھ دیتے تاکہ مٹی اس کے ساتھ لگ جائے۔ پس آپ اس مٹی والی انگلی کو اس مرض والی جگہ پر لگاتے اور پھر یہ ارشاد فرماتے جب آپ علیہم السلام اس مریض پر مسح کر رہے ہوتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک سے برکت حاصل ہو۔ مزید تفصیلات کے لیے مشکوۃ کی شرح ملاحظہ ہو۔

سیرت رسول عربی ﷺ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ آپ کے تبرکات اور نشانیوں سے دم کیا گیا۔ آپ علیہ السلام کا پسینہ، خون، لعاب، کپڑے اور آپ کی رہائش

---

۲ مسلم شریف......شرح النووی (۹_۶۲) سنن ابی داود......(۲_۳۳۹)

گاہیں جن کو آپ نے مشرف فرمایا ان تمام اشیاء سے امت کے صالحین نے بطور تبرک استفادہ کیا۔

آپ ﷺ کی ریش مبارک کے بال مسلمان حکمرانوں کے پاس بطور تبرک محفوظ رہے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ اکثر انہیں اپنے خزانوں میں رکھتے تھے۔

بعض موئے مبارک کردستان میں اب بھی موجود ہیں ہمارے سامنے کئی دفعہ قحط پڑا اور بارشیں کم ہو گئیں تو ان موئے مبارک کو خاص صندوق سے نکالا گیا ہم سب اس کے گرد اکھٹے ہوتے اور حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھتے اور ان موئے مبارک سے وسیلہ پکڑتے پس بارش نازل ہوتی تھی۔

بعض اوقات جب مسلمانوں کے قریبی علاقوں میں دشمن کا خوف بڑھ جاتا تھا تو وہ ان موئے مبارک کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے تبرکات سے توسل کرنے سے مسائل اللہ کے فضل سے حل ہو جاتے ہیں۔

یہ آیت مبارکہ تو آپ نے پڑھی ہوگی۔

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا۔ ۳

"(حضرت یوسف علی السلام نے بھائیوں سے فرمایا) میری یہ قمیض لے جاؤ پس اسے میرے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے"۔

توسل کی ساتویں صورت

دم اور تعویذ سے توسل کرنا

شرعی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ دم کا پڑھنا اور تعویذ کا لکھنا نفع دیتا ہے اور یہ ان عمومی اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ بخاری شریف

۳۔ سورہ یوسف.......... آلایۃ (۹۳)

سے دعا کرتے ہیں انہیں الفاظ کے ساتھ آپ حضور علیہ السلام کو یاد کریں۔ یہ نا جائز ہوگا۔

اگر چہ پکارنے والا آپ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہی کو پکار رہا ہے مگر جہاں ابہام پیدا ہو جائے اس چیز کو ترک کرنا واجب ہوتا ہے مصنف فرماتے ہیں کہ ہم نے کبھی کسی عقلمند مسلمان کو ایسے الفاظ سے دعا مانگتے نہیں سنا اور وہ مسلمان جو جاہل یا ایسا دیہاتی ہو جو احکامات دین سے ناواقف ہو تو وہ ایسے الفاظ سے پرہیز کرے۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضور کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہیں جن میں آپ علیہ السلام کو دعا کرنے والا یا مراد تک پہنچنے کا وسیلا کہا گیا ہو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مسلمان کبھی ایسے الفاظ نہیں بولتا جو ابہام پیدا کریں اور مندرجہ ذیل الفاظ بھی ایسے مفہوم سے پاک ہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اِشْفَعْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ "یارسول اللہ میری سفارش فرمائیے"۔

اَسْأَلُکَ الشَّفَاعَةَ لِی یَوْمَ الْقِیَامَةَ " میں آپ سے بروز قیامت شفاعت کا طلب گار ہوں"۔

اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ علیہ السلام عرض کریں کہ وہ میری مغفرت فرمائیں اور مجھے جنت میں داخل فرمائیں۔ یا کوئی یوں کہے یارسول اللہ میرے لیے آپ میری اس مشکل سے نجات کا وسیلہ بن جایئے"۔

یا یوں عرض کرے۔

اُدْعُ اللّٰہ تَعَالیٰ اَنْ یَشْفِیَنِیْ اَوْ یُعِیْنِیْ عَلٰی حُصُوْلِ مَقْصُوْدِیْ.

"آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا عطا فرمائے اور یا میرے مقصد کے حصول کے لیے میری مدد فرمائے"۔

مذکورہ بالا تمام عبارات کا مقصد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اسی سے مدد طلب کرنا ہے اسی کی بارگاہ میں التجاء کرنا ہے اور حضور علیہ السلام کو وسیلہ بنانا مقصد ہے اور یہ ایک جائز

عمل ہے کیونکہ آپ ﷺ کا شفاعت کرنا ثابت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

مَنْ ذَاالَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۱

''کون ہے جو اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے مگر اس کی اجازت سے''۔

ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ ۲

''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کیلئے وہ راضی ہوگا''

لا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلاً ۳

''اس دن نہیں نفع دیگی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا اس کے قول کو''۔

ان آیات میں انبیاء کرام اور دیگر افراد کی شفاعت کا ذکر ہے اور شفاعت کے ثبوت کے لیے یہ بڑی دلیلیں ہیں اس کا انکار عقلمندی نہیں ہے اور آپ ﷺ کی شفاعت کے بارے میں احادیث حد تواتر کے قریب ہیں۔

اسی طرح حضور ﷺ سے معروف لغوی معنی میں یا عرف عام کے اعتبار سے مدد مانگنا درست ہے آپ عمومی وسائل اور معروف و مروجہ اسباب کے ذریعے فریاد کرنے والے کی امداد فرماتے ہیں اسی طرح معروف معنیٰ میں بھی آپ علیہ السلام سے مدد طلب کرنا منع نہیں ہے۔

اس میں آپ ﷺ حسب وسعت وطاقت اکتسابیہ مدد طلب کرنے والے کی امداد فرماتے ہیں جس سے وہ مصائب ومشکلات سے چھٹکارا پاتا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت عالیہ سے ہر شے کا سبب پیدا فرمایا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

---

۱ سورہ البقرۃ..........آلایۃ (۲۵۵) ۲ سورہ الانبیاء..........آلایۃ (۲۸)

۳ سورہ طٰہ..........آلایۃ (۱۰۹)

کیسے لے سکتے ہیں۔

جب مدینہ المنورہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ کہہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اَحَقُّ وفی روایة اَنَّ اَحْسَنَ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کِتَابَ اللّٰه تعالیٰ.[۴]

"بے شک درست ہے ایک روایت ہے اچھا ہے جو کچھ تم نے کتاب اللہ پر اجر لیا ہے"۔

آپ ﷺ نے سہل بن حنیف کو دم فرمایا انھیں عامر بن ربیع کی نظر لگ گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے عامر ابن ربیع سے فرمایا کہ اپنا چہرہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے اور ازار بند کے نیچے سے ان تمام کو دھوڈالو۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ پانی سہل بن حنیف پر انڈیل دو۔ ایسا ہی کیا گیا تو وہ فوراً صحیح ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نظر لگانے والے کو یہی حکم فرمایا کرتے تھے۔

دم کرنے کے سلسلے میں آپ علیہ السلام کے علاوہ جس آدمی کو بھی یہ صورت حال درپیش ہو۔ اگر چہ حضور علیہ السلام کے دم میں اور آپ کے امتی کے دم کرنے میں فرق ہے کیونکہ دونوں کے مقام و مرتبہ میں فرق ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے اور جو بھی آدمی یہ عمل صالح کرے۔ گا اور اس ذریعے سے وسیلہ پکڑے گا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور ثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔

احادیث مبارکہ میں دم کرنے اور تعویز وغیرہ سے منع بھی کیا گیا ہے لیکن وہ ان لوگوں کو منع ہے جو اس بات کا اعتقاد رکھیں کہ دم یا تعویز بنفسہ نفع دیتے ہیں۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا کہ وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ اشیاء نفع ونقصان دے سکتی ہیں۔

یا وہ دم اور تعویز منع ہیں جن میں شرکیہ یا مکروہ کلمات پڑھے یا لکھے گئے ہوں۔ لیکن حضور علیہ السلام کا دم فرمانا سنت متواترہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

---

[۴] سنن ابی داؤد (۲۔۳۴۰)

توسل کی آٹھویں صورت

نبی کریم ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست توسل

یا رسول اللہ ﷺ کہنا یا اس طرح کہنا کہ "اے میرے آقا یا مرشد مجھے اس دنیاوی مشکل سے نجات دلوایئے۔ مثلاً کسی سے دشمنی ہو جانا۔ یا کوئی روحانی مشکل ہو جیسے نفسانی وسوسے وغیرہ اس قسم کا وسیلہ اگر مجازی معنٰی میں ہو تو جائز ہے مثلاً متوسل کی نیت یہ ہو کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے دعا فرمایئے یا میرے لیے سفارش فرمایئے تا کہ میں اس مشکل سے چھٹکارا پاؤں۔

اس طرح کے وسیلے میں مطلوب تک رسائی ممکن اور آسان ہو جاتی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

فَکَمْ شَفِیَ مَرِیْض" بِتَوجُھَا تِھِمْ
وَکَمْ قُضِیَتْ حَاجَات" بِارْشَادَ اتِھِمْ

"کتنے ہی مریض ہیں جو صرف آپ کی توجہ سے شفایاب ہو گئے اور کتنے ہی مسائل ہیں جو آپکے حکم سے حل ہو گئے"۔

اور یہ روایت بھی درست ہے کہ جب حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا آپ علیہ السلام نے اسے اس کی جگہ پر رکھ کر ہاتھ پھیر دیا تو حضرت قتادہ فرماتے ہیں مجھے بعد میں یاد ہی نہ رہا کہ کون سی آنکھ نکلی تھی۔

ابن ملاعب نے استقاء کے مرض سے اس وقت چھٹکارا پایا جب وہ اس کے علاج سے مایوس ہو چکے تھے آپ علیہ السلام نے مٹی کے ایک ڈھیلے پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ تو وہ اس سے تندرست ہو گئے۔

مگر یہ بات درست نہیں کہ جن الفاظ سے آپ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں یا اس

جناب محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثناء کی ذات ستودہ صفات سے بڑھ کر اور افضل کوئی رسول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ سب سے مضبوط تر تعلق آپ ﷺ کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر سب سے قوی اور پختہ توکل آپ ﷺ کا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام کے شب و روز اس طرح گزرے کہ آپ مسلسل جہاد، لوگوں سے ملاقات دعوت و ارشاد، اصلاح احوال اور دشمن کے مقابلے کے لئے افرادی قوت اور اسلحہ کی تیاری جیسے کاموں میں مصروف اور کوشاں رہے اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ ﷺ دنوں کے روزے راتوں کا قیام ذکر و فکر اور اد و اوروظائف قرآن کریم کی تلاوت اور شیطان لعین کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے جیسے امور میں مکمل طور پر قائم رہے۔ یہ سب کچھ کس وجہ سے تھا ؟ حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں تھا

جسے توفیق دی گئی ہے۔ وہ مکلّف اور پابند ہے اور اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر اس میں طاقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا مکلّف نہ بناتا۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتا ہے اور مسلسل عمل جاری رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جہاں کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوکر کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔

" ربنا اتنا فی الدنیاء حسنة وفی الاخره حسنة"

" ربنا اتنا من لدنک رحمته وهي لنا من امرنا رشدا"

موت کی حقیقت

اسلام کے نور کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ موت ایک بار ہی آئے گی جب کوئی انسان بچھو کے کاٹنے سے، یا بوڑھا اپنے بڑھاپے میں مرتا ہے تو وہ اپنے وقت پر ہی موت کی آغوش میں جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی آدمی میدان جنگ میں قتل ہوتا ہے یا کسی ظالم کے تیر مارنے کی وجہ سے مر جاتا ہے یا نوجوان آدمی عام حالات میں مرتا ہے تو ان سب کی موت اپنے اپنے اوقات میں ہوتی ہے موت کا معنی ہے زندگی کا آخری وقت اور کسی بھی آدمی کی زندگی کے آخری لحات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق اس انتہا کی کسی عمومی شے سے ہو یا خصوصی شے سے ہو۔

فلاسفہ کا قول ہے کہ موت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) طبعی موت: اس موت سے مراد یہ ہے کہ زندہ آدمی کی حرارت عریزیہ ختم ہو جائے اور زندگی کی طاقت اور قابلیت سے وہ خالی ہو جائے تو یہ طبعی موت ہے۔

(۲) حادثاتی موت: اچانک کسی حادثہ کی وجہ سے موت کا واقع ہونا۔ مگر فلاسفہ کی یہ بات درست نہیں۔ لیکن اس بات سے بھی ہم انکار نہیں کرتے کہ بدن کے جزاء میں طاقتیں ہوتی ہیں اور حادثات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ان تمام امور کے سرانجام پانے سے پہلے فیصل ہو چکا ہے اس لئے کسی تخیل اور مفروضے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو اس طرح ہی ہے کہ کوئی یوں کہے۔

''اگر وہ اس اعلیٰ ترین یونیورسٹی میں پڑھتا اور اس کا تمام نصاب مکمل کرتا ہے تو وہ ڈاکٹر بن جاتا اور اگر اس نے نہ پڑھا ہوتا تو جاہل رہتا''

لیکن دوسری بات حقیقت کا روپ دھار گئی اور وہ جاہل ہی رہا۔

فلاسفہ کی طرح '' الکعبی '' کا بھی ایک قول ہے۔

کہ موت کی کئی اقسام ہیں جیسا کہ فلاسفہ کا تخیل ہم نے پیش کیا ہے جب کہ جمہور معتزلہ کا قول یہ ہے کہ

'' موت ایک ہی بار آئے گی لیکن آدمی کی مدت حیات ختم ہو جاتی ہے اور مقتول کی موت کا سبب مدت کا ختم ہو جانا نہیں بلکہ قاتل کا قتل کرنا ہے''

لیکن موت کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا کہ اس کی موت سو سال ہو گی تو کسی کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں خلل ڈالے۔

یہ تخیل بھی فلاسفہ کے نظریے سے اخذ کیا گیا ہے کہ قاتل کے قتل کرنے سے زندگی کا خاتمہ مقرر کیا گیا تھا اور اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تو اس کی زندگی بڑھ سکتی تھی''

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نظریہ کارآمد نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے مقتول کی زندگی کا خاتمہ قاتل کے قتل سے مقررہ وقت میں کر دیا تھا تو پھر کسی اور موت کا معنی ومفہوم باقی نہیں رہتا کیونکہ مقتول اپنے مقررہ وقت پر مر چکا ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس کی موت کا وقت کیا ہے اور اس بات میں قطعا کوئی تغیر وتبدل نہیں تو پھر ہمیں آگ سے جلنے، پانی میں غرق ہونے کا ڈر کیوں رہتا ہے اس طرح جنگ میں زخمی ہونے کا ڈر کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ ہمارے خوف کی وجہ یہ ہے کہ ہم غیب نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں اس کیفیت کا علم ہے کہ جس میں ہماری زندگی کی بقا ہے ہو سکتا ہے زندگی کا خاتمہ آگ میں جلنے سے ہو یا کسی دریا میں غرق ہونے سے موت لکھی ہو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میدان جنگ میں موت آئے یا کسی کے زخم لگانے کی وجہ سے یہ جہان فانی چھوڑنا پڑے۔ یہ تمام امور ہمارے لئے غیب ہیں۔ دوسری طرف سنت الٰہیہ جاری ہو کر ہی رہتی ہے کہ آگ جلانے والی ہے۔ پانی غرق کرنے والا ہے زخم سے تکلیف

ہوتی ہے تلوار زندگی کا خاتمہ کرتی ہے۔ پس ہم ان اشیاء سے خوف کھاتے ہیں کہ ان اشیاء سے بچا جائے اس تصور کے ساتھ کہ موت کا وقت پوشیدہ ہے۔ اور فیصلہ ہو چکا ہے۔

ھادی حقیقی

اسلام کے انوار کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ حقیقی ہدایت دینے والا اور راہ ہدایت سے دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یعنی جس کو چاہے ہدایت سے نوازے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

ہدایت و گمراہی سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ بھلائی کے لئے مطلوبہ کام تک پہنچا جائے اس سے مراد سعادت دارین ہے۔ اور گمراہی اس کا متضاد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ راہنمائی کرنے سے انسان ہدایت پاتا ہے اور گمراہ کرنے سے ہی انسان گمراہ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں وصف ہیں اور ان دونوں اوصاف کے لئے بہت سے اسباب ہوتے ہیں مثلاً ممکنات محسوسہ اور ممکنات معقولہ۔

ہدایت کے اسباب

(۱) سچے لوگوں سے گفتگو کرنا۔

(۲) وعظ کرنے والوں کا وعظ سننا۔

(۳) راہنمائی کرنے والوں کی بات ماننا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا۔

(۵) نفس کی تربیت کرنا اور اسے مسلسل آداب سکھانا۔

(۶) نفس کے سرکش گھوڑے کو لگام دینا۔

(۷) نفس کو برائیوں اور شہوات سے دور رکھنا ہدایت کے اہم ترین اسباب یہ ہیں۔

(۱) اہل تقوی اور اہل یقین کی صحبت۔

(۲) عارفین کی مجالس میں بیٹھنا اور انکی عزت کرنا۔

(۳) ان سے آداب سیکھنا اور ان سے دعا کے لئے عرض کرنا۔

(۴) اہل تصوف کی کتب کا مطالعہ کرنا۔ اور ان کی سیرت کو اپنانا۔

اور اگر مذکورہ اسباب کے الٹ کام کیا جائے تو وہ گمراہی کے اسباب ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جن کی مدد سے وہ حقائق اور باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔ پس جس نے اشیاء کا حقیقی علم حاصل کرنے کے لئے عقل و شعور سے کام لیا اور ان سے جائز طریقے پر نفع اٹھایا اور جس نے اچھے طریقے سے اس کی پیروی کی۔ تو ایسا توفیق یافتہ آدمی دونوں جہانوں میں سعادت مند ہے اور جس نے اپنے عقل و شعور سے مذکورہ امر کے خلاف کام لیا وہ ذلیل رسوا ہوا اور راہ حیات میں تن تنہا رہ گیا۔ پس ایسے آدمی پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔ کیونکہ اس نے خود ہی اپنی استعداد، حواس، عقل اور ادراک کو تباہ و برباد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے گمراہی پیدا فرمائی۔

فرمان الٰہی ہے۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [۱]

''اور نہ تھا اللہ (کا دستور) کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے''

توفیق یافتہ پر لازم ہے کہ اپنے رب کریم کی حمد و ثناء کرے۔ جس نے اسے نیکیاں کرنے کی فرصت اور طاقت عطا فرمائی، پس وہ یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ [۲]

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس بات کی توفیق دی اور ہم ہدایت نہ پا سکتے اگر ہمیں اللہ ہدایت نہ دیتا''

---

۱ سورہ توبہ......70 ۲ سورۃ الاعراف......43

جی ہاں! اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ تمام لوگوں کو راہ ہدایت سے دور کریں یا کرم فرماتے ہوئے ہدایت کی نعمت عظمیٰ سے نواز دیں اگر چہ وہ اس سے پہلے کفار اور شریر ہی کیوں نہ ہوں۔

لَوْشَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ[3] "اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو ہدایت عطا فرمادیتے"

لیکن اس سلسلے میں رب کریم پر کسی کو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں خود مختار ہے۔ اس نے ہر انسان میں خیر وشر کی صلاحیت رکھی ہے۔

پس جب اس کا فضل وکرم زیادہ ہوتا ہے اور وہ بھلائی کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے تو یہ محض اس کا کرم اور رحمت ہے اور اگر وہ بھلائی کی طرف توجہ نہ دے اور مہربانی نہ کرے تو یہ اس کا حکم اور حکمت ہے۔ اور اس پاک ذات کے تمام افعال اچھے ہیں۔

اور یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ایک بندہ جزاء کا مستحق اسی وقت بنتا ہے جب وہ زندگی کے امتحانات میں صبر کا مظاہرہ کرے اور واجبات کی ادائیگی میں انتہائی کوشش کرے۔ اور محرمات سے اپنے آپ کو روکے بصورت دیگر اگر اللہ تعالیٰ اسے حرام سے روکیں اور اس کے لئے حرام کے ارتکاب کی صلاحیت ہی ختم کردیں تو پھر بندگی کے اظہار کے لئے کون سا ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ اندھے کی تعریف اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ وہ اردگرد نہیں دیکھتا اور بہرے کی تعریف اس بناپر نہیں ہوتی کہ وہ بری باتیں نہیں سنتا۔ بلکہ تعریف اس کی ہوتی ہے جو دیکھتے اور سنتے ہوئے بھی اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھے اور حرام افعال کو اس وجہ سے ترک کرے کہ اس پر بڑا عذاب ہوگا یا اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت اور وسیع قدرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے برائی سے بچ جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى[4]

اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر

[3] سورۃ النحل.........9 [4] سورۃ النازعات.........۴۰

بری) خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا''

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور رضا طلب کرتے ہوئے اس سے روز جزاء میں کامیابی کا سوال کرتے ہیں کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں خود مختار ہے

نور اسلام کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا یا پیدا کرے گا اس میں وہ خود مختار ہے۔

اور تمام اشیاء کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا علم کامل ارادہ، قدرت اور حکمت شامل ہے۔

دنیا کے کسی کام کو کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی چیز لازم ہے تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مملکت ہے اور اسی کی نگرانی اور نگہبانی میں ہے۔ جو چاہتا ہے وہی کام ہو کے رہتا ہے اور جو کام کرنے کا حکم فرمائے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ جب وہ اعمال صالحہ پر ثواب عطا فرماتا ہے۔ تو یہ محض اس کا فضل ہوتا ہے اور جب کسی کو سزا دیتا ہے تو اس وقت وہ عدل فرما رہا ہوتا ہے۔

سوائے کفر کے جس کو چاہے معاف فرما دے۔ کفر و شرک کی معافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ

"لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ"[1]

''(اللہ) نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ''

اس وجہ سے معافی توبہ سے مشروط نہیں ہے بلکہ سوائے کفر و شرک کے گناہ گاروں کے لئے معافی ہے خواہ کوئی توبہ کرے یا نہ کرے اور اگر کوئی صحیح توبہ کرے تو اس کا وعدہ ہے کہ معافی مل جائے گی۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ معاف کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کی جنت اور اس کی ابدی نعمتوں کا اپنے عمل کی وجہ سے مستحق

---

[1] سورۃ النساء............48

نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نعمتیں اعمال صالحہ کے مقابلے میں زیادہ ہیں یہ تو محض اس کا فضل، احسان، کرم اور رحمت بے کراں ہے۔

اس کے باوجود کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ارادے سے ہوتیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات پر راضی نہیں کہ اس کے بندے کفر وعصیان کے اندھیروں میں دھکے کھاتے پھریں۔ انسان کا فسق وفجور میں مبتلا ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ارادہ! محبت اور رضامندی کے علاوہ ایک امر بھی ہے۔

آپ نے بعض دفعہ دیکھا ہوگا کہ بعض امور میں آپ کسی کی دعوت کو قبول کرنے کا ارادہ کرتے ہیں باوجود اس بات کے آپ اس دعوت میں جانے کو ناپسند کرتے ہیں اور وہاں جانے پر راضی نہیں ہوتے۔

بعض دفعہ آپ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کام کو پسند نہیں کرتے مثلاً ایسا مزیدار کھانا جس کو ڈاکٹر نے کھانے سے منع کر دیا ہو۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی شی کو پسند کرتے لیکن ارادہ نہیں کر پاتے مثلاً آپ حج کے لئے سفر پسند کرتے ہیں لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے عملی سفر کا ارادہ نہیں کر پاتے کیونکہ مختار حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے۔

بروز قیامت دیدار الٰہی

اسلام کے انوار کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ مومنین قیامت کے دن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے سر کی آنکھوں سے کریں گے اور اس کے لئے قرآن وسنت میں دلائل موجود ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

(وُجُوہٌ " یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ " اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ) ؎

" کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ

؎ سورۃ القیامۃ 23

رہے ہوں گے"

جب کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث طیبہ ہے فرمایا

(اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدرِ)[۳]

"تم اپنے رب کریم کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم چودھویں رات کو ماہ کامل کا دیدار کرتے ہو"

جب کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے جو ارشاد ہوا کہ

لَنْ تَرَانِیْ)[۴]

ترجمہ:"(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے"

تو یہ دنیا کے دیدار کی نفی ہے۔ آخرت میں دیدار کے وقوع کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ دنیاوی اعضا میں یہ طاقت نہیں کہ دیدار کرسکیں۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

"لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ"[۵]

"آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔"

یا اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں مکمل طور پر دیدار نہیں کرسکتیں۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس دن کفار کی آنکھوں کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔

کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوْبُوْنَ[۶]

"یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔"

جب کہ یہ اعتراض کہ دیدار الٰہی کے لئے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ جن کے بغیر دیدار نامکمل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "قیاس الغائب علی الشاہد" ہے یعنی

---

۳ متفق علیہ ، ۴ سورۃ الاعراف......143

۵ سورۃ الانعام......103 ۶ سورۃ المطففین......15

موجودہ چیز پر غائب کو قیاس کرنا۔ تو ایسا قیاس فاسد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے جب کہ ہماری زندگی ڈھانچے اور مزاج کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کی زندگی اس طرح نہیں ہے وہ بلند ذات اقدس علیم ہے جب کہ ہمارا علم دل و دماغ اور کچھ دوسری اشیاء کا محتاج ہے پس اللہ تعالیٰ کا علم ہماری طرح نہیں ہے۔

وہ متکلم ہے جب کہ ہم کلام کرنے کے لئے نفسانی اعضاء اور بعض حسی اعضاء کے محتاج ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام امور سے پاک ہے پس جو کچھ قرآن و سنت میں آیا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور دیدار کی حقیقت و کیفیت کو اللہ علیم و خبیر پر چھوڑ دینا چاہیے۔

برزخی زندگی

اسلام کے انوار میں سے یہ بھی ہے کہ برزخی زندگی کی دونوں حالتوں (جزاوسزا) پر ایمان لایا جائے۔ یعنی اس بات کی تصدیق کرنا کہ مرنے کے بعد سے روز محشر تک قبر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت وسکون ہے یا پھر عذاب ہے پس مکلّف انسان مرنے کے بعد خواہ وہ جل کر مرا ہو یا غرق ہوا ہو۔ قبر میں ہو یا کسی بھی حالت میں، موت کے وقت سے بعث وقیامت کے دن تک وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو وہ راحت وآرام میں ہوتا ہے یا عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ، اچھی یا بری حیات قبر اور دو فرشتوں کے سوالات کے سلسلے میں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے۔ اور ان احادیث کی قدر مشترک حد تواتر تک پہنچی ہے اگر چہ ان میں سے ہر ایک حدیث مبارکہ خبر واحد ہے اس سلسلے میں اہل بدعت واہل ھواء کی مخالفت کے ظہور سے پہلے سلف وصالحین کا اس بات پر اتفاق ہے۔

کتاب اللہ سے دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے قوم نوح علیہ السلام کے سلسلے میں یوں ارشاد فرمایا۔

مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا [1]

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا"

کلام الٰہی میں "فا" استعمال ہوا ہے (فادخلوا) جو کہ بغیر مہلت کے ایک کے بعد دوسرے کام کے لئے آتا ہے۔ پس اس کا معنی یہ ہوا کہ انہیں غرق کرنے کے بعد فوراً آگ میں داخل کیا گیا۔

(۲) اللہ رب العزت نے فرمایا۔

"فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ

---

[1] سورہ نوح.........25

يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ"[2]

"پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے ۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں"

پس اللہ تعالیٰ کے کلام سے ظاہراً (النار یعرضون علیھا) دوزخ کی آگ میں پیش کیا جاتا ہے ان پر سے ثابت ہوا کہ ان پر آگ برزخ میں پیش کی جاتی ہے اس کے لئے قرینہ یہ ہے کہ قیامت کے عذاب کا ذکر الگ ہے (وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَاعَةُ اَدْخِلُوْٓا الآية)

۳ حبیب نجار کی شان میں یوں ارشاد ہوا۔

(قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ)[3]

"حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں"

آیت سے ظاہر ہوا کہ جنت اور مغفرت کی خوشخبری وفات کے فوراً بعد ہے اور دیگر تمام برزخی نعمتوں کی خوشخبری ہے۔

۴ اللہ رب العزت نے ارشاد فرماتے ہیں۔

(يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ)[4]

"ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی

---

[2] سورۃ غافر..........46 [3] سورۃ یٰسین..........26

[4] سورۃ ابراہیم..........27

میں بھی اور آخرت میں بھی"

امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ حیات قبر کے سلسلے میں اتری ۵ پس اہل قبر سے سوال کیا جائے گا۔ مَنْ رَبُّکَ: تیرا رب کون ہے۔ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ: پس وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے۔ اور میرا دین، دین محمدی ہے۔ اسی وجہ سے مذکورہ بالا آیات اتری۔ بعض طرق میں یہ حدیث موقوفا امام مسلم نے حضرت البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ مرفوع بیان کی ہے۔ جسے صحیح مسلم سنن النسائی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت البراء رضی اللہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن عمر نے بتایا کہ ہمیں شعبہ نے علقمہ بن مرثد سے اور انہوں نے سعد بن عبیدہ سے اور انہوں نے براء بن عازب سے انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں" جب مومن کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں پھر وہ قبر والا شہادت دیتا ہے کہ" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں" پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

" یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ بِا لْقَوْلِ الثَّا بِتِ فِیْ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَفِیْ الْاٰ خِرَۃِ"۶

تفسیر قرطبی میں اس آیت مبارکہ کے نزول کے سبب یہ بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ منکر نکیر کے مسئلے کو بیان فرما رہے تھے اور میت کے جوابات کے بارے میں ارشاد فرما رہے تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا مرنے کے بعد میرا عقل و شعور میرا ساتھ دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" ہاں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی پھر اس

---

۵ دیکھئے تفسیر القرطبی (9/363-364)

۶ صحیح بخاری...... فی ھامش القسطلانی (2/461) ☆ رواہ النسائی ابن 4269 ماجہ وابوداؤد 4750

معاملے میں میں کافی ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ ۷

احادیث طیبہ سے دلائل

۱ ایک متفق علیہ حدیث طیبہ ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ ارشاد فرمایا۔

''ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے لیکن جس گناہ کے سبب عذاب دیا جارہا ہے وہ لوگوں کے ہاں اتنا بڑا گناہ نہیں ہے''

امام بخاری نے اس بات کا اضافہ فرمایا ہے کہ

''بلیٰ اِنَّهٗ کَبِیر'' ...... یعنی عِندِ اللّٰہِ''

مگر بے شک وہ گناہ...... اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہے۔

ایک ان میں سے چغل خوری کیا کرتا تھا جب کہ دوسرا دوران پیشاب پردے کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔ ایک روایت میں ''لَا یَستَبرِیُٔ'' کے الفاظ ہیں جس کا معنیٰ ہے وہ پیشاب کے قطرات سے نہیں بچتا تھا۔ ۸

۲ نبی آخرالزمان فخر دو جہاں ﷺ سے منقول دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ عَذَابِ النَّارِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡیَاءِ وَالۡمَمَاتِ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَسِیۡحِ الدَّجَّالِ ۹

''اے اللہ میں تجھ سے عذاب قبر کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے آگ کے عذاب کی پناہ مانگتا ہوں۔ زندگی اور موت کے فتنوں کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور مسیح دجال کے فتنے کی تجھ سے پناہ مانگتا ہوں''

---

۷ تفسیر القرطبی (363/9) القسطلانی (327/9)

۸ صحیح بخاری فی باب عذاب قبر القسطلانی (467/6)

۹ صحیح بخاری...... فی باب عذاب القبر ...... القسطلانی (466/2)

۳ رِوی اَنَّہ صَلی اللّٰہُ عَلیہ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا فَرِغَ مِنْ دَفْنِ مَیِّتٍ وَقَفَ عَلَیْہِ وَقَالَ "اِسْتَغْفِرُوْا لِاَ خِیْکُمْ وَسَلُوا لَہُ التَّثْبِیْتَ فَاِنَّہُ اَلاٰنَ یُسْئَالُ"۱۰

"نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب آپ میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اب اس سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں"

۴ امام مسلمؒ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا،

"اِنَّ اَحَدَ کُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَۃِ فَمِنْ اَھْلِ الْجَنَۃِ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَمِنْ اَھْلِ النَّارِ یُقَالُ ھٰذَا مَقْعَدُکَ حَتّٰی یَبْعَثَکَ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"۱۱

"جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اور اگر وہ اہل النار میں سے ہے تو جہنم کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائیں گے"

۵ ایک اور روایت جو امام مسلم ہی نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے اس حدیث کے بارے میں حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آپ علیہ السلام سے یہ حدیث نہیں سنی لیکن مجھے حضرت زید بن ثابتؓ نے بتایا ہے۔

"رسول خدا ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے جا

---

۱۰ ابوداؤد حدیث 3221 ۱۱ متفق علیہ

رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب کہ آپ ﷺ کی سواری بدک کر ایک جانب ہٹی اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کو زمین پر پہنچا دے اچانک پانچ، چھ یا چار قبریں نظر آئیں آپ ﷺ نے پوچھا۔

"مَنْ یَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُر"

"ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے" تو ایک آدمی نے عرض کی میں ان سے واقف ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ لوگ کب مرے؟ اس نے عرض کی زمانہ شرک میں آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ ان قبروں میں عذاب دیئے جا رہے ہیں۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم عذاب قبر کو سننے کے بعد اپنے میتوں کو دفن کرنا ترک کر دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنوا دے جیسا میں سن رہا ہوں۔"

پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے فرمایا

"تَعُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ"

"اللہ تعالیٰ سے آگ کے عذاب سے پناہ مانگو"

سب نے کہا

"نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ"

"ہم اللہ سے عذاب آگ کی پناہ مانگتے ہیں"

پھر آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

"تَعُوْذ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

"اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر کی پناہ مانگو"

سب نے کہا۔

"نَعُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

"ہم اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر کی پناہ مانگتے ہیں"

پھر آپ نے فرمایا۔

تَعُوْذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ الفِتَنِ مَا ظَھَر مِنْھَا وَمَا بَطَنَ"

"اللہ تعالیٰ سے ظاہر اور باطن فتنوں سے پناہ مانگو"

سب نے کہا۔

" نَعُوْذُ بِا اللّٰہِ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَھَرَ مَنْھَا وَمَا بَطَنَ"

"ہم اللہ تعالیٰ سے ظاہر اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں"

پھر فرمایا

"تَعُوْذُوْا بِا للّٰہِ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَالِ" اللہ تعالیٰ سے فتنہ دجال سے پناہ مانگو

"سب نے کہا "نَعُوْذُ بِاللّٰہ مِنْ فِتْنَۃِ الرجال" [۱۲]

۲ امام مسلم نے ہی حضرت انس بن ارفعہ مالک سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

" اِنَّ اَلْعَبْدَ اِذَ وضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ اِنَّہٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نَعَا لِھِمْ...... الخ

"جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس جانے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے" مزید فرمایا تو فرشتے اس میت کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں۔ اور اسے کہتے ہیں۔

"مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھَذِا الرَّجُلِ"

"تو اس عظیم الشان آدمی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا۔"

پس اگر وہ مومن ہوگا تو کہے گا۔

" اِنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٗ"

---

۱۲ صحیح مسلم..... شرح النووی فی ہامش القسطلانی (320/10)

"وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں"

آپ علیہ السلام نے فرمایا اسے کہا جائے گا اگر تو پہچاننے سے انکار کرتا تو اپنا ٹھکانہ آگ دیکھ لے۔ اور تو نے اب ان کو پہچان لیا ہے اس لئے تیرا ٹھکانہ جنت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دونوں ٹھکانے اکٹھے دکھائے جاتے ہیں۔

حضرت قتادہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ کامیاب ہونے والے کے لئے اس کی قبر ستر گز کھول دی جاتی ہے۔ اور قیامت تک کے لئے اسے سرسبز و شاداب رکھا جاتا ہے[۱۳]

۷ امام مسلم نے حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کی ہے کہ آقا دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔

"اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ اِنَّہٗ یَسْمَعُ خَفقَ نَعَا لِھِمْ اِذَا انْصَرَفُوْا "[۱۴]

"جب میت کو قبروں مین رکھا جاتا ہے تو وہ واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔"

۸ مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تین دن تک مقتولین بدر کو ایسا ہی پڑا رہنے دیا، پھر آپ ﷺ ان کے قریب آئے اور ان کو پکارا۔ اے ابوجہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف اے عتبہ بن ربیعۃ، اے شیبۃ بن ربیعۃ کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو عرض کی۔

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَسْمَعُوْنَ وَاَنّٰی یَجِیْبُوْنَ وَقَدْ جِیْفُوْا ؟

"اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیسے سن سکتے ہیں، کیسے جواب دے سکتے ہیں حالانکہ وہ مردار بن چکے ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

---

۱۳ ایضاً اور امام بخاری نے اس حدیث کا کچھ حصہ روایت کیا ہے شرح القسطلانی (464/2)

۱۴ مسلم شریف، فی شرح النووی فی ہامش القسطلانی (322/10)

" وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ وَلٰکِنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یُّجِیْبُوْا "

" مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم ان مرداروں سے زیادہ نہیں سن سکتے جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ لیکن وہ مردے جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ "

پھر آپ ﷺ نے انہیں گھسیٹ کر میدان بدر کے ایک گڑھے میں پھینکنے کا حکم ارشاد فرمایا۔[۱۵]

۹ امام بیہقی اور ابن دنیا نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً ایک حدیث روایت کی ہے۔

اَلْقَبْرُ حُضْرَۃٌ " مِنْ حُضْرِ جَھَنَّمَ اَوْرَوْضَۃٌ " مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ[۱۶]

" قبر جہنم کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ۔ "

۱۰ ابن عمرؓ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

" مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوْ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا وَقَاہُ اللّٰہُ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ "[۱۷]

" جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ سے بچا لیتے ہیں۔ "

صحیح بات یہ ہے کہ اکثر آئمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب وثواب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ لیکن جسم برزخی ہوتا ہے۔ یہ مادی اور نظر آنے والا جسد خاکی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض دفعہ جسم انسانی جل کر یا قبر میں پڑے پڑے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ برزخی جسم سے مراد یہ ہے کہ انعام یافتہ یا عذاب یافتہ روح کے لئے ایک لطیف جسم پیدا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملائکہ کا جسم ہوتا ہے۔ جسے چھوٹی اور بڑی جگہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ثواب یا عذاب کی تاثیر قبول کرنے میں اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

جو انسان بھی وحی ورسالت کے مفہوم کو سمجھتا ہے اس کے لئے اس تصور کو سمجھنا

---

۱۵ متفق علیہ

۱۶ الترمذی...... حدیث 2578۔ شرح عقائد النسفی۔ فیض القدیر (445/5)

۱۷ ذکرہ السیوطی فی الجامع وحسنہ...... فیض القدیر للمناوی (449/6)

آسمان ہے اور جو آدمی زمین اور آسمان کے عجائبات اور اللہ رب العزت کی تخلیق میں غور و فکر کرتا ہے۔ وہ اس طرح کی چیزوں کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔

بے شک نفس کے کئی حصے ہیں۔ اور اس کے ہر حصے کے اپنے تقاضے ہیں۔ مثلاً ہمیں جو تصویریں اور شکلیں نیند میں نظر آتی ہیں ان کو بیداری کی شکل میں دیکھنا ہمارے لئے اکثر مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح بدن سے روح کے نکلتے وقت جو کچھ ہم مشاہدہ کرتے ہیں زندگی میں ایسے مشاہدات کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی بات کی طرف ایک صاحب بصیرت نے یوں اشارہ کیا۔

"اَلنَّاسُ نِیَامٌ" فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا"

"لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مرتے ہیں تو جاگ جاتے ہیں"

ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اگر مرنے والا اہل سعادت میں سے ہو تو اس پر قبر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق باقی رہتی ہے۔

اسی طرح ہم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ اگر میت اہل شقاوت میں سے ہو تو اسے سانپ ڈس رہے ہوتے ہیں۔ جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے کیونکہ امور ملکوتیہ کو دیکھنے کی ہمارے میں ہمت و صلاحیت نہیں ہے اور اسی طرح باقی وہ تمام امور جن کا تعلق عالم ملکوت سے ہے۔ ہماری گفتگو نہ سفسطی طرز کی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے دھوکے کا شائبہ ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ علم اور حقیقت واقعیہ پر مبنی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نبی کریم ﷺ پر وحی لانے کو مان لیتے تھے۔ حالانکہ وہ اس بات کا اکثر مشاہدہ نہیں کرتے تھے۔

لیکن وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے ہیں۔

ہم پر لازم ہے کہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لائے تھے۔

اسی طرح بدر و حنین میں ملائکہ کے نزول پر بھی وہ ایمان لائے ۔ حالانکہ وہ ان فرشتوں کو دیکھا نہیں کرتے تھے ۔ اسی طرح کے باقی اور غیبیہ امور جن کا تعلق عالم برزخ سے ہے ان پر بھی وہ ایمان رکھتے تھے۔

اسی طرح ہم انبیاء علیہم السلام کی قبور میں زندگی پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ جیسا کہ اس کتاب میں ہم نے ذکر کیا اور یہ برزخی امور ہیں جن کو ہم اپنی جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ۔

☆ پس جو مذکورہ امور کا انکار کرے گا تو کیا وہ انبیاء و مرسلین پر نزول وحی کا بھی انکار کریگا ۔؟

☆ کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نار نمرود سے رہائی کا بھی انکار کرے گا ۔؟

☆ o وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب بغیر باپ کے پیدائش ۔

o آپ کا گود میں گفتگو کرنا ۔

o مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارنا اور باذن اللہ ان کا اڑ جانا ۔

o آپ کا کوڑھیوں اور برص کے مریضوں کو بحکم الٰہی ٹھیک کر دینا ۔

o باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنا ۔

کیا کوئی اہل ایمان مذکورہ امور سے انکار کی طاقت رکھتا ہے ۔ جو آدمی بھی ان امور کو عجیب سمجھے گا تو یقیناً اس میں ادراک کی کمی ہے ۔ بے شک اس جہاں میں کچھ ایسی کائناتی ، مادی اور علمی نشانیاں ہیں جن کو سمجھنے کے لئے مادی علوم کا وسیلہ ضروری ہے اور کچھ ایسی علمی معنوی اور غیبی نشانیاں بھی ہیں جن تک پہنچنے کے لئے حکیم و علیم اور خبیر رب کی طرف سے علم لدنی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور وہ اس نعمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص فرمادے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اتنی ایمان بالغیب میں کاملیت عطا فرمائے کہ ہم اس کی توفیق سے اس کی مقدس بارگاہ میں باعزت حاضر ہوں ۔ بے شک وہی توفیق عطا فرمانے والا اور مدد کرنے والا ہے ۔

ایمان بالآخرت

نوراسلام کا ایک جزیہ بھی ہے کہ آخرت پر یقین رکھا جائے۔ آخرت کے بارے میں ایمان سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کی جائے کہ یہ عالم محسوس اپنے آسمان، ستارے، چاند اور سورج سمیت تباہ ہو جائے گا۔ پہاڑ اور میدان وغیرہ فنا ہو جائیں گے۔ ایک نیا جہان معرض وجود میں آئے گا اور مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان سب کو ایک میدان میں جمع کیا جائے۔ عدل وانصاف کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ اگر کسی کا تعلق کفار سے ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اگر کوئی مومن گناہ گار ہوا تو اسے یا تو معاف کر دیا جائے گا یا اس کے گناہ کے مطابق سزا کے طور پر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ اور نیک، متقی اور پرہیز گار مسلمان کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

اس دنیا کے فنا ہو جانے کو قیامت کا نام دیا جاتا ہے اور قیامت کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے اس کی علامات کے بارے میں لکھنا ضروری ہے۔ بے شک قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے لئے غیر محدود وقت ہے۔ یعنی ہم اس کی تعین نہیں کر سکتے اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

"یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ أَیَّانَ مُرْسٰهَا فِیْمَا اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا"[1]

"یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے۔

مزید ارشاد ہوا۔

---

1 سورۃ النازعات.........42

اِنَّ السَّا عَةَ آتِيَةٌ" اَكَادُ اُخفِيهَا لِتُجزیٰ کُلُ نَفسٍ بِمَا تَسعٰی[۲]

" بے شک وہ گھڑی (قیامت) آنیوالی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ تا کہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ قیامت حق ہے لیکن اس کا وقت امور غیبیہ میں سے ہے ہر اہم ترین امر سے قیامت کا وقوع سب سے زیادہ قریب ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

" وَمَا اَمرِ السَّاعَةِ اِلَّا کَلَمحِ اَلبَصَرَ اَو هُوَ اَقرَبُ"[۳]

"اور نہیں قیات برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد"

قیامت کی نشانیوں کا ذکر بہت طویل ہے جو اس مضمون سے مختص کتب میں پڑھی جاسکتی ہیں مگر ہم یہاں صرف چند نشانیوں کو ہی بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

۱ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی بڑی جماعتیں آپس میں بڑی جنگ نہ کرلیں گی۔ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔

۲ تیس کے قریب دجال ظاہر ہوں گے اور وہ تمام جھوٹے ہوں گے جب کہ ان میں سے ہر ایک کا یہ گمان ہوگا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

۳ علم ختم ہو جائے گا۔

۴ زلزلے زیادہ آئیں گے۔

۵ وقت سمٹ جائے گا۔

۶ فتنے ظاہر ہوں گے اور لوگ کثرت سے مارے جائیں گے۔

۷ دولت کی فراوانی اس قدر ہوگی کہ صاحب مال کو سوچنا پڑے گا کہ کون اس کا

---

۲ سورہ طٰہٰ 15

۳ سورہ النحل 77

صدقہ قبول کرے گا یہاں تک کہ جب وہ کسی کو صدقہ پیش کرے گا تو وہ کہے گا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

۸ یہاں تک کہ لوگ بڑی بڑی تعمیرات کریں گے۔

۹ انسان اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا ہائے کاش! میں اس قبر میں ہوتا۔

۱۰ سورج مغرب سے طلوع کرے گا اور تمام لوگ اسے دیکھیں گے تو اس وقت لوگوں کا ایمان لانا ان کے لئے مفید نہ ہوگا۔ یا ایمان دار کو اس وقت نیکی فائدہ نہ دے گی۔

. قیامت اتنی تیزی سے وقوع پذیر ہوگی کہ دو آدمیوں نے اگر آپس میں کپڑا پھیلا رکھا ہے تو اس کو لپیٹنے سے پہلے قیامت واقع ہو جائے گی۔

اونٹنی کا دودھ دوہنے کے بعد اور اسے پینے سے پہلے قیامت واقع ہو جائے گی۔

ایک آدمی کا پانی کے حوض کو درست کرنے کے بعد اور اس میں جانوروں کے پانی پینے سے پہلے قیامت واقع ہو جائے گی۔

کھانا کھانے والا منہ میں لقمہ ڈالنے ہی والا ہوگا کہ قیامت وقوع پذیر ہو جائے گی۔[۴]

اس حدیث مبارکہ میں قیامت کی ظاہری علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ حدیث مبارکہ ''سورج کے مغرب سے طلوع ہونے'' تک کی نشانی تک ہی ہے اس کے بعد جو کچھ ہے یہ بعد میں تبع وتابعین کے دور کا اضافہ ہے۔ لیکن یہ اضافہ بھی بلاوجہ نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔ آپ قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بتاتے ہیں کہ

بعِثتُ انَا وَالسَاعَۃُ کَھَاتَین[۵]

---

۴ صحیح البخاری..... شرح القسطلانی (208-204/10) مسلم النووی فی ہامش القسطلانی (339-10)

۵ متفق علیہ

''میں اور قیامت اس طرح مبعوث کیئے گئے ہیں'' اور آپ نے اس بات کی مزید وضاحت کے لئے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ بھی فرمایا۔

حضرت حذیفہ الغفاریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم آپس میں قیامت کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کس موضوع پر گفتگو ہورہی ہے۔ ہم نے عرض کی قیامت کے بارے میں ہم بات چیت کررہے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا، قیامت دس نشانیوں کی تکمیل سے پہلے نہیں آئے گی اور وہ یہ ہیں۔

(۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض کا ظہور

(۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول

(۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا تین جگہوں پر چاند گرہن کا ہونا

(۷) مشرق میں (۸) مغرب میں (۹) جزیرہ عرب میں

(۱۰) یمن سے آگ کا ظاہر ہونا جو تمام لوگوں کو انکے انجام تک پہنچادے گی۔[۶]

اس حدیث طیبہ میں قرب قیامت کی اہم نشانیوں کو ذکر کیا گیا ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آقا دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔

''جب اس دنیا کے فنا ہونے میں ایک دن رہ جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ مجھ سے یا میرے اہل بیت سے ایک آدمی کو مبعوث فرمائے گا جو میرا ہم نام ہوگا۔ اس کے والد کا نام میرے والد محترم کی طرح ہوگا۔ وہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے زمین ظلم وجبر سے بھری ہوئی تھی۔[۷]

---

۶ مسلم شریف...... شرح النووی ھامش القسطلانی......(9-292) سنن ابوداؤد......(2-449)

۷ سن ابوداؤد......(2/421-422)

اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام مہدی اس امت میں سے ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو وہ بھی ان کے پیچھے نماز ادا کریں گے اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے۔

امام شوکانی نے اپنے رسالہ ''التوضیح فی تواتر'' اس میں امام مہدی، دجال اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں 29 احادیث تسلسل کے ساتھ بیان کیں تھیں۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جو کچھ روایات ہمیں پہنچی ہیں وہ حد تواتر کو پہنچتی ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ احادیث طیبہ کی تعداد اگرچہ حد تواتر تک نہیں پہنچتی لیکن ان کا معنی مشترک حد تواتر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور مطلوبہ مقصد کے حصول کے لئے یہ گواہی کافی ہے۔

قیامت کے بارے میں سوال پوچھنے والے کو حضور علیہ السلام نے ایک نشانی یہ بھی بتلائی ہے کہ۔

'' اَنْ تَلِدُ الامةُ رَبَّتَهَا''

''یعنی لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی''

ایک روایت میں ہے اپنے مالک کو جنم دے گی اور تو دیکھے گا کہ عرب کے ننگے پاؤں چرواہے آپس میں بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے۔ ۸

علماء کرام نے دونوں جملوں کی مشہور معنی میں تفسیر کی ہے اور ان کا اس سلسلے میں یقین ہے کہ پہلے فقرے کا معنی یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں والدین کی کثرت سے نافرمانی کریں گے۔ کیونکہ ان صحیح انداز میں تربیت نہیں کی گئی ہوگی۔ اور ان میں حیاء کا مادہ مفقود ہوگا اور وہ معاشرے کی روایات سے انحراف کریں گے اور اپنے اردگرد کے ماحول سے جلد اثر

---

۸ یہ ایک طویل حدیث ہے جسے مسلم شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ (36/1)
مسند امام احمد بن حنبلؒ...... (333/4)

پکڑیں گے۔ اوراصل ہونے کے باوجودان کے نسلی احوال تبدیل ہو جائیں گے پس پوری نسل عمدہ اخلاق اوراچھے اعمال سے عاری ہو جائے گی۔ اور ماں باپ اوررشتہ داروں کے حقوق پامال ہو جائیں گے۔

دوسرے فقرے کامعنی یہ ہے کہ شہرخوبصورت ہو جائیں گے ان کی سجاوٹ دیکھنے والوں کوحیران کردے گی جب شہروں میں ظاہری خوبصورتی بڑھ جائے گی تو لوگ وادیوں، دیہاتوں اور قصبوں کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کریں گے۔ ظاہری سجاوٹ اور مال و دولت باعث فخر ہو جائے گا۔ مال ومتاع کے مقابلے میں لوگ اپنے خاندانی رسم ورواج کو ترجیح دیں گے پس وہ مال ودولت کو پالینے کے بعد آپس میں مضبوط اور عالی شان عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے اور دنیاوی امور میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں۔

قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ نا اہل لوگ لیڈر بن جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کسی موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے ایک اعرابی آیا اور عرض کی۔

مَتی السَّاعَةُ؟

یارسول اللہ ''قیامت کب آئے گی''؟

آپ علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور سلسلہ کلام جاری رکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بعض نے اس کی اس دخل اندازی کو ناپسند کیا بعض نے کہا ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ نے اس بات کو سنا ہی نہ ہو یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی بات کو مکمل فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا۔

'' این السائل عن الساعة؟''

''قیامت سے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے''؟

عرض کی یہ ہے اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے فرمایا۔

" اِذَا ضُیِّعَتِ الاَمَا نَۃُ فَا نْتَظِرِ السَّاعَۃَ" قَالَ کَیْفَ اَضَا عَتُھَا ؟

قَالَ " اِذَا وُسِدَ الاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرُ السَاعَۃَ

''جب امانت ضائع ہونے لگے تو قیامت کا اظہار کرو'' عرض کی امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا

''جب معاملہ نا اہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔ ۹

فیض القدیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اوامر ونواہی کے سلسلے میں عموما ایک دوسرے کو دھوکا دیا جائے گا۔ دین اسلام کمزور ہو جائے گا۔ جہالت کا غلبہ ہوگا، علم اٹھ جائے گا۔ اور اہل حق اس سلسلے میں مدد کرنے سے عاجز رہیں گے۔

مضبوط ترین حکمران بھی مسند حکم وقضاء اور الافتاء پر نا اہل لوگوں کو تعینات کریں گے اسی طرح تدریس امامت اور خطابت کے عہدوں پر نا لائق لوگ براجمان ہو جائیں گے۔ عہدے لینے والے اور عہدے دینے والے دونوں قلت علم کے مرض میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم دے کر چھین نہیں لیتا مگر علماء کرام پر موت طاری کر کے علم کو چھین لیتا ہے۔ پس جب کوئی عالم نہیں رہتا تو لوگ جہلاء کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں پس لوگ جب ان سے سوالات پوچھتے ہیں تو وہ بغیر علم کے فتوے دیتے ہیں پس وہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ۱۰

امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی

---

۹ الصحیح البخاری......شرح القسطلانی (284/9)

۱۰ ۔ مسلم شریف......شرح النووی فی حامش القسطلانی (106/10) بخاری شریف......شرح

تھی۔ابوامامہ سے منقول احادیث میں بھی اسے ذکر کیا گیا ہے۔اوران الفاظ کا اضافہ ہے۔

اعرابی نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ !علم کیسے اٹھ جائے گا جب کہ ہمارے پاس قرآن مجید ہوگا اس سے ہم سیکھیں گے اوراپنے بچوں، گھر والوں اور خدام کو سکھائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے غصے کی حالت میں سر مبارک اٹھایا اور فرمایا۔

''اس سے مراد یہودی، ونصاری ہیں جو کتاب الہٰی کو پس پشت ڈال دیں گے اور جو الفاظ انبیاء علیہم السلام کے ہوں گے ان سے لاتعلق ہو جائیں گے۔[1]

اس حدیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ علماء کی موت کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد کتابوں کی بقا مفید نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے جاننے والے ہی نہ رہے۔ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہشام کی روایات میں یہ حدیث مبارکہ مشہور ہے 70 سے زیادہ روایات تو صرف اسی کی ہمارے پاس موجود ہیں۔

---

[1] الامام احمد فی المسند (266/5) سنن ابن ماجہ............حدیث نمبر 4048

الزلزلة (والنفخة الاولی)

قرآن مجید کی بہت سی آیات مبارکہ قیامت کے بالفعل وقوع پذیز ہونے اور بالفعل واقع ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ قیامت کا وقوع بہت تیزی سے ہوگا۔

" وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ[1]

"اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلدی"

ہم نے بہت سی احادیث مبارکہ بھی ذکر کی ہیں جو اس بات کی طرف ہماری راہنمائی کرتیں ہیں کہ لوگوں پر قیامت کا وقوع بہت اچانک ہوگا۔ جب کہ وہ اپنے معاملات اور زندگی کے کاروبار میں مشغول ہوں گے۔ قیامت کی آمد اتنی اچانک ہوگی کہ کسی میں فرار کی طاقت نہ ہوگی۔ قیامت کا آغاز زلزلے سے ہوگا جس سے زمین کانپ اٹھے گی اور تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ"[2]

"اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار کی ناراضگی سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے جس روز تم اس کی (ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لختِ جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا"

---

[1] سورۃ النحل..........77

[2] سورۃ الحج..........1......2

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا

" اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا ○ یَوْمَئِذٍ یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ○ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ○ [۳]

" پھر تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے۔ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو اور انسان (حیران ہوکر) کہے گا اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات، کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے۔ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ۔ تاکہ انہیں دکھائے جائیں ان کے اعمال۔ پس جسے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا"

زمین کے ہلنے اور لرزنے کی وجہ سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور زمین برابر ہوجائے گی اس کے اوپر کوئی چوٹی اور ٹیلہ نہ رہے گا۔ فرمان الٰہی ہے۔

" وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ○ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ○ لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا [۴]

" اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ دے گا پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقے کو کھلا میدان نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ ٹیلہ"۔

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

---

[۳] سورۃ الزلزلۃ 1 8

[۴] سورۃ طہٰ 105

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا o وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا"۵

"جب زمین تھرتھر کانپے گی اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے۔"

مزید ارشاد ہوا۔

"یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۶

"جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے"

جب کہ ہم جس زمین پر رہ رہے ہیں اس کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہماری زمین باقی رہے گی اور اس میں اضافہ ہوگا۔ اور اس کی وسعت کا اندازہ مشکل ہے اور یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ۷

"اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی"

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو تباہ و برباد فرما دیں گے اور اس کی جگہ ایک اور زمین لے گی جو صاف ستھری اور سفید رنگ کی ہوگی۔ اس کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ دلیل ہے۔

"یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ۸

---

۵ سورۃ الواقعہ......5

۶ سورۃ القارعۃ......5

۷ سورۃ الانشقاق......3

۸ سورۃ ابراہیم......48

سورۃ القارعۃ......5

''(یادکرو) اس جگہ کو جبکہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے''

اس آیت مبارکہ کا ظاہراً یہ مفہوم ہے کہ ذات اور وصف کے اعتبار سے یہ زمین تبدیل ہو جائے گی۔ جب کہ آسمان، ستارے، سورج اور چاند سب فنا ہو جائیں گے کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

'' یَوْمَ نَطْوِی السَمَا ءَ کَطیِّ السِجل لِلْکُتُبْ کَمَا بَدَأنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِیْدُہٗ وَعدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَا عِلِیْنَ ''۹

'' یادکرو جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طور مار میں کاغذات جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لٹائیں گے۔ یہ وعدہ ہم پر لازم ہے یقیناً ہم ایسا کرنے والے ہیں۔

مزید ارشاد فرمایا۔

'' اِذَا الشَمْسُ کُوِّرَت وَاِذَا لنُجُوْمُ انکَدَرَتْ ۱۰

''(یادکرو) جس وقت سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔''

ایک جگہ پر یوں ارشاد فرمایا۔

'' اِذَا السَمَاءُ اِنفَطَرَتْ وَاِذَا ا لکَوا کِبُ اِنتَثَرَتْ ''۱۱

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔''

مزید ارشاد ہوا۔

اِذَا السَمَاءُ اِنْشَقَتْ وَاَذِ نَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَتْ ۱۲

(یادکرو) جب آسمان پھٹ جائے گا اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب عزوجل کا فرمان اور اس پر بھی فرض بھی یہی ہے۔

---

۹ سورۃ انبیاء...... 104 ۱۰ سورۃ تکویر...... 1-2

۱۱ سورۃ الانفطار...... 1 ۱۲ سورۃ الانفطار...... 1

فرمان الٰہی ہے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ'' [13]

''پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے (اس روز) انسان کہے گا بھاگنے کی جگہ کہاں ہے''۔

ارشاد رب العزت ہے۔

'' فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ'' [14]

''پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہو سرخ چمڑا''۔

اس کی تفسیر میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ کہ آسمان انگارے کی طرح سرخ ہو جائے گا اور پھر پگھل کر بہہ نکلے گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو آسمانوں کے فنا ہونے اور شمس و قمر اور ستارے کے مٹ جانے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

---

[13] سورۃ القیامۃ...... 9 [14] سورۃ الرحمٰن...... 37

النفخة الثانيه

گزشتہ باب میں ذکر کیئے گئے حوادثات کی وجہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ کردہ فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اس کی وجہ سے خشکی تری اور فضہ کی ہر زندہ چیز فنا ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور پھونکنے تک تمام اشیاء پر موت طاری رہے گی۔ دوبارہ صور پھونکنے پر تمام مکلّف مخلوق زندہ ہو جائے گی۔

ارشاد رب العزت ہے۔

" وَنُفِخَ فِیُ الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِیُ السَّمٰوَاتِ وَ مَنْ فِیُ الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ" یَنْظُرُوْنَ"[1]

''اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بے ہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے''

دونوں دفعہ صور پھونکنے کا درمیانی وقفہ چالیس سال ہوگا اور مردوں کے زندہ کیئے جانے کے بارے میں کئی آیات مبارکہ بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہیں۔ اور بعد از وفات زندگی پر ایمان رکھنا ایمان کا اہم ترین رکن ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مردہ اپنے موجودہ جسم کے ساتھ ہی زندہ ہوگا یا اس کی مثل جسم ہوگا؟ تو اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس سلسلے میں احادیث طیبہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے آخر میں ایک عجیب قسم کا دانہ ہے.................اور وہ دانہ بوسیدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر کوئی چیز اثر انداز ہو سکتی ہے۔ موت کے بعد انسانی جسم کے تمام ذرات باقی رہتے ہیں۔ برابر ہے کہ وہ مٹی کی صورت میں ہوں یا پانی اور ہوا کی شکل میں اگر اللہ رب العزت چاہیں تو ان تمام ذرات کو سابقہ شکل دینا کوئی مشکل نہیں۔

---

[1] سورۃ الزمر.........68

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَاہُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاہُ مِن نُطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِم مبین oوضرب لنا مثلا ونسی خلقه قال من یحی العظام وھی رمیم oقل یحیھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیمo(الی آخر السورۃ ۲)

''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس وہ اب ہمارا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو (گستاخ) نے کہا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں آپ فرمایئے۔

(اے گستاخ سن) زندہ فرمائے گا انہیں وہ ہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے)...... آخر سورت تک اسی طرح ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

وَھُوَ الَّذِیْ یَبْدَاءُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ وَلَہُ المثلُ الْاَعْلٰی فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۳

''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے اور اسی کے لئے ہے برتر شان آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔''

مزید ارشاد ہوا۔

مَا خَلْقُکُمْ وَلَا بَعْثُکُمْ اِلَّا کَنَفْسٍ وَاحِدَۃٍ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ'' بَصِیْرٌ'' ۴

---

۲ سورہ یٰسین...... 77 تا آخر ۳ سورہ الروم............ 27

۴ سورۃ لقمان...... 28

"نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر وہ زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ جن وانس کے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے بعد اور قبروں سے نکالنے کے بعد ان تمام کو میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ" وَشَهِيدٌ" لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ"[5]

"اور حاضر ہو گیا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہو گا۔ تو عمر (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے۔ پس ہم نے اٹھا دیا تیری آنکھوں سے تیرا پردہ، سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے۔"

قرآن کریم کی نص اس بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ تمام امتیں اپنے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کے نام سے پکاری جائیں خواہ ان کے سردار اچھے تھے یا برے تھے خواہ ان کی اچھائی کی طرف راہنمائی کی ہو یا برائی کی طرف۔ فرمان الٰہی ہے۔

"يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ"[6]

"وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ"

پس دنیا میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو کھولا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کی امت کی قبروں کو ان کے مراتب و درجات کے اعتبار سے کھولا جائے گا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دین میں بھی ہر جماعت اپنے اپنے امام کے ساتھ ہوگی۔ جب کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ تمام اماموں کے بھی امام اور تمام انسانوں کے سردار ہیں اس وقت تمام زمین اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نور سے روشن ہو جائے گی اس

---

[5] سورۃ ق۔۔۔۔۔۔۔۔21-22 [6] سورۃ الاسراء۔۔۔۔71

وقت کوئی سورج اور چاند نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے۔

"ثُم نُفِخَ فِيهِ أُخرىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَام" يَنظُرُونَ وَأَشرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيْئَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ؎

"اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔بجز ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا (کہ بے ہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے۔اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب عزوجل کے نور سے اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں۔"

؎ سورۃ الزمر..................68

حشر کے خوفناک احوال

ارشاد رب العزت ہے۔

" وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِنَ الاَ جْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ o قَالُوْا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْ قَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ"[1]

"اور دوبارہ جب صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پرودگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے۔ اس وقت کہیں گے ہم برباد ہو گئے! کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہ سے (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا اور سچ کہا تھا رسولوں نے پس لوگوں کو جب میدان حشر میں جمع کیا جائے گا تو ان کے احوال دنیاوی زندگی کے مطابق ہوں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"سَمِعْتُ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم يَقُوْلُ " يُبْعَثُ كُل عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ "[2]

میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"ہر آدمی جس صورت حال پر مرا تھا اس کو اسی حالت (ایمان یا کفر) پر اٹھایا جائے گا"

حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی نیکی اور اچھائی کی حالت میں فوت ہوا تو اس روز بھی وہ اچھی صورت حال میں ہوگا اور جو آدمی برائی کی حالت میں مرا تو اس کو انتہائی بری حالت میں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین۔

جب حشر کے لئے لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت ان پر ہیبت اور خوف طاری ہوگا۔ مگر جو لوگ ایمان والے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں ہوں گے اور ان کا حشر ان اصحاب شریعت یا امت کے بزرگ افراد کے ساتھ ہوگا جن کو یہ پسند کریں گے۔

---

1. سورۃ یٰسین.........52-51
2. مسلم شریف.......شرح النووی فی ھامش القسطلانی.....(328/10)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

"یحشر الناس علی ثلاث طرائق راغبین راھبین و اثنان علی بعیر و ثلاثة علی بعیر و اربعة علی بعیر وعشرة علی بعیر و تحشر بقیتھم النار تبیت معھم حیث باتوا وتقیل معھم حیث قالوا وتصبح معھم حیث اصبحو و تمسی معھم حیث امسوا" [۳]

"لوگوں کو بروز قیامت تین طرز پر لایا جائے گا (ان میں) رغبت رکھنے والے، اللہ سے ڈرنے والے اور اونٹ پر دو دو یا تین تین یا چار چار اور دس دس کی تعداد میں سوار ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ لوگوں کو جہنم کی طرف لایا جائے گا۔ پس وہ وہاں ان کے ساتھ رات گزاریں گے جیسے دنیا میں گزارتے تھے اور اسی طرح قیلولہ، صبح اور شام بھی اسی طرح گزاریں گے جیسے دنیا میں گزارتے تھے۔"

حضرت بھز بن حکیمؒ اپنے باپؓ سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" انکم محشرون رجالا ورکبانا وتجرون علی وجوھکم" [۴]

"بے شک تمہارا حشر اس انداز میں ہوگا کہ بعض پیدل ہوں گے تو بعض سوار ہوں گے اور بعض کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا"

بعض صحیح احادیث میں حشر کے دن کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ پس اس دن لوگوں کے احوال و اعمال کے لحاظ سے مختلف ہوں گے کہ کچھ کے حالات اچھے تو کچھ کے بہت اچھے بعض لوگوں کے حالات برے تو بعض کے بہت برے ہوں گے اسی طرح اور بھی بہت سے احوال ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اہل بعث وحشر کے اجمالی طور پر تین گروپ ہوں گے

---

۳ متفق علیہ

۴ ترمذی شریف......کتاب الذھد حدیث نمبر 2541

(ا)السابقون ۲ اصحاب المیمنۃ ۳اصحاب المشئمہ

پس سابقون سے مراد وہ ہمایوں بخت افراد ہوں گے جو جنت نعیم میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوں گے۔

اصحاب المیمنہ سے مراد دائیں ہاتھ والے ہیں یعنی وہ لوگ جو بے خار بیریوں کیلے کے گچھوں، لمبے لمبے سایوں اور پانی کے آبشاروں میں ہوں گے اس طرح ان کے اور بھی کئی اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

اور اصحاب المشئمہ سے مراد وہ بدنصیب ہیں جو جھلستی لو اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جن وانس کی شروع سے لیکر آخر تک یہی تین اقسام بیان کی گئی ہیں باقی ان کی تفصیلات علام الغیوب کے علم میں ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارا حشر سابقین اور مقربین کے ساتھ کرے یا ان لوگوں کے ساتھ جو جو اصحاب الیمین میں شمار ہوتے ہیں۔

میدان حشر کے لئے نئی زمین بنائی جائے گی کیونکہ فرمان الٰہی ہے یوم تبدل

الارض غیر الارض[۵]

''(اور یاد کرو) اس دن کو جب بدل جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے

''اور یہ سفید صاف ستھری زمین ہوگی جس پر گناہ نہ ہوگا''[۶]

یا پھر زمین تو یہی ہوگی لیکن اس کی حالت اور کیفیت تبدیل ہو جائے گی پہاڑ میدان اور وادیاں سب تبدیل ہو جائیں گے جیسا کہ آیات مبارکہ اور احادیث طیبہ سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

---

۵ سورۃ ابراہیم.........48 ۶ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا''

یحشر الناس القیامۃ علی ارض بیضاء عضرا کقرصۃ النقی''

قصاص

نور اسلام کی ایک روشن کرن یہ ہے کہ قصاص کو تسلیم کیا جائے۔ قصاص کا معنی ہے ظالم سے انتقام لینا اور مظلوم کو اس کا حق دلانا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ" لِاَ خِيهِ فَلْيَتَ حَلِلْهُ مِنْهَا فَاِنَّه لَيْس ثَمَّ دِيْنَار " وَلَا دِرْهَم" مِنْ قَبْلُ اَنْ يُوْخَذَ لِاَ خِيْهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ ، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَات" اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَخِيْهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ۔(۱) متفق علیہ

"تم میں سے اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا تو اس سے معافی مانگ لو اس سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہوں گے اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کی مقدار اس سے چھین لیں جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس پر مظلوم کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔"

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو جہاں کے والی حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

" يُخْلِصُ المومنونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ عَلٰى قِنْطَرةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مُظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا هَذَّبُوْا وَنَقُوْ اُذِنَ لَهُمْ فِيْ دَخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمِّدٍ بِيَدِهٖ لَا حَدِهِمْ اَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ فِي الدُّنْيَا ۲

"مومنین جب آگ سے نجات پائیں گے تو ان کو پل صراط پر روک دیا جائے گا، جو جنت اور جہنم کے اوپر ہے وہاں دنیا میں کئے گئے مظالم کا قصاص لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ

---

۱ بخاری شریف..... شرح القسطلانی (254/4) ۲ بخاری شریف (9/331-332)

گناہوں سے پاک ہو جائیں گے اس کے بعد ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے دنیا کے مقابلے میں آخرت (جنت) میں زیادہ آرام ہے"

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو تمام مخلوق میں قصاص کو قائم کیا جائے گا جیسا کہ حدیث طیبہ ہے فرمایا۔

" لَتُودَنَّ الْحُقُوْقُ حَتّٰی یُقَادُ لِلشَاةِ الَجلْحَاء مِنْ الشَاةِ الْقَرْنَاء"[۳]

" حقوق دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔"

اور اس نوعیت کے قصاص کی طرف یہ آیت کریمہ بھی راہنمائی فرمائی ہے۔

" وَمَا مِنْ دَابَةٍ فِیْ الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یَطِیْرُ بِجَنَا حِیْهِ اِلَّا اُمَم" اَمْثَا لُکُمْ مَا فَرَطْنَا فِیْ الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ[۴]

" اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے، مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو"

لیکن جنت اور دوزخ میں ثواب و عذاب کا معاملہ صرف جن و انس کے ساتھ ہی پیش آئے گا۔ اس کے علاوہ کسی مخلوق کے ثواب و عذاب پر کوئی دلیل نہیں۔ اللہ علم بالصواب

---

۳ مسلم شریف.....شرح النووی فی ہامش القسطلانی.....(14/10)

۴ سورہ الانعام..........(38)

میدان حشر

نو راسلام کا ایک حصہ ہے کہ حشر کی سختیوں پر ایمان لایا جائے اور یہ حشر کی ہولناکی سب لوگوں کے لئے ہوگی مگر جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہوگی وہ نجات پا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"يَعْرِقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ"[1]

"قیامت کے دن لوگ پسینے میں اس قدر غرق ہوں گے کہ ان کا پسینہ 35 گز زمین میں چلا جائے گا اور زمین کے اوپر پسینہ اس قدر ہوگا کہ کانوں تک پہنچ جائے گا۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ يَقُوْمُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ (ای عرقه) الی أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ"[2]

"جس دن لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے فرمایا ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے کہ وہ کان کے آدھے حصے تک پسینے میں غرق ہوں گے" حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کو یوں فرماتے سنا۔

"قیامت کے روز سورج لوگوں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں غرق ہوں گے، بعض ٹخنوں تک بعض گھٹنوں تک بعض کمر تک اور بعض منہ تک پسینے میں غرق ہوں گے" حضور علیہ السلام اپنے دست مبارک

1۔ بخاری شریف .... شرح القسطلانی ......(310/9)

2۔ ایضا ...... ومسلم شریف ...... شرح النووی (313/10)

سے اپنے منہ پاک کی طرف اشارہ فرمایا[۳]

اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

علماء کرام نے احادیث طیبہ کی نصوص سے یہ بات اخذ کی ہے کہ روز محشر کا یہ ہولناک عذاب کفار و مشرکین اور گناہ گار مسلمان کے لئے اعمال کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ جب کہ بندہ مومن کے لئے روز محشر کی یہ سخت گھڑی ایک فرض نماز ادا کرنے کی مقدار ہوگی ۔ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان سات کامیاب افراد میں سے کرے جو اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے۔آمین

پس بندہ مومن کو جاننا چاہے کہ اس دن سورج کے بارے میں جو کچھ احادیث میں ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ[۴]

''جب سورج کو لپیٹا جائے گا۔''

یعنی سورج اس وقت اپنی کیفیت کے مطابق بجھ جائے گا یا عرش میں داخل ہو جائے گا۔جیسا کہ تفسیر ابن عباس میں ذکر کیا گیا ہے۔کیونکہ ''تکویر'' یعنی لپیٹنا تو زلزلے اور پہلی دفعہ صور پھونکنے کے وقت ہوگا۔ جب کہ اٹھائے جانے اور حشر میں اکٹھا کئے جانے کا معاملہ دوسری دفعہ صور پھونکنے کے بعد ہوگا۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ۝

''پھر دوبارہ جب پھونکا جائے گا اس میں تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے

---

۳ مسلم شریف......شرح النووی......فی ہامش القسطلانی......(314-313/10)

۴ سورۃ التکویر..........آیت ۱ ۝ سورۃ الزمر......68

لگ جائیں گے"

اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے سورج پلٹ آئے گا اور وہ مخلوق کے سروں کے قریب ہو جائے گا تا کہ کفار ومشرکین اور سرکش لوگوں کو اس کے ذریعے سے عذاب دیا جا سکے۔ اس کے بعد سورج اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بجھ جائے گا۔ یا فنا ہو جائے گا اس کے بعد چاند اور ستارے بھی نہیں رہیں گے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

" وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا " [1]

''اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی"

یعنی میدان حشر اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ نور سے روشن ہو جائے گا۔ اور وہاں مخلوق کا محاسبہ اور اعمال کا وزن ہوگا۔

یہ اس لئے ذکر کیا گیا کہ سورج کا مخلوق کے سروں کے قریب ہونا حدیث طیبہ سے ثابت ہے جسے مسلم شریف اور ترمذی شریف میں ذکر کیا گیا ہے جب کہ سورج کے لپیٹنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس طرح قرآن وسنت کے درمیان تطبیق ہوگئی۔

---

[1] سورة الزمر............69

بروز قیامت محاسبہ اعمال

اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ رب العزت بروز قیامت اپنی تمام مکلّف مخلوق سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ فرمائے گا اور ہر آدمی کو اس کا اعمال نامہ ملے گا۔ ارشاد ہوا

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَا ذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ [1]

''جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟۔ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں۔ بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں گا''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کلام فرمائیں گے۔ اور خالق ومخلوق کے درمیان کسی ترجمان کی ضرورت نہ ہوگی دائیں نظر کرے گا تو اس طرف وہ ہی کچھ دیکھے گا جو اس نے آگے بھیجا اور اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نہ دیکھے گا تو تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی قاش ہو [2] متفق علیہ

حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

لا تزول قدماء عبد حتی یسال عن عمره فیم افناه وعن عمله فیم فعل و عن ماله من این اکتسبه وفیم انفقه وعن جسمه فیم ابلاه [3]

''بروز قیامت آدمی کے پاؤں لرزہ رہے ہوں گے کہ اس سے اس کی زندگی کے بارے سوال کیا جائے گا کہ زندگی کس سلسلے میں فنا کی۔ اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا مال کے بارے سوال پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اس کے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس کو تو نے کس سلسلے میں بوڑھا کیا۔

---

[1] سورۃ المائدہ.........109 [2] بخاری شریف.........شرح القسطلانی (314/9)

[3] ترمذی شریف.........حدیث نمبر 2532

نامہ اعمال

نور اسلام کی ایک کرن یہ بھی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ بروز قیامت اعمال نامہ ملے گا۔

ارشاد رب العزت ہے۔

"فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتَابِیَهْ o اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلَاقٍ حِسَابِیَهْ" o فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ o فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ o قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ" o کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ o وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَهْ o وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ o یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ o مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ . هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ o "[1]

"پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا تو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنت میں۔ جس کے خوشے جھکے ہوں گے (اذن ملے گا) کھاؤ پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گذشتہ دنوں میں اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل اور نہ میں جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی۔"

احادیث صحیحہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعمال نامے اس کے سامنے کر دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اسے عذر پیش کرنے کا موقع عطا فرمائیں گے تو اس وقت وہ کہے گا یا الٰہی میں اس اعمال نامے کو نہیں مانتا جب تک کوئی میرے خلاف گواہی نہ دے۔ پس اللہ تعالیٰ اس وقت اس کے اعضا کو بولنے کی طاقت عطا فرمائیں گے۔ حضرت

---

[1] سورۃ الحاقۃ ....19......28

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارہ گاہ میں بیٹھے تھے کہ آپ نے تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں؟ ہم نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا انسان کا اپنے رب سے مخاطب ہونے کے انداز پر میں مسکرا دیا۔

انسان عرض کرے گا کیا یا الٰہی تو نے مجھے ظلم کرنے کی صلاحیت نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیونکہ نہیں۔

بندہ کہے گا کہ میں اپنے اوپر کسی سزا کو روا نہیں سمجھتا جب تک کہ میں کسی گواہی کو نہ سن لوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اس کام کے لئے تو تیری ذات ہی کافی ہے۔ خواہ وہ تیرے حق میں گواہی دے یا تیری مخالفت میں پس اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کی اجازت ہوگی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا پھر اس کے اعضا بولیں گے" اس کے بعد اسے اپنے اعضاء سے بھی بات کرنے کی اجازت ہوگی تو وہ شرمندگی چھپاتے ہوئے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اعضاء سے کہے گا تمہارے لئے ہی تو میں گمراہ ہوا تھا"[۲]

---

۲ مسلم شریف............شرح النووی......فی حاشی القسطلانی (10/433-434)

میزان

میزان کی حقیقت کو ماننا بھی ایمان کا حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَا زِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَا مَةِ فَلا تُظْلَمُ نَفْس" شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَا سِبِيْنَ ؎۳

''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والا ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر ،اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''

پس وزن کی ایک حقیقت ہے، جسے ماننا ضروری ہے لیکن اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ ہماری اس دنیا میں حرارت ٹھنڈک، وزن (زیادہ یا کم)، بلڈ پریشر اور فضا کی نمی کو جانچنے کے لئے آلات ہیں۔

اسی طرح بروز قیامت بھی میزان پر وزن ہوگا۔ یا تو اعمال کے صحائف تولے جائیں گے یا نیک اعمال کو نورانی اور بد اعمال کو ظلمانی جسم عطا کیا جائے گا۔ پھر ان کا وزن ہوگا۔

حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہوں گے ایک میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں گناہ رکھے جائیں گے اور ممکن ہے کہ یہی اس کی ظاہری شکل میں ہو۔ کیونکہ یہ امر ممکن ہے جس کی خبر دنیا میں سب سے سچے انسان نے دی۔ جس سے انکار کی مجال نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہ یستخلص رجُلًا مِن اُمتی علی رُؤسِ الخلائِقِ یوم القیٰمۃِ فینشر علیہ تسعۃ وتسعین سجلا کُلُّ سِجِلٍ مثلُ مَدِّ البصر ....آلی آخر الحدیث

؎۳ سورۃ الانبیاء..........47

ترجمہ: حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے لائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کھولیں گے۔ ہر دفتر اعمال اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی لمبائی حد نگاہ ہوگی۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا جائے گا کہ ان اعمال ناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر متعین تھے تجھ پر کچھ ظلم کیا (کہ کوئی گناہ بغیر کئے ہوئے لکھ لیا یا کرنے سے زیادہ لکھ دیا ہو) وہ عرض کرے گا نہیں پھر ارشاد ہوگا۔ تیرے پاس ان بداعمالیوں کا کوئی عذر ہے وہ عرض کرے گا۔ کوئی عذر بھی نہیں۔

ارشاد ہوا اچھا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے پھر ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا جس میں اشھد اَن لَا اِلٰہ اِلا اللّٰہُ واشھد اَنَّ محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ لکھا ہوگا۔ ارشاد ہوگا۔

''جا اسے وزن کروالے''

وہ عرض کرے گا یا الٰہی اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ پرزہ کیا کام کرے گا ارشاد ہوگا آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ان سب دفتروں (رجسٹروں) کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسری جانب وہ پرزہ ہوگا تو دفتروں والا پلڑا اوپر اٹھنے لگے گا اور پرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا پس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں ہے۔[1]

---

[1] سنن ترمذی حدیث 2777 طبعۃ القاہرۃ ، سنن ابن ماجہ..... حدیث 4300

پل صراط

اس بات کو بھی ماننا کہ پل صراط کی بھی ایک اپنی حقیقت ہے، نور اسلام کا ایک حصہ ہے پل صراط سے مراد وہ لمبا سا پل ہے جو جہنم کی آگ کے بالکل اوپر ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"ثُم یُضرَبُ بَینَ ظَھرِ انیُ جھنم فَاکُونُ اَوَّلَ مَنْ یَجُوزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمتِهٖ وَلَا یَتکلمُ اَحد" یَومَئذٍ اِلَّا الرُّسُل وَکَلَامَ الرُّسُلِ یَومَئذٍ اَللّٰھُمَّ سَلِمْ سَلِمْ"[1] متفق علیہ

"پھر جہنم کے اوپر پل صراط کو رکھا جائے گا پس رسولوں میں سے سب سے پہلے میں اپنی امت کے ساتھ اس کو پار کروں گا اور اس دن کوئی گفتگو نہ کرے گا ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول بولیں گے مگر اسی دن ان کا کلام بھی صرف اتنا ہی ہوگا۔ "اے اللہ بچالے" "اے اللہ بچالے"

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

"امانت اور صلہ رحمی دونوں کو مجسم شکل دی جائے گی اور انہیں پل صراط کے دونوں طرف کھڑا کر دیا جائے گا۔ تم میں سے سب سے پہلے گزرنے والے بجلی کی سی رفتار سے گزریں گے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر ہمارے ماں باپ قربان! بجلی کی طرح گزرنا کس طرح ہوگا۔ فرمایا کیا تم نے بجلی کو چمکتے دیکھا ہے کیسے آنکھ جھپکتے میں آتی اور جاتی ہے۔ پھر لوگ ہوا کی رفتار سے گزریں گے پھر پرندوں کی سی تیزی سے گزریں گے۔ اس کے بعد لوگ پیدل ہوں گے اور ان کی رفتار ان کے اعمال کے مطابق ہوگی۔ تمہارا نبی (ﷺ) پل صراط پر کھڑا یہ کہہ رہا ہوں گا۔

"رَبِّ سَلِمْ. رَبِّ سَلِمْ"

"اے میرے رب میری امت کو بچالے" "اے میرے رب میری امت کو بچالے"

یہاں تک کہ لوگ اپنے اعمال کے کم ہونے کی وجہ سے پل کو پار کرنے عاجز آ جائیں گے حتی کہ ایک آدمی کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ چلنے سے قاصر ہوگا اور اپنے آپ کو سے گھسیٹتا ہوا آگے لے جا رہا ہوگا۔"

---

[1] البخاری......شرح القسطلانی......(312-311/9)

مزید فرمایا،

پل صراط کے دونوں طرف شکنجے لگے ہوئے ہوں گے۔ جس کو پکڑنے کا حکم ہوگا اسے وہ پکڑ لیں گے۔ بعض زخمی ہونے کے باوجود پل صراط پار کرنے پر نجات پا جائیں گے جب کہ بعض آگ میں ہاتھ بندھے ہوئے جہنم رسید ہو جائیں گے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ رب العزت کی قسم جہنم کی گہرائی 70 خریف (سال) ہے۔"[۲]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث طیبہ میں امانت اور صلہ رحمی کے بارے میں ہے کہ ان دونوں کو انسانی شکل دی جائے گی جو آدمی دنیا میں ان کے حق کو ادا کرتا رہا ہوگا ان کے حق میں یہ گواہی دیں گے جس نے ان کے حق کو ادا نہ کیا ہوگا۔ اس کے خلاف یہ گواہی دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں معاملات بڑے اہم ہیں۔

پل صراط کو جہنم کے اوپر قائم کیا گیا ہے میدان حشر کے بعد لوگوں کو اس کی طرف چلنے کا حکم ہوگا اہل جنت اس پر سے گزر جائیں گے اور اہل جہنم اس میں گر پڑیں گے۔ اور اہل جنت کا اپنے درجات کے لحاظ سے گزرنے کا انداز مختلف ہوگا۔ بعض کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سختیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ پس متقی، پرہیزگار مومنین میں سے وہ بھی ہوں گے جو آنکھ جھپکنے کی طرح گزر جائیں گے، جیسا کہ بجلی، ہوا وغیرہ کچھ گھڑ سواروں کی طرح گزریں گے لیکن جو جہنم میں گر جائیں گے تو وہی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔"

اس بحث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن تمام جن و انس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

"یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ"[۳]

"وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔"

دہشت اور خوب کی مناسبت سے میدان حشر کی صورت حال لحہ بہ لحہ مختلف ہوگی شروع شروع میں تمام مخلوق خاموش خوف زدہ اور دہشت زدہ ہوگی اور یہ شدید ترین

---

۲ مسلم شریف......شرح النووی......فی ہامش القسطلانی......(173-171/1)

۳ سورۃ الحاقۃ......18

صورتحال ہوگی۔جیسا کہ فرمان الٰہی سے معلوم ہوتا ہے۔

"وَخَشِعَتُ الاَ صُوَاتُ لِلرَّحُمٰنِ فَلا تَسُعَ اِلَّا هَمُسًا"[4]

"اور خاموش ہوجائینگی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدھم سی آہٹ"

مزید فرمایا۔

"وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا"[5]

"اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی وقیوم کے سامنے اور نامراد ہوا جس نے لادا اپنے (سر) پر ظلم (کاربار گراں)"

اس شدید ترین صورتحال میں نبی اکرم شفیع امم ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور شدت میں کمی آجائے گی سوالات، حساب اور نامہ اعمال کا معاملہ شروع ہوجائے گا۔ اعمال نامے دائیں بائیں اور پیچھے سے پکڑے جائیں گے، اعمال کا وزن ہوگا اور مکلف مخلوق کا محاسبہ ہوگا۔ جب گناہ گاروں کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوجائے گا اور اس سے اس سلسلے میں بات چیت ہوگی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں اس کے بعد جہنم پر پل صراط رکھا جائے گا۔ اور اس پر سے گزرنے کا حکم دیا جائے گا۔

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پل صراط سے گزرے گی۔ پس جو کامیاب ہوگا اور محفوظ رہا اور جو گر پڑا وہ جہنم رسید ہوگا۔ پس کافر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جب کہ مومن اپنے جرم کی سزا کاٹنے کے بعد نجات پا جائیں گے۔ یا عذاب سے پہلے بذریعہ شفاعت نجات پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور وہ جنت میں چلے جائیں گے ۔ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ

"اے اللہ تیری صفت روف ورحیم ہے ہم سے فضل واحسان کا معاملہ فرما۔ اور ہمارا حشر سید المرسلین ﷺ کے جھنڈے کے نیچے فرما۔ آمین بجاہ طہٰ ویسین۔

---

4. سورۃ طٰہٰ............108

5. سورۃ طٰہٰ............111

الحوض المورود (حوض کوثر)

نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا ایک حوض مبارک ہے جسے حوض المورود کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام پل صراط عبور کر کے اس حوض پر وارد ہوں گے اور آپ کی امت بھی اسی حوض پر پیاس بجھانے آئے گی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آقا علیہ السلام نے فرمایا۔

"اِنَّ اَمَامَكُمْ حَوْضًا كَمَا بَيْنَ (جَرباء) (وَاَذْرَح)"[1]

"بے شک تمہارے سامنے جرباء اور اذرح کے درمیانی علاقے جتنا حوض ہوگا۔"

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"اَلْحوضُ كَمَا بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ وَصَنعَاء"[2]

"حوض کوثر مدینہ اور صفا کے درمیانی علاقے جتنا بڑا ہے"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"اِنَّ قَدْرَ حَوْضِي كَمَا بَيْنَ اِيلَةَ وَصَنْعَاء مِنَ الْيَمَنْ وَاِنَّ فِيهِ مِنَ الْاَبَارِيْقُ كَعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ" متفق علیہ[3]

"بے شک میرے حوض کی مقدار اتنی ہے جتنی ایلۃ اور صنعاء یمن سے دور ہے اور اس میں جام اس قدر ہوں گے جتنی آسمان کے ستارے"

اور بخاری شریف میں یوں روایت ہے۔

"اور حوض کی مقدار ایک ماہ چلنے کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید

---

1. بخاری شریف.........شرح القسطلانی (336/9) اور مسلم شریف.....شرح النووی (156/9)
2. ایضاً
3. ایضاً

ہے اس کی خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہے"

اور اس کے جام ستاروں کی تعداد کے سے ہیں جس نے ایک بار اس سے پی لیا دوبارہ پیاسا نہ ہوگا۔[1]

اس حوض کا پانی نہر کوثر سے آتا ہے جو جنت میں چل رہی ہے جیسا کہ حدیث طیبہ میں ثابت ہے جس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔

---

[1] سورۃ الشعراء.............100

[2] بخاری شریف......شرح القسطلانی......(338/9)

شفاعت

نور اسلام کی ایک روشن کرن یہ بھی ہے کہ اس بات پر ایمان ہو کہ اللہ کے رسول اور نیک لوگ، کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے حق میں شفاعت فرمائیں گے۔

خصوصی طور پر نبی کریم ﷺ کو بطور شفیع المذنبین ماننا ضروری ہے۔ اس پر قرآن میں بہت سے دلائل ہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔

" وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ [1]"

"اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے" ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

" مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ [2]"

"کون ہے جو اس کی جناب میں سفارش کر سکے مگر اس کی اجازت کے ساتھ"

اگر شفاعت کا جواز نہ ہوتا تو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کا ذکر نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی چیز محال ہو تو اس کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔

فرمان خداوندی ہے۔

"وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ" [3]

"اور شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہوں گے۔"

یعنی شفاعت کرنے کا اختیار اسی کو ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت نے کفار کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ۔

---

[1] سورۃ محمد 19   [2] سورۃ البقرۃ 255

[3] سورۃ الانبیاء 28

فَمَا لَنَا مِنْ شَا فِعِیْنَ وَلَا صِدِیْقٍ حَمِیْمٍ [4]

''تو (آج) نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی اور نہ کوئی غم خوار دوست''

اگر گناہ گار مسلمانوں کے لئے شفاعت ثابت نہیں تو پھر گناہ گار مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا۔

احادیث شفاعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا فرمان عالی شان ہے کہ

''شَفَاعَتِیْ لِاَ ھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ [5]''

''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔''

اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور یہ حدیث مشہور ہے۔ بلکہ احادیث شفاعت میں تواتر معنوی کے درجے کو پہنچی ہے۔

شفاعت میں حکمت یہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی عزت افزائی ہو اور بطور شہادت ان کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔ اس بات کا اظہار ہے۔ شفیع پر اللہ جل شانہ کا خصوصی کرم ہے ورنہ شفاعت کے بغیر بھی اللہ رب العزت گناہ گاروں کو معاف فرما سکتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالی کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ

یُغْفِرُ لِمَنْ یَشَاءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَشَاءُ ''[6]

''اللہ جس کو چاہے معاف فرمائے جس کو چاہے عذاب دے''

اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کی وجہ سے تو وہ مزید کرم فرمائے گا۔

شفاعت کے مخالفین اس آیت سے شفاعت کے انکار کا استدلال کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے۔

---

[4] سورۃ الشعراء......100

[5]

[6]

" مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ " ے

'' نہ ہوگا ظالموں کے لئے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے ''

حالانکہ مخالفین شفاعت کا اس آیت شفاعت کا انکا کرنا ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس آیت میں کفار کی شفاعت کا ذکر ہے کہ ان کی شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ جب کہ ہم مسلمانوں کی شفاعت کی بحث کر رہے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

" اَتَانِیْ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یَدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِیْ الْجَنَّةَ وَ بَیْنَ الشَّفَاعَةِ ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَھِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْاءً ۸

'' میرے پاس ایک آنے والے میرے رب کی طرف سے آیا کہ میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ '' کہ میری آدھی امت جنت داخل ہو'' یا '' میں شفاعت کرسکوں'' پس میں نے شفاعت کو پسند کیا۔ اور یہ شفاعت ہر اس کے لئے ہے جو اس حال میں مرا ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو''

اور حدیث طیبہ میں جو آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ

" وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ " ۹

'' اور ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو''

تو آپ نے فرمایا۔

" یَا بَنِیْ ھَاشِمْ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ "

'' اے نبی ہاشم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''

" یا بنی عبد المطلب اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ "

ے غافر......18

۸ ترمذی شریف......حدیث 2557: ابن ماجہ......حدیث 4311 ۹ سورۃ الشعراء......214

"اے بنو عبدالمطلب اپنے آپ کو نار جہنم سے بچاؤ"

" یا فاطمه اَنْقِذِیْ نَفسکِ مِنَ النَّارِ"

"اے فاطمہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"

" فَاِنِیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحْمًا سأ بلها ببلالها"۔[1]

"میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اس کی اجازت مرضی کے بغیر) تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا سوائے اس کے تمہیں قرابت حاصل ہے اور میں اسے اس کے پانی سے تر کردوں گا (یعنی میں صلہ رحمی کروں گا)"

اس حدیث طیبہ میں خطاب کفار کو ہی ہے اور بات واضح ہے کہ شفاعت کفار کے لئے نہیں ہے۔ یا خطاب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ہے اور اس خطاب کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے اور اس بات کو ان کے ذہن نشین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر آپ کسی شے کے مالک نہیں۔ اس حدیث میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا اور نیک اعمال کے لئے ترغیب دینا مقصود تھا۔ تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور اعلیٰ درجات پر فائز ہوں اس حدیث مبارکہ کا معنی ومفہوم شفاعت کے جواز اور وقوع کے منافی نہیں۔ کیونکہ شفاعت کے وقوع پر کثیر احادیث مبارکہ دلالت کرتی ہیں۔ لیکن شفاعت کے قول کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ لوگ گناہوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس بات کی بھی تعین نہیں کہ کس شخص کو شفاعت سے سرفراز کیا جائے اس لئے وہ نیکیوں کو کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ بات اہل انصاف سے مخفی نہیں ہے۔

احادیث کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کے لئے پانچ قسم کی شفاعت ثابت ہے۔

الاولیٰ: الشفاعۃ العظمیٰ:

یعنی سب سے بڑی شفاعت، اور اسے مقام محمود کے نام سے بھی جانا جاتا ہے

---

[1] مسلم شریف......شرح النووی......فی ھامش القسطلانی......(182-281/2)

اس میں اہل حشر مومنین حشر کی ہولنا کیوں اور حساب سے نجات پا کر سکون محسوس کریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

''آدمی لوگوں سے پوچھتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

مزید ارشاد فرمایا اس دن سورج قریب ہو جائے گا یہاں تک کہ پسینہ بہہ بہہ کر اتنا زیادہ ہو جائے گا کہ آدمی کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔ اسی دوران کو حضرت آدم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کریں گے۔ پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گے۔

عبداللہ بن صالح نے اس بات کا اضافہ کیا کہ مجھے لیث اور ابن ابی حصفر نے بتایا کہ ''آپ علیہ السلام مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے آپ جائیں گے اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ لیں گے اس روز آپ کو اللہ تعالیٰ مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور وہاں موجود تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔[1]

اس حدیث پاک کو انتہائی اختصار سے عرض کیا گیا ہے اس میں اور بھی کافی رسولوں کے اسماء گرامی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ''حلقہ الباب''

سے مراد جنت کا دروازہ ہے۔ اور اسے قرب کے لئے مجازاً بولا گیا ہے۔

مقام محمود ہی شفاعت عظمیٰ ہے جو صرف حضور علیہ السلام سے ہی مخصوص ہے۔ اس سے اہل محشر آرام و سکون پائیں گے اور اپنے حساب کتاب سے جلد فارغ ہو جائیں گے۔

صحیح بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت

---

[1] بخاری شریف..... شرح القسطلانی..... (63/3) مسلم شریف شرح النووی..... (428/4)

ابی بن کعبؓ حضرت ابی یعلیٰؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

" ثم اَمتدحهُ بِمَدحةٍ یرضٰی بِهَا عَنِّیْ ثُمَّ یُوذَنُ لِیْ فِیْ الْکَلَامِ ثِمَّ تَمُرُّ اُمتِیْ عَلٰی الصِرَاطِ وَھُوَا مَنصُوب" بَیْنَ ظَهرانِیْ جهنَم فَیَمُرُّوْنَ"[12]

ترجمہ: "پھر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناءاس انداز میں کروں گا کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا پھر مجھے بولنے کی اجازت دی جائے گی۔اس کے بعد میری امت پل صراط سے گزرے گی جو کہ جہنم کے اوپر لگا گیا ہوگا پس وہ اس پر سے گزریں گے" اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام پل صراط کے پاس کھڑے ہوں گے۔"

شفاعت کی دوسری قسم: گناہ گار مسلمانوں کو جہنم سے نکالنے کے لئے آپ علیہ الصلوۃ والسلام شفاعت فرمائیں گے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں رکھے گا پھر مجھ سے کہا جائے گا" اپنا سر اٹھاؤ، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ پھر میں اپنے رب کی حمد کروں گا جو اللہ تعالی مجھے اس وقت تعلیم دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا پھر میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ پھر میں گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا اور پھر شفاعت کروں گا۔ (تین یا چار بار) حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک رکھا ہے[13]

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے جن پر جہنم کا دوام واجب ہو چکا ہے۔ العیاذ باللہ

شفاعت کی تیسری قسم: نبی کریم ﷺ ان لوگوں کے لئے بھی شفیع ہوں جو اپنے

---

۱۲ فتح الباری......شرح البخاری......(380/11)

۱۳ بخاری شریف......شرح القسطلانی......(326-325/9) ۱۴ سنن الترمذی......حدیث 2554

گناہوں کے سبب جہنم کے مستحق بن چکے ہوں گے پس آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی شفاعت کے سبب وہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔

شفاعت کی چوتھی قسم: آپ علیہ السلام کی شفاعت کے صدقے ایک قوم بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"وَعَدَنِی رَبِّی اَنْ یَدْخُلَ الْجَنَۃَ مِنْ اُمَّتِی سَبْعِیْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا"[۱۴] رواہ ترمذی بسند حسن

"میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے 70 ہزار کو بغیر حساب کتاب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ہزار کے ساتھ 70 ہزار ہوگا۔"

شفاعت کی پانچویں قسم: جنت کے مکینوں کے درجات کی بلندی کے لئے آپ علیہ السلام شفاعت فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سخی اور کریم ہے سیدنا محمد ﷺ کی شفاعت کرنے کے بعد شفاعت کا دروازہ باقی لوگوں کے لئے بھی کھل جائے گا اور جس پر اللہ جل شانہ راضی ہوں گے وہ شفاعت کا اہل ہوگا۔

"یَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا"[۱۵]

"اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں ہر وہ آدمی شامل ہے جس کا قول اور اعتقاد یہ ہے کہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ)

---

۱۵ سورۃ طٰہٰ......۱۰۹

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا،

" من امتی من یشفع للضام ومنهم مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوْ الْجَنَّةَ [17] رواہ ترمذی

''میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کی شفاعت کریں گے بعض وہ ہیں جو ایک قبیلہ کی شفاعت کریں گے۔ بعض ایک کنبہ کی شفاعت کریں گے۔ بعض صرف ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔''

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا

" يَشْفَعُ الشَّهِيْدُ فِي سَبْعِيْنَ مِن اَهْلِ بَيْتِهِ [18] رواہ ابوداؤد

''ایک شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر کی شفاعت کر سکے گا۔''

---

[17] سنن الترمذی...... حدیث 2557

[18] سنن ابی داؤد......(15/2)

جنت اور دوزخ

نورِ ایمان کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ جنت اور دوزخ کو تسلیم کیا جائے گا اور ان کے وجود پر ایمان ہو کہ ان دونوں کو پیدا فرمایا گیا اور اب دونوں موجود ہیں اور مسلمانوں کے لیے جنت اور کفار کے لئے جہنم ابدی ٹھکانہ ہوگا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام سے ثابت ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ"[1]

"اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیز گاروں کے لئے"

اسی طرح دوزخ کے بارے میں فرمایا۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ"[2]

"اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے"

احادیث مبارکہ ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے لئے جنت اور دوزخ کو ظاہر فرمایا اور ان دونوں کے مکینوں کے بارے میں بھی مطلع فرمایا اور یہ احادیث تمام کتب صحیحہ میں موجود ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ دونوں کس جگہ واقع ہیں تو اس سلسلے میں کوئی نص صریح تو موجود نہیں کہ اس کی تعین کی جا سکے لیکن کثیر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش الٰہی سے نیچے ہے۔ اور وہ اس سلسلے میں اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں کہ

---

[1] سورۃ آل عمران..... 133 [2] سورۃ آل عمران..... 131

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی oعِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰیoعِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوٰی"[۳]

"اور انہوں نے تو اس کو دوبار بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتھیٰ کے پاس اس کے پاس ہی جنت الماوی ہے"

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ

"سَقْفُ الْجَنَّةِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَّ النَّارَ تَحْتَ الْاَرْضِیْنَ"[۴]

"جنت کا چھت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور دوزخ زمینوں کے نیچے ہے۔"

یعنی دوزخ ایک الگ علاقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں پیدا فرمایا اور اس کی ہولنا کی اور ہیبت کو ظاہر کرنے کے لئے اسے زمین کے نیچے کی طرف منسوب کیا گیا۔

اگر یہ مذکورہ دلائل قطعیت اور تعین کا فائدہ نہ بھی دیں تو بھی کتاب وسنت کے دلائل میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں اس جہان میں موجود ہیں۔ اور اس عالم کی وسعت کا اندازہ لگانا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں کوئی عجب نہیں کہ یہ دونوں علاقے اس دنیا میں ہی ہوں کیونکہ سائنسی علوم کی بنیاد پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ سورج ہماری زمین کے قریب ہے اور یہ سیاروں اور ستاروں کی دنیا جو سائنس دان دریافت کر سکتے ہیں بہت تھوڑی سی ہے اس کے علاوہ یہ کائنات اتنی بڑی ہے کہ اس کی وسعت کا اندازہ لگانا سائنس کے بس کی بات نہیں۔ اور اہل جنت اور اہل دوزخ کی جو صفات قرآن وحدیث میں بیان فرمائی گئیں ہیں وہ انداز بیان قرآن وحدیث کا ہی حصہ ہے۔

جہنم: اس کے دروازوں اور اوصاف کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ oلَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُوْمٌ[۵]

"اور بے شک جہنم وعدہ کی جگہ ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان

---

[۳] سورۃ النجم.........14 [۴] مصنف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند معلوم نہیں لیکن اس جیسا مفہوم رکھنے والی احادیث موجود ہیں [۵] سورۃ الحجر.........43

میں سے ایک مخصوص حصہ ہے۔ مزید فرمایا

"كَلَّا اِنَّها لَظٰى o نَزَّاعَةً لِلشوىٰ o تَدْعُوا مَنْ اَدْبَر وَتَوَلّٰى وَجَمَع فَاَوْعىٰ"[1]

"لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا بیشک آگ بھڑک رہی ہوگی نوچ رہی ہوگی گوشت پوست کو وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑلیا۔ مال خرچ کرتا رہا پھر مال سنبھال کر رکھتا ہے۔"

ان آیات طیبات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات مبارکہ ہیں جو جہنم کی ہولناکی، دہشت اور شدت کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔ قرآن پاک پڑھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ خطبہ دیتے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یوں فرماتے سنا۔

"اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لرجلٍ فِيْ اَخْمَصْ قَدَمَيه جَمْرَ تَانِ يُغْلِى مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ"[2] متفق علیہ۔ الترمذی

ترجمہ: بروز قیامت کسی آدمی کو کم ترین عذاب ہوگا کہ اسے آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول اٹھے گا۔"

جب کہ جن وانس میں کفار اہل جہنم ہوں اور اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ گناہ گار مسلمانوں کو بھی اس میں ان کے گناہوں کے مطابق سزا دی جائے گی اس سزا کو بھگتنے کے بعد وہ جنت میں چلے جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جنت اور اہل جنت کا ذکر جمیل اللہ تعالیٰ نے بڑے احسن انداز میں فرمایا ہے۔ جنت کے خدام، حوروں، فرش، کھانے اور مشرب کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ فرمایا

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُوْرًا ....

---

[1] سورۃ المعارج .... 17 [2] ارشاد الساری الرقاق .... (323/9)

وَ كَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُوْرًا٥ ۸

''اور چکر لگاتے رہیں ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت میں رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے گا تو یوں سمجھے گا گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے۔ تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی۔ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوشش مقبول ہوئیں۔''

مزید فرمایا۔

والسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ لا صَحَابِ الْیَمِیْنِ ثُلَّۃٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ ٥وَثُلَّۃٌ مِنَ الْاٰخِرِیْنَ'' ۹

''اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا۔ وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے۔ وہ ہی مقرب بارگاہ میں عیش و سرور کے باغوں میں ایک بڑی جماعت پہلوں سے اور قلیل تعداد پچھلوں سے ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آمنے سامنے گردش کرتے ہوں گے۔ ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوں گے نہ سر درد محسوس کریں گے اور نہ مدہوش ہوں گے اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔

(یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لئے مخصوص ہوں گی ایک بڑی جماعت اگلوں سے ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی'' ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

---

۸ سورۃ الدھر............22-19 ۹ سورۃ الواقعہ......10......40

" فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَ نۡفُس وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ وَاَنۡتُمۡ فِیۡهَا خَالِدُوۡنَ٥ ۱۰؎

" اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کرے کریں گے اور آنکھوں کو لذت ملے گی۔ (مزید براں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" قَالَ عَزَّوَجل اَعۡدَدَتُ لِعِبَادِی الصَا لِحِیۡنَ مَا لَا عَیۡنَ دَاتُ وَلَا اُذُنَ سَمِعَتۡ وَلَا خَطَر عَلٰی قَلۡبِ بَشِرٍ ذُخۡراً بَلۡهُ مَا اطلعکم اَللّٰهُ عَلَیۡهِ ۱۲؎ ثم قراء فلا تَعۡلَمُ نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون" سوره السجده)

" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا تصور آیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی کہ " پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

" لَقَابَ قَوس اَحَدِ کَمۡ فِیۡ الۡجَنَّةِ خَیۡر مِمَّا طَلعتۡ عَلَیه الشَّمۡسُ اَوۡ تَضۡرِبُ" ۱۳؎

" جنت میں تمہارے لئے کمان کی مقدار جنتی جگہ بھی دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔"

جب کہ جنت کی تعمیر کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔

" فِمِمَّا خُلِقَ الۡخَلۡقُ"

مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا

۱۰؎ سورۃ الزخرف .... 71 ۱۲؎ بخاری شریف ...... شرح القسطلانی ...... (437/10)

۱۳؎ رواہ البخاری

"مِن الْمَاء" پانی سے

ہم نے عرض کی جنت کو کس چیز سے بنایا گیا؟ فرمایا

" لبنة من فضة ولبنة من ذهب و كلا طها (ای ما يوضع بين اجزا البناء كالطين) المسك الا ذفر (شديد الرائحة) وحصيا وها اللولو وتر بتها الزعفران من دخلها ينعم ولا يياس ويخلد ولا يموت ولا تبلى ثيا بهم ولا يغنى شباء بهم" [۱۴]

" جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہوئی ہیں جو انتہائی خوشبو دار ہے۔ جنت میں کنکریوں کی جگہ موتی استعمال ہوں گے اور اس کی زمین زعفران کی ہے جو اس مین داخل ہو گیا وہ نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہے موت نہیں آئے گی۔ لباس پرانا نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کا شباب ختم ہوگا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

"اِنَّ اَهلَ الْجنةِ يَأ كُلونَ فِيهَا وَيَشْرِبُونَ وَلَا يَتغِلُوْنَ وَلَا يَبُولُوْنَ وَلَا يَتغوطُونَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ فَمَا بَالَ الطَعَام قَالَ " جَشَاءَ وَرَشِح كَرِشْح الْمِسْكِ يَلْهَمُوْنَ اَلتَسبِيْحَ وَالتَحْمِيْدَ كَمَا يَلْهَمُونَ النَفْسَ" [۱۵]

" اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے لیکن گندگی، پاخانہ، پیشاب، تھوک وغیرہ اور بدن کا میل اصلا نہ ہوں گے عرض کی پھر کھائے ہوئے کا کیا ہوگا فرمایا، خوشبودار پسینہ آئے گا اور ایک خوشبودار اور فرحت بخش ڈکار آئے گا اور سب کھانا ہضم ہو جائے گا ۔ ہر وقت زبان سے تسبیح وتکبیر بالقصد اور اور بلا قصد مثل سانس کے جاری ہوگی۔"

جب کہ جنت کے دروازوں کے بارے میں ہے کہ ان کی تعداد آٹھ ہے،

---

۱۴ ترمذی شریف حدیث نمبر 2646

۱۵ مسلم شریف ....شرح النووی فی حاشیۃ القسطلانی.....(290/10)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"فِی الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ فِيهَا بَابٌ" يُسَمَّى الرَّيَانَ لَا يَدْخُلُه" اِلَّا الصَّائِمُونَ ١٦ متفق علیہ

"جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازے کا نام "الریان" ہے جس میں سے صرف روزے دار گزریں گے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"بَابُ اُمَّتِی الَّذِیْ يَدْخُلُونَ مِنْهُ الْجَنَةَ عَرْضُهُ مَسِيْرَةَ الرَّاكِبِ الْجَوَّادِ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنَّهُمْ لَيَضْغَطُونَ عَلَيْهِ حَتَّى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ" رواہ الترمذی ١٧

"میرے امتی جس دروازے سے گزریں گے اور جنت میں داخل ہوں گے ان کی چوڑائی اتنی ہے کہ ایک تیز رفتار گھوڑ سوار تین دن تک گھوڑا دوڑاتا رہے اس کے باوجود داخل ہونے والوں کی اتنی بھیڑ ہوگی کہ ان کے کندھے اترنے کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔"

اور جنت کے درجات کے بارے میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔

فِیْ الْجَنَةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ . وَالفِرْدَوْسِ اَعْلَاهَا دَرَجَةً وَمِنْهَا تَفْجرُ اَنْهَارِ الْجَنَةِ الْاَرْبعة وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ فَاِذَا سَالْتُمْ اللّٰهُ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ "رواہ الترمذی والبخاری ١٨

"جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا سا فاصلہ ہوگا" فردوس" سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اور اس میں جنت کی چار نہریں نکل رہی ہیں اس کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس" کا سوال کرو۔

---

١٦ صحیح بخاری .... شرح القسطلانی ...... (286/5) ١٧ الترمذی .... حدیث نمبر 2672

١٨ رواہ البخاری ...... شرح القسطلانی ...... (5/37-38) الترمذی حدیث 2651

جب کہ جنت کی نہروں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں۔

" مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وَعَدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَار " مِنْ مَاءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَاَنْهَار " مِنْ لَبَنٍ لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهَار " مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّارِ بِیْنَ وَاَنْهَار " مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّیؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّهِمْ[۱۹]

" جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں کچھ صاف پانی کی نہریں ہیں کچھ دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا شراب کی نہریں ہیں صاف شہد کی نہریں ہیں۔ ہر قسم کے پھل ہیں۔ اوران کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے۔ جنت کے پھلوں، درختوں اور سائے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" اُكُلُهَا دَائِم " وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَی الَّذِیْنَ اِتَّقَوْا وَعُقْبَی الْكَافِرِیْنَ النَّارَ "[۲۰]

" اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے۔ اوراس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے ہیں اور کفار کا انجام آگ ہے "

اور اہل جنت کا جنتوں میں ایک مخصوص حق یا حصہ ہوگا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

" وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ[۲۱]

" اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے "

جب جنت کے محلات کی عمدہ صفائی اور نفاست کے بارے میں ایک حدیث طیبہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

" اِنَّ اَهْلَ لَجَنَةِ لَیَتَرَاؤُوْنَ اَهْلَ الْعُرْفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَتَرَاءُ وْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِیْ الْغَابِرِ فِیْ الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ اَوْ الْمَغْرِبُ لِتَفَاضَلَ مَا بَیْنَهُمْ " قَالُوْا یَا

---

۱۹ سورۃ محمد............ 15 ۲۰ سورۃ الرعد............35

۲۱ سورۃ الرحمٰن 46

رَسُوْلَ اللّٰہِ تِلْکَ الْمَنَازِلَ الْاَنبِیَا لَا یَبْلُغُھَا غَیْرُ ھُمْ قَالَ " بَلٰی " وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ رِجَالٌ" آمَنُوْ بِا اللّٰہِ وَصَدَّقُوْ الْمُرْسَلِیْنَ" ۲۲

" بے شک اہل جنت ، اہل غرف کو اس انداز میں دیکھیں گے جیسا کہ تم کسی الگ تھلگ روشن ستارے کو مشرق سے مغرب تک چمکتا ہوا دیکھتے ہو۔ یہ اس لئے کہ ان کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا اظہار ہو سکے۔ عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ انبیاء علیہم السلام کی منازل ہوں گی۔ جو انہیں کے ساتھ خاص ہوں گی فرمایا نہیں بلکہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں علیہم السلام کی تصدیق کی۔ اللہ ورسولہ اعلم

---

۲۲ بخاری شریف مسلم شریف ترمذی شریف 2681

الکوثر

یہ اس نہر کا نام ہے جو سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"ذَاکَ نَھرِ اَعطَانِیہِ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَ فِیْ الْجَنَّۃِ اَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحلٰی مِنَ الْعَسَلِ فِیْہِ طُیُوْرٌ" اَعنَاقُھَا الجُزُرِ" "

قال عمر انَّ ھٰذِہٖ لَنَاعِمَۃ" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم اَکَلَتھَا اَنعَمُ مِنھَا" ۲۲

" یہ وہ نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں عطا فرمائی ہے یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا وہ بہت موٹے موٹے ہوں گے آپ علیہ السلام نے فرمایا کھانے والے اس سے زیادہ موٹے ہوں گے"

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ

" اُغفِیَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَغْفَاءَۃً فَرَفَعَ رَاسَہٗ مُتَبَسِمًا فَامَا قَال لھم واما قالو لہ یا رسول اللہ لِمَ ضَحِکتَ؟ فَقَالَ " اِنَّہٗ اَنزَلَتَ عَلَی اَنفًا سُوْرَۃ" فَقَرَاَ (بسم اللہ الرحمن الرحیم اِنَّا اَعْطَیْنَا کَ الْکَوْثَر) حَتی خَتَمَھَا فَلَمَّا قَرأَھَا قال: تَدْرُوْنَ مَا لکَوْثَر؟ قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اعلم قال" فَاِنَّہٗ نَھر" وَعلِنِیہِ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَ فِیْ الْجَنۃِ وَعَلَیْہِ

---

۲۲ ترمذی شریف حدیث نمبر 2545 ۲۳ سنن ابی داود (538/2)

خیر" کثیر" علیہ حوض " ترد علیہ امتی یوم القیامۃ آنیتہ عدد الکوکب" ۴۳

" نبی کریم ﷺ پر تھوڑی سی اونگھ طاری ہوئی اس کے بعد آپ نے تبسم فرماتے ہوئے سر مبارک اٹھایا عرض کی گئی یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے فرمایا ابھی ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی (پھر آپ نے سورۃ الکوثر کی تلاوت فرمائی)

آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے۔

عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔

فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے میرے سے وعدہ فرمایا ہے یہ جنت میں ہے اس کے اوپر خیر کثیر ہے اور اس کے اوپر حوض ہے بروز قیامت اس پر میری امت آئے گی اس کے اوپر پڑے برتن ستاروں کی تعداد جتنے ہیں"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

" بینما انا اسیر فی الجنۃ اذا انا بنھر حا فتاہ قباب الدر المجوف قلت ما ھذا یا جبریل قال ھذا الکوثر الذی اعطاک ربک فاذا طینہ او طیبہ مسک اذفر" ۴۴

" شب معراج) جب میں جنت میں چل رہا تھا تو میں ایک نہر کے کنارے پہنچا جس کے کنارے کھوکھلے موتیوں سے بنائے گئے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہے عرض کی کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے جب کہ اس کی مٹی یا اس کی خوشبو مشک کی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ نے فرمایا۔

---

۴۴ صحیح البخاری ...... شرح القسطلانی (339/9)

" الكوثر نهر " فِی الْجَنَةِ حا فتاہُ مِنْ ذَهَبٍ وَ مَجْرَاهُ عَلی الدُرِ وَالیَاقُوتِ تُربَتهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسکِ وَمَا ئُهُ اَحلٰی مِنَ الْعَسَلِ وَ اَبیَضُ مِنَ الثلجِ "۲۵

''کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور اس کا بہاؤ موتیوں اور یاقوت پر ہے اس کی مٹی مشک سے خوشبودار ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

اس حدیث اور سابقہ حدیث مبارکہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سونے سے بنے کنارے اپنے اوپر بنے موتیوں کے قبوں کے مانع نہیں ہیں۔

اللہ ورسولہ اعلم

۲۵ رواہ الترمذی بسند صحیح

مکتبہ جمال کرم